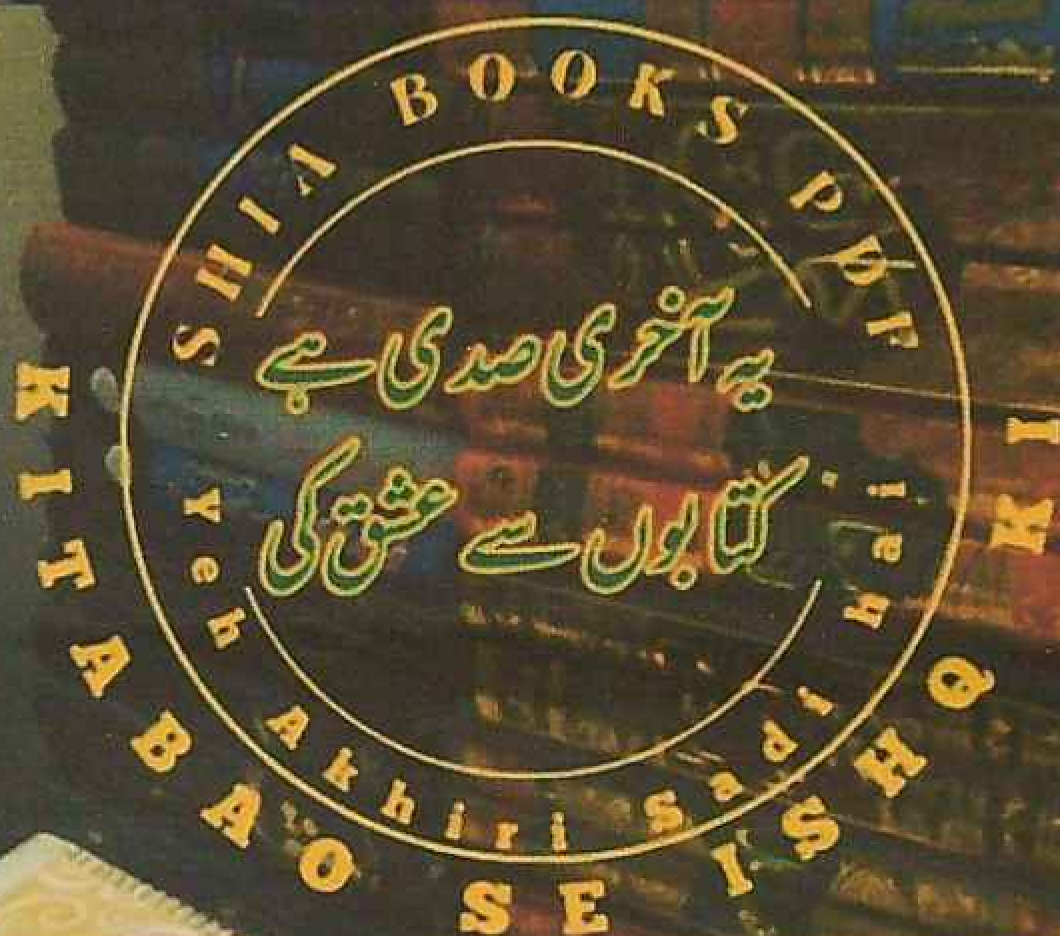
بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

Shia Books PDF منظر ایلیاء



MANZAR AELIYA
9391287881
HYDERABAD INDIA

حاضرات ارواح

رئیس امروہوی

حاضراتِ ارواح

حصہ اول۔ دوئم (مکمل)

رئیس امروہوی

ویلکم بُک پورٹ

اردو بازار کراچی، پاکستان

قانونی مشیر: وحید نور

اشاعت : اکتوبر 2013ء
اہتمام : قمر زیدی
کمپوزنگ : دانشور گرافکس
قیمت : [redacted]

ناشر
ویلکم بک پورٹ
مین اردو بازار کراچی۔ پاکستان
فون : 021-32639581-32633151
فیکس : 021-32638086
ای میل : welbooks@hotmail.com
wbp@welbooks.com
ویب : www.welbooks.com

فہرست

حرف اول

حاضرات ارواح کیسے کہتے ہیں؟

حاضرات ارواح کہتے ہیں' روحوں کو طلب کر کے ان سے تحریر یا تقریر کے ذریعے سوال وجواب کرنا۔ حاضرات ارواح کا عمل آج سے نہیں شعور انسانی کے آغاز سے رائج ہے لیکن حاضرات ارواح کے عمل کی حقیقت، ماہیت اور نوعیت اب تک واضح نہیں۔ ہمارے عمل اور تحقیق کا مدار حواس خمسہ پر ہے اور حواس خمسہ صرف ان حقیقتوں کا ادراک کر سکتے ہیں جنہیں محسوس کیا جاسکتا ہے خواہ وہ احساس آنکھ کے ذریعے ہو یا کان کے ذریعے ہم چھو کر دیکھیں یا سونگھ کر حاضرات ارواح کا مسئلہ عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ دنیا کے تمام ترقی یافتہ ملکوں میں سائنسی پیمانے پر پیرانارمل مظاہر (بطور مثال حاضرات ارواح) کی تحقیقات ہو رہی ہے لیکن پاکستان میں یہ علمی موضوع اب تک اوہام کے غلافوں میں لپٹا ہوا ہے۔ دنیا میں خارق العادات مظاہرہ کی تحقیقات کا سب سے بڑا ادارہ (The Society For Psychical Research(P.S.R) ہے جس کی رکنیت کا شرف مجھے بھی حاصل ہے۔ زیر نظر کتاب میں 'میں نے نہ کوئی دعویٰ کیا ہے نہ کسی نظریے کی صداقت پر اصرار۔ جو حضرات نفسیات و مابعد النفسیات کے موضوع پر میرے مضامین کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ انہیں علم ہے کہ میں روحیت (Psychicism) کا طالب علم ہوں' چنانچہ وہ اس سلسلے میں برابر مجھے اپنے مشاہدات وتجربات اور خیالات سے مطلع کرتے رہتے ہیں۔ اس خط وکتابت کی نوعیت بالکل نجی ہوتی ہے۔ میں نے

قبر کے اس پار جو دنیا آباد ہے اس کے بارے میں صحیح معلومات ہمیں قبر میں جا کر ہی ہوں گی ۔ زیرِ نظر مجموعے میں جو واقعات جمع کیے گئے ہیں اُن پر آپ کو یقین آئے یا نہ آئے یہ اور بات ہے البتہ اس امر کا یقین رکھیں کہ میں نے ہزاروں خطوط میں سے صرف انہی خطوں کے اقتباسات اپنے تبصرے کے ساتھ پیش کئے ہیں جن کے واقعہ نگاروں کی حقیقت پسندی سے میں خود واقف تھا اور جن سے پہلے کافی تحریری بحث و جرح کر چکا تھا ۔ لندن کی مجلس تحقیقاتِ نفسی یا (S.P.R) یقین و شک کے درمیان رہ کر روحی معاملات کی چھان بین کرتی ہے ۔ یہ اس کا مسلمہ طریق کار ہے ۔ میرا طریق کار بھی یہی ہے ۔ یہ کائنات لاانتہا عجائب سے لبریز ہے ۔ ان کائناتی عجوبوں یا عجوبہ آفرینیوں میں ہر لمحہ یہ امکان موجود ہے کہ مادی کائنات کی طرح ایک ذہنی یا روحانی کائنات بھی موجود ہے کم سے کم جدید سائنس (نفسیات اور طبعیات دونوں) کا رخ اسی طرف ہے ۔ پہلے مادے کو حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا لیکن اب سائنس نے مادے کی تعریف ہی بدل دی ہے اور خود مادے کی اصلیت اور حقیقت شبہے میں پڑ گئی ہے ۔ خیر یہ ایک اور بحث ہے جس کا حاضرات ارواح سے کوئی تعلق نہیں ۔

کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اسے واہیات و خرافات کہہ کر ردی کی ٹوکری میں بھی پھینک سکتے ہیں اور ان طریقوں پر بھی عمل کر سکتے ہیں جن کی طرف حاضرات ارواح کے عمل کی وضاحت کے بارے میں بار بار اشارے کئے گئے ہیں، یعنی تحریر وغیرہ کے ذریعے نام نہاد روحوں سے رابطہ پیدا کرنا مناسب یہ ہے کہ آپ خود اس پورے عمل کو آزما کر دیکھیں بہر حال میری تمام خدمات آپ کے لئے حاضر ہیں ۔ میں نے خود بھی حاضرات ارواح کی مجالس میں حصہ لیا ہے ۔ میرے زیرِ نگرانی بہت سے دوستوں نے حاضرات ارواح کا عمل کیا ہے اور کر رہے ہیں ۔ پیش نظر مجموعے میں پلانچٹ (تختہ حاضرات ارواح) اوجا بورڈ اور خودکار تحریر کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے ۔ میڈیم شپ پر بھی مناسب گفتگو کی گئی ہے ۔ بے خودی یا استغراقی کیفیت کی اہمیت کو بھی واضح کیا گیا ہے ۔ حاضرات ارواح کا عمل شروع کرنے سے قبل ان تمام مسئلوں سے مکمل واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے ۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ اس قسم کے عجیب اور بعید از عقل عملیات کی وادی

میں کسی رہبر کے بغیر قدم رکھنا اپنے کو جسمانی نہیں تو ذہنی خطرات میں ضرور مبتلا کر دینا ہے ۔ مناسب ہے کہ حاضرات ارواح کا عمل شروع کرنے سے قبل کسی تجربہ کار اور حقیقت پسند شخص کو اپنا رہبر بنائیں اور اس کے بعد روحوں (یا وہ جو بھی ہوں) سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کریں ۔

حاضرات ارواح کے عمل میں حصہ لینے کے لئے خاص قسم کی صلاحیتوں کی ضرورت ہے ۔ مثلاً شدید حساسیت، نفس کی روحی استعداد، مزاج کی روحانی ساخت اور دروں بینی کا ملکہ یوں تو یہ صلاحیتیں ہر شخص میں پائی جاتی ہیں کسی میں عیاں' کسی میں نہاں البتہ جو لوگ سانس کی مشقیں، ارتکازِ توجہ کا عمل اور مراقبہ وغیرہ کرتے ہیں انہیں عمل حاضرات ارواح میں نمایاں اور بعض اوقات حیران کن کامیابی نصیب ہوتی ہے ۔ میں نے اپنی تصانیف میں ان تمام مشقوں پر تفصیلی بحث کی ہے ۔ مثلاً "لے سانس بھی آہستہ" میں پاس انفاس، پرانا یام اور سانس کی دوسری مشقوں کے فوائد اور نتائج و اثرات پر بحث کی گئی ہے اور اس سلسلے میں متعدد حضرات کے تجربات و تاثرات اور مشاہدات پیش کئے گئے ہیں ۔

ارتکازِ توجہ کی مختلف مشقوں مثلاً شمع بینی، ماہ بینی، سایہ بینی اور نقطہ وغیرہ پر توجہات کے مضامین میں بحث کی گئی ہے ۔ اس سلسلے کی چوتھی کتاب "مراقبہ" اور پانچویں کتاب ہپناٹزم ہے ۔ درحقیقت یہ ساری کتابیں ایک ہی موضوع بحث اور سلسلہ فکر کی مختلف کڑیاں ہیں ۔ ہر کتاب کی حیثیت مستقل سی ہے ۔ مثلاً زیرِ نظر مجموعے میں حاضرات ارواح کے تمام ضروری، علمی اور عملی پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے تاہم مابعد النفسیات کے تمام وسیع پہلوؤں کی آگاہی کے لئے اس سلسلے کی تمام کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے ۔ حاضرات ارواح کے بعد، جنات، آسیب زدگی، جادو، ٹیلی پیتھی وغیرہ وغیرہ کے موضوعات پر مستقل تصانیف پیش کی جائیں گی ۔ انشاء اللہ!

رئیس امروہوی (10، اپریل، 1974ء)

مشہور و معروف امریکی جریدے "نیوز ویک" نے اپنی 9 اکتوبر 1967ء کی اشاعت میں "ری لیجن" کے تحت ایک مضمون شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا "میڈیم کے ذریعے" اس مضمون میں حاضرات ارواح کی ایک مجلس کی روداد چھاپی گئی تھی۔ اس کا خلاصہ سن لیجئے مگر نہیں۔ ٹھہریے۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ حاضرات ارواح کی مجلس کسے کہتے ہیں اور میڈیم کس چڑیا کا نام ہے؟ حاضرات ارواح کی مجالس یا نشستوں کا عام طریقہ یہ ہے کہ اسپر یچول ازم سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کسی خاموش اور نیم تاریک کمرے میں گول میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہر شخص کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس طرح ہاتھوں کا ایک دائرہ نما حلقہ قائم ہو جاتا ہے۔ اسپر یچول ازم یا حاضرات ارواح کے شرکاء کا بیان ہے کہ اس طرح ہاتھوں کے ذریعے اہل مجلس کے درمیان برقی مقناطیسی توانائی کی لہر دائرہ نما شکل میں دوڑنے لگتی ہے۔ برقی مقناطیسی توانائی کی لہر روحوں سے تعلق پیدا کرنے کے سلسلے میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ نیم تاریک، صاف و پاکیزہ اور پرسکون کمرے میں گول میز کے گرد ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیٹھنے والے لوگ نرم و شیریں لہجے میں مذہبی گیت اور مناجاتیں گاتے ہیں۔ کسی روح کی آمد کی اطلاع مختلف طریقوں سے دی جاتی ہے یا تو میز کو تھپتھپانے کی آواز آتی ہے یا روشنی دکھائی دیتی ہے یا آواز سنائی دے جاتی ہے یا میز پر رکھی ہوئی کوئی چیز حرکت میں آ جاتی ہے۔ روحوں سے سوال و جواب کے بہت سے طریقے رائج ہیں عام اور پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ اہل مجلس میں سے کسی شخص پر یکا یک بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ بے خودی کی کیفیت طاری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص کے دماغ اور اعصابی نظام پر کوئی نادیدہ ہستی (روح) عارضی طور پر قابض ہو گئی ہے اور وہ اہل مجلس سے سلام و پیام پر تیار ہے۔ جس شخص پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوتی ہے اسے حاضرات ارواح کی اصطلاح میں معمول، میڈیم یا وسیط کہتے ہیں یعنی حاضرین مجلس اور عالم ارواح کے درمیان ربط و تعلق پیدا کرنے والی کڑی۔

اسپر یچول ازم (SPIRITUALISM) کا ترجمہ عام طور پر روحانیت کیا جاتا ہے۔ آسانی کی غرض سے ہم اس موقع پر روحانیت کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ سچی

روحانیت ان مابعد النفسیاتی شعبدہ بازیوں اور خارق العادت کرشمہ آرائیوں سے بالکل مختلف چیز ہے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ کہاں روحانیت کہاں اسپر یچول ازم (مغربی اصطلاح میں)۔

چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا

ہاں تو آپ سمجھ گئے کہ حاضرات ارواح کی مجلس کے انعقاد کا طریقہ کیا ہے؟ خاموش کمرہ، پرسکون ماحول، حاضرین کی توجہ عالم بالا کی طرف مرکوز۔ ہر شخص کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں۔ ہاتھوں کی دائرہ نما زنجیر کے ذریعے اہل مجلس کی برقاطیسی قوت سرکٹ کی شکل میں دوڑنے لگتی ہے۔ لوگ یک زبان اور ہم آواز ہو کر حمد و مناجات کے گیت گاتے اور دعائیں کرتے ہیں۔ روح کی حاضری کی اطلاع یا اشاروں کے ذریعے دی جاتی ہے یا کسی شخص پر استغراق کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہ شخص میڈیم یا وسیط (معمول) کہلاتا ہے۔ وسیط یا واسطہ بننے کی سب سے زیادہ صلاحیت عورتوں میں پائی جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے نازک اعصاب اور شدت جذبات کے سبب غیر معمولی طور پر اثر پذیر شدید الاحساس اور عقیدے کی قوت سے لبریز ہوتی ہیں۔ آج یورپ میں جس مشغلے کو اسپر یچولزم کہتے ہیں اس کا سلسلہ ایک سو سال قبل 1863ء میں امریکہ سے شروع ہوا تھا اور فاکس سسٹرز اس کی سب سے پہلے معمول تھیں۔ بہت کم مرد ایسے ہیں جن میں میڈیم شپ کی اعلیٰ صلاحیت موجود ہو۔ البتہ فنکاروں، شاعروں خیال پرست اور خواب کی دنیا میں ڈوبے رہنے والے مرد بھی مشق و ریاضت سے اچھے میڈیم ثابت ہو سکتے ہیں۔ حاضرات ارواح کی مجلس میں میڈیم کے ذریعے روحوں سے بات چیت ہوتی ہے۔ اس بات چیت کو ایک تجربہ کار روح کنٹرول کرتی ہے جسے اسپر یچولزم والے، رہنما، گائیڈ اسپرٹ کنٹرولر یا ناظم ارواح کہتے ہیں۔ جب میڈیم کے ذریعے کسی روح سے گفتگو کی خواہش کی جاتی ہے تو اس روح کا گائیڈ (رہنما) اپنی وساطت سے گفتگو کراتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ روح سے بات چیت کرنے کے لئے دو واسطے درکار ہوتے ہیں ایک تو وہ شخص جس پر بے خودی کی کیفیت طاری ہے۔ دوسری وہ رہنما روح جو اسپرٹ کنٹرولر یا گائیڈ کہلاتی ہے۔ بالعموم مطلوبہ روح سے سوال و جواب گائیڈ ہی کے ذریعے ہوتے ہیں

لیکن یہ کوئی ضروری نہیں۔ بعض اوقات مطلوبہ روح گائیڈ کے بغیر سوال وجواب کرنے لگتی ہے۔ روحوں سے سوال وجواب کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب میڈیم پر حالت بے خودی طاری ہوتی ہے تو اس کے ہاتھ میں قلم یا پنسل دیدیتے ہیں اور وہ بے تکان کاغذ پر سوالات کے جواب لکھنا شروع کردیتا ہے اس طریقے کو آٹومیٹک رائٹنگ کہتے ہیں۔ ہم نفسیاتی علاج کے سلسلے میں بھی یہی طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ آج بہت سے حضرات اس طریقے پر عمل کررہے ہیں اور اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔ خودکار تحریر (آٹومیٹک رائٹنگ) کے ذریعے نفس انسانی کی تہوں میں چھپی ہوئی اور دبی ہوئی بہت سی یادیں، گمشدہ یادداشتیں، جذباتی صدمے، ذہنی حادثے اور گھٹے ہوئے جذبات خود بخود شعور کی سطح پر آجاتے ہیں۔ عالم ارواح سے تعلق پیدا کرنے کے لئے اور بہت سے طریقے ایجاد کیے گئے ہیں۔ مثلاً گول میز یا گول تختے پر الف سے ی تک تمام حروف ایک دائرے کی شکل میں چسپاں کردیے جاتے ہیں۔ پہلے ان حروف کو موٹے قلم سے کاغذ پر لکھا جاتا ہے پھر قینچی سے الگ الگ کاٹ کر گوند، گم یا لیسی سے گولائی میں چپکا دیا جاتا ہے۔ گول تختے کے بیچ، یعنی حروف کے وسط میں شیشے یا پلاسٹک کا ہلکا سا گلاس جو آسانی سے حرکت میں آجائے الٹا کرکے رکھ دیتے ہیں۔ اُلٹے گلاس کے پیندے پر دو یا تین آدمی اپنی ایک ایک یا دو دو انگلیاں نہایت نرمی، نزاکت اور آہستگی کے ساتھ رکھ دیتے ہیں تاکہ گلاس کی خود بخود حرکت میں خلل نہ پڑے۔ اس کے بعد ذہن کی تمام تر قوت اور توجہ اس روح کی طرف مرکوز کردی جاتی ہے جس کو بلانا مقصود ہو۔ گلاس حرکت میں آجاتا ہے۔ مثلاً روح کو یہ بتلانا ہے کہ میرا نام رئیس ہے۔ تو گلاس پہلے "ر" کی طرف حرکت کرے گا پھر "ی" کی طرف اور پھر س کی طرف۔ اس طرح رئیس کا لفظ بن جائیگا۔

حضرت جوش ملیح آبادی مدت تک اس قسم کے تجربے کرچکے ہیں۔ انہوں نے بقول خود سرسید، غالب، حالیؔ، انیسؔ، "ٹیپو سلطان" اور نجانے کن کن بزرگوں کی روحوں سے سوال وجواب کیے تھے اور اس کی تفصیل ایک رجسٹر میں درج کردی تھی۔ میں نے جوش صاحب سے استدعا کی کہ یہ رجسٹر مجھے بھی دکھلا دیں۔ فرمانے لگے راجہ صاحب محمود آباد مجھ سے یہ رجسٹر مانگ کر لے گئے تھے اس

کے بعد اس کا کوئی پتہ نہ چلا حال ہی میں جناب قدرت اللہ شہاب (سیکریٹری وزارت تعلیمات) نے بیان کیا کہ جب وہ ہالینڈ میں پاکستان کے سفیر کی حیثیت سے متعین تھے تو انہوں حاضرات ارواح کی مجالس اور لٹریچر کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا اور وہ اس کی صداقت کے قائل اور معترف ہوکر وہاں سے واپس پلٹے ہیں۔ شہاب صاحب کے بیان کے مطابق ہالینڈ میں "مکالمہ ارواح" کا فن سائنس کی شکل اختیار کرچکا ہے اور اس سلسلے میں اہم اور حیرت انگیز تجربات کئے گئے ہیں۔ انگلستان کی مشہور ومعروف (Society For Physchical Research) مخفف (S.P.R) نوے اکیانوے سال سے حاضرات ارواح کے سلسلے میں خودکار تحریر (آٹومیٹک رائٹنگ) کے ذریعے غیر معمولی سائنسی صحت وصداقت کے ساتھ سپر نارمل تجربات میں مصروف ہے۔

جناب نذیر احمد ایڈووکیٹ صدر راولپنڈی بار ایسوسی ایشن نے جواب خود عالم ارواح کے باسی بن چکے ہیں مجھے مشورہ دیا تھا کہ پاکستان میں سائنسی پیمانے پر روحانیت (وہی مغربی طرز کا اسپر چولزم مراد ہے) کے تجربات شروع کئے جائیں۔ مرحوم تیس سال سے اس علمی تحریک کا مطالعہ کررہے تھے اور انہیں یقین تھا کہ بعض ذرائع اختیار کرکے مردوں سے سوال وجواب کئے جاسکتے ہیں۔ نیوز ویک (شمارہ اکتوبر 1967ء) میں مجالس حاضرات ارواح کی جو روداد چھاپی گئی ہے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ بہتر ہے کہ ہم اپنے حلقے کے تجربات کی طرف توجہ دیں۔

م۔ ع (سیالکوٹ) اپنے خط 8 اگست 1972ء میں لکھتے ہیں کہ

السلام علیکم۔ میرے ایک واقف کار کے پاس چھوٹی سی تپائی ہے یہ بارہ انچ اونچی ہوگی۔ ہم اس تپائی کو گھر لائے۔ پاک کیا۔ تین آدمیوں نے آہستگی کے ساتھ تپائی پر ہاتھ رکھ دیا اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھونک ماری۔ پھر ایک شخص نے کہا کہ اگر اس طرف سے کوئی روح گزر رہی ہو تو اپنی موجودگی سے تپائی کی حرکت کے ذریعے اطلاع دے فوراً تپائی کی ایک ٹانگ اُٹھ گئی۔ سوال وجواب کا طریقہ یہ طے کیا گیا ہے کہ تپائی کے تینوں پایوں کی حرکت کو جواب سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً روح نیک ہے یا بد۔ مرد ہے یا عورت جوان ہے یا بچہ، رشتہ دار ہے یا غیر۔ ہر پائے کے اُٹھنے کو

ایک جواب تصور کرلیا جاتا ہے۔اس طرح تپائی کی مختلف حرکتوں سے ہم روح سے جوابات حاصل کرتے رہتے ہیں ایک روز ہماری خواہش کے بغیر والد مرحوم کی روح آ گئی اور بہت دیر تک تپائی کی حرکت کے ذریعے سے مخاطب رہی۔ہم نے والد مرحوم کی روح سے پوچھا کہ

کیا آپ والدہ مرحومہ کی روح کو بلا سکتے ہیں۔

اثبات میں جواب ملا۔اور دوسرے روز والدہ مرحومہ کی روح نے تپائی کی حرکت کے ذریعے اپنی آمد کی اطلاع دی۔ہم ہمیشہ کسی روح کو طلب کرنے سے قبل سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں لیکن کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ بغیر کچھ پڑھے تپائی فضا میں بلند ہوگئی۔تپائی کے ذریعے ماضی کے بارے میں جو سوالات کئے جاتے ہیں وہ بالعموم درست ثابت ہوتے ہیں لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مستقبل کے بارے میں بھی روح کے جوابات صحیح اور درست ہیں۔ہمارے ہمسائے میں ایک لڑکا مر گیا تھا ۔خیال یہ تھا کہ اسے کسی رشتہ دار نے زہر دیکر مارا ہے مقتول لڑکے کی بیوہ والدہ اور بہن کی درخواست پر ہم نے روح کو بلایا۔اس نے تصدیق کی کہ مجھے زہر دیا گیا تھا۔روح سے کہا گیا کہ اپنی والدہ کے پاس جاؤ۔یقین فرمائیں تپائی نے ازخود ڈیڑھ فٹ کا فاصلہ طے کیا اور مقتول لڑکے کی والدہ کے پاس جا کر ٹھہر گئی۔بیوہ ماں نے مرحوم بیٹے کی یاد میں تپائی کو گلے سے لگا لیا۔اس کے بعد وہی تپائی مرحوم کی بہن کے پاس گئی۔اس نے بھی سینے سے لگایا ایک مرتبہ مجلس حاضرات میں میرا لڑکا فیروز بابر اور میں شریک تھے۔یعنی تینوں کے ہاتھ تپائی پر رکھے تھے ایک روح حاضر ہوئی (یعنی تپائی کو حرکت ہوئی ،روح کی آمد کی علامت یہی ہے) سوال کیا گیا کہ تم نیک ہو یا بد ۔جواب ملا کہ بد۔تو فیروز بابر نے کہا کہ اچھا رقص کرو۔

یقین جانیے تپائی کسی غیبی اشارے سے اُچھلنے کودنے لگی جب روح سے کوئی سوال یا خواہش کرنی ہوتی ہے تو خود بخود تپائی کی کوئی ٹانگ اُٹھ جاتی ہے۔ان صاحب نے تپائی (تین پاؤں کی میز) کے ذریعے حاضرات ارواح کی جو تفصیلات لکھی ہیں۔ان سے قطع نظر کرتا ہوں۔اس سلسلے میں حاضرات ارواح کی چند چیزیں سامنے آتی ہیں۔پہلی چیز یہ ہے کہ روح کو بلانے کے لئے ضروری ہے کہ ایک دو تین یا زیادہ آدمیوں کے ہاتھ تپائی پر رکھے ہوں۔ہاتھ رکھے بغیر تپائی

متحرک نہیں ہوتی۔آخر یہ کیوں کہ تپائی ہاتھ رکھے بغیر حرکت میں نہ آئے۔کیا مطلوبہ روح میز، گلاس یا کسی اور شے (Object) پر براہ راست عمل نہیں کر سکتی۔یا خود کار تحریر کو لیجئے۔خود کار تحریر کے لئے ضروری ہے کہ قلم کسی وسیط کے ہاتھ میں ہو اور قلم کو استعمال کر کے اپنا پیام لکھوا سکے؟جب تک ان سوالات کا تشفی بخش جواب نہ ملیگا ہم حاضرات ارواح کے عمل کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔م۔ع (سیالکوٹ) نے تپائی کے ذریعے روحوں سے سوال و جواب کئے۔عام طور پر اس مقصد کے لئے پلانچٹ اور اوجا بورڈ کو استعمال کرتے ہیں۔وہ بھی لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔روحوں سے سوال و جواب کا عام طریقہ یہی ہے لیکن بعض وسیط یا میڈیم جنہیں (Sensitive) بھی کہا جاتا ہے۔بغیر کسی وساطت کے اس پار کی مخلوق سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں۔خالدہ رفعت (کراچی) جو میری نگرانی میں حاضرات ارواح کے تجربے کر رہی ہیں ۔اپنے خط 7 جولائی 1972ء میں لکھتی ہیں کہ

30 جون کو جب میں نے بابا مرحوم کی روح مبارک کو مخاطب کیا تو مخاطب کرتے ہی محسوس ہوا کہ میرے تمام جسم سے بے رنگ سا مادہ بہہ رہا ہے اور آس پاس کی فضا بے حد سرد اور معطر ہوتی چلی جا رہی ہے۔یہ کیفیت کوئی دس منٹ تک محسوس ہوتی رہی۔دوبارہ مرحوم کی طرف توجہ کی تو محسوس ہوا کہ فضا کی خنکی اور ماحول کی خوشبو میں اضافہ ہو گیا ہے۔پھر میں نے بابا مرحوم کو اپنے سامنے بیٹھا دیکھا۔وہ مجھ سے بے حد نزدیک تھے۔شاید اُن کے قرب کے باعث سرد سرد لہریں میرے جسم میں داخل ہو رہی تھیں اُن کا چہرہ بے حد نورانی تھا۔ہاں لبوں پر مسکراہٹ تھی۔کوئی تین چار منٹ وہ میری طرف دیکھتے رہے۔پھر گویا ہوئے ہم بابا ہیں۔ہم یہ جاننا چاہتے ہیں۔تم ہمیں کیا سمجھتی ہو۔میں اُن کے سوال کا مفہوم نہ سمجھ سکی۔نہ میں نے اس کی وضاحت چاہی۔کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا انہیں کیا جواب دوں۔اس لئے خاموش تھی۔میری خاموشی کو دیکھ کر مرحوم نے دوبارہ سوال کیا کہ

تم ہمیں کیا سمجھتی ہو؟

مجھے فوراً خیال آیا کہ آپ نے مجھے اپنی روحانی بیٹی بنایا ہے۔تو اس اعتبار سے وہ میرے روحانی

دادا ہوئے ۔ میں نے انہیں یہی جواب دیا۔ وہ اس پر بے حد خوش ہوئے اور میرے فاتحہ پڑھنے سے قبل ہی اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ ہاں اُٹھنے سے قبل اپنا پنج بستہ ہاتھ اُنہوں نے میرے سر پر پھیرا ۔ حیرت اس وقت ہوئی جب وہ مجھ سے چند قدم دور ہوتے ہی ہیولے یا پر چھائیں کی صورت اختیار کر گئے پھر فضا میں تحلیل ہوتے ہی ایک ابر پارے کی صورت میں جو بے حد روشن تھا، تبدیل ہو گئے ۔ اس درخشاں پارہ سحاب نے کمرے کی فضا میں کچھ دیر گردش کی، پھر کھلی ہوئی کھڑکی کے ذریعے باہر چلا گیا۔ مرحوم تو اس قدر، نورانی، بزرگ اور شفیق ہستی ہیں کہ اُن سے وحشت یا دہشت محسوس نہیں ہوتی ۔ پھر نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی مشقوں کے باعث دل اس قدر مضبوط ہو گیا ہے کہ اس قسم کے حیرت ناک مناظر مجھے متاثر نہیں کرتے پھر میں تو اس قسم کے مشاہدات و واقعات پر غور کرتی رہتی ہوں اور میرے خیال میں غور و فکر کرنے والے لوگ کسی عجوبے سے گھبرایا نہیں کرتے ۔

رُوحیت کا مذہب

جس چیز کو مغربی اصطلاح میں اسپر یچولزم کہتے ہیں ۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کی ابتدا 1863ء میں امریکہ کی فاکس سسٹرز کے عجوبے سے ہوئی تھی مگر یہ صرف شعبدے بازی تھی۔ آخر حاضرات ارواح اور دوسرے خارق العادات مظاہر جیسے ٹیلی پیتھی، غیب بینی وغیرہ) پر عملی تحقیق اور سائنس تجربات کا بنیادی کام لندن میں ''سوسائٹی فار دی سائی کیکل ریسرچ'' (یا مجلس تحقیقات مظاہر نفسہ) نے 1882ء میں شروع کیا۔ یہ سلسلہ دنیا بھر میں پھیل چکا ہے اور شاید ہی کوئی ترقی پذیر اور علم دوست ملک ایسا ہو جس میں مابعد النفسیات (پیراسائیکلوجی) کے نام سے ان موضوعات کی چھان بین نہ کی جا رہی ہو فرنگی اسپر یچولزم کے بارے میں محترم دوست ، بین الاقوامی شہرت رکھنے والے (Hand Analyist) میر بشیر کا بیان بہت بصیرت افزا ہے لکھتے ہیں کہ

امریکہ کی شہرہ آفاق معمولہ (Medium) ایلین گیرٹ نے اپنی زندگی میں ''دی

پیراسائیکالوجی فاؤنڈیشن'' نامی ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ اس ادارے کا دفتر ''ففتھ ایونیو'' پر واقع تھا ۔ اس ادارے میں روحیت ، مابعد النفسیات اور میڈیم شپ کے مظاہر پر مختلف ماہرین جو اپنے میدان میں عالمگیر شہرت کے مالک تھے ۔ تقریریں کرتے اور خطبات پڑھتے تھے ۔ ان میں امریکہ کے پروفیسر ہارنیل ہارٹ، سویڈن کے آئی جی جورسکھم ڈاکٹر آر ایچ تھومس، آسٹریا کے (H.I.URBAN) سوئٹزرلینڈ کے جین گیزر، اٹلی کے پروفیسر ای سرویداور فرانس کے پال داسے قابل ذکر ہیں ۔ اس ادارے کے زیر اہتمام نفسیات ، طبی نفسیات ہوتیں ۔ دی پیرا سائیکالوجی فاؤنڈیشن انکارپوریشن کی طرف سے فردا (TOMARROW) کے نام سے ایک رسالہ بھی شائع ہوتا تھا۔ اس ادارے کی شائع کی ہوئی کتابیں فن روحیت میں نصاب کا درجہ رکھتی ہیں ۔ آج کل روحیت کی حیثیت مذہب کی سی ہے اور کروڑوں افراد اس کے ماننے والوں میں شامل ہیں ۔ یہ نکتہ صاف ہو جانا چاہئے کہ روحیت کا کوئی تعلق مذہب سے نہیں ہے ۔ بلکہ عیسائیت روحیت سے برسر پیکار ہے۔ کلیسا اسپر یچولزم کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا۔ روحیت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی حیثیت ایک روحانی وجود کی سی ہے۔ یعنی اصل میں وہ ایک روح ہے جس نے گوشت پوست کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ انسانی شعور، وجدان اور حافظہ کا تعلق دماغ سے نہیں روح سے ہے۔ دماغ کی حیثیت ایک آلہ کی سی ہے 'جو روح کے پیغام کو نشر اور اس کے ہر کام کی تعمیل کرتا ہے۔ روحیت کے لئے اسپر یچولزم کی اصطلاح استعمال کرنا مناسب نہیں 'اس کے لئے (Phychicesm) کی اصطلاح مناسب ہے' ہر وہ شخص جو غیر معمولی طور پر حساس ہوتا ہے ۔ روحی (یا سائیکیک) کہلاتا ہے ۔ روحیت یا میڈیم شپ کی صلاحیت کم و بیش ہر شخص میں موجود ہے ۔ بعض کے اندر قدرتی طور پر یہ صلاحیت اُبھر آتی ہے ۔ بعض کے نفس میں کسی جذباتی حادثے کی بنا پر یہ قوت یکا یک پیدا ہو جاتی ہے اور عام لوگوں کی اکثریت مختلف مشقوں ، ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے اس حیرت ناک قوت کو بروئے کار لا سکتی ہے۔ میر بشیر قمطراز ہیں کہ

انگلستان میں حاضرات ارواح کا رواج عام ہے ۔ متعدد رسالے اس تحریک کی اشاعت میں سرگرم ہیں مثلاً سائیکیک نیوز ہفت روزہ ہے یا ماہنامہ ٹو ورلڈ اور ویژن وغیرہ ۔ اس سلسلے میں جرنل آ

ف دی سوسائٹی فار سائی کیکل ریسرچ سہ ماہی رسالہ اپنے علمی اعتبار سے غیر معمولی طور پر اہم ہے لیکن اس کا تعلق روحیت سے نہیں مابعد النفسیات سے ہے غیر معمولی طور پر اہم ہے لیکن اس کا تعلق روحیت سے نہیں مابعد النفسیات سے ہے۔ روحیت کا سب سے بڑا ترجمان پری ڈکشن (پیشگوئی) نامی ماہنامہ ہے۔ ان رسائل میں نجوم، دست شناسی، آسیب زدگی، روحیت، ہپنا ٹزم آواگون، تعبیر خواب، حاضرات ارواح پر اعلیٰ درجے کے مضامین، باتصویر فیچر اور خبریں چھپتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر اسپر یچولزم ہے کیا چیز یعنی فن حاضرات ارواح کسے کہتے ہیں۔ اس کی مختصر تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ روحوں سے بات چیت کرنے کا طریقہ کار بعض لوگ شدید حساسیت کے مالک ہوتے ہیں ان میں ایک ایسی بصیرت ہوتی ہے کہ وہ عالم ارواح کی ہستیوں کو دیکھ سکتے اور ان سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ معمولوں (جن کے ذریعے روحوں سے واسطہ پیدا کیا جاتا ہے) کی کئی قسمیں ہیں اور کئی درجے مثلاً سمعی معمول۔ جو روحوں کی بات چیت سن سکتے ہیں اور ان سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ بصری معمول۔ وہ ایک خاص قسم کی بصارت کے مالک ہوتے ہیں جس کی مدد سے نادیدہ ہستیاں انہیں نظر آ جاتی ہیں۔ جس طرح فلم کے پردے پر تصویریں چلتی پھرتی نظر آئیں۔ وہ مردہ انسان کے ناک نقشے، قد و قامت، جسامت اور حرکات و سکنات اور لباس وغیرہ کا صحیح نقشہ کھینچ دیتے ہیں۔ بعض معمول حسی ہوتے ہیں۔ اگر انہیں کوئی چیز بطور مثال گھڑی انگوٹھی وغیرہ دی جائے تو ان پر نیم خوابی یا بے خودی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ آنکھیں بند کر کے ان تمام لوگوں کے حالات سنانے لگتے ہیں جن کا کوئی تعلق اس چیز سے رہا ہے۔ ان کے علاوہ وہ لوگ ہیں جو پیدائشی طور پر غیر معمولی یا سپر نارمل ہوتے ہیں یعنی جن میں ادراک ماورائے حواس یا (Extra Sensory Preception)، (E.S.P) کی صلاحیت بچپن ہی سے کارفرما ہوتی ہے۔ روحوں کا معمول بننے کے لئے مسلسل محنت کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص محسوس کرے کہ مجھ میں خارق العادات (سپر نارمل) مظاہر کی قوت موجود ہے، یعنی اسے سچے خواب نظر آتے ہیں یا وجدانی طور پر بعض باتوں کا علم ہو جاتا ہے تو انگلستان میں ایسے ادارے موجود ہیں جہاں ایسے باصلاحیت افراد کو میڈیم شپ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس قسم کا سب سے بڑا

ادارہ اسپر یچول ایسوسی ایشن آف گریٹ برٹن (مجلس روحانیات، برطانیہ عظمیٰ) ایک ایسے علاقے میں واقع ہے جہاں سفیروں اور اہل دولت کے علاوہ دوسرے لوگوں کا گزر نہیں۔ اس کی وسیع عمارت میں کئی لیکچر ہال ہیں۔ پھر بیس پچیس کیبن نما کمرے ہیں۔ یہاں حاضرات ارواح کے جلسے اور لوگوں کے سوالات کے جواب دیے جاتے ہیں۔ ہر معمول کی فیس الگ مقرر ہے۔

عقاب سرخ

حاضرات کی مجلس میں جب معمول پر استغراق یا ڈوب جانے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ گہرے گہرے سانس لینے لگتا ہے۔ آنکھوں میں نیند کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض معمول پہلے ہاتھ پاؤں کو حرکت دیتے ہیں پھر دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیتے ہیں۔ گہرے گہرے سانس لینے لگتے ہیں، پھر بے اختیار گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر معمول کا ایک رہنما ہوتا ہے جسے یہ لوگ گائیڈ (Guide) کہتے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے روحی معمولوں کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ ان کے گائیڈ چینی، ہندوستانی اور ریڈ انڈین ہوتے ہیں۔ یہ گائیڈ اپنے آپ کو عجیب و غریب ناموں سے متعارف کراتے ہیں مثلاً عقاب سرخ یا دریائے رواں جب معمول پر حال طاری ہو جاتا ہے تو اس کا روحی رہنما اپنے خاص لہجے میں معمول کی زبان سے اعلان کراتا ہے کہ عقاب سرخ حاضر ہے اور حاضرین کی خدمت میں اپنی دعائیں پیش کرتا ہے۔

اس کے بعد معمول کے توسط سے اس گائیڈ کی نگرانی میں مردوں سے بات چیت شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً گائیڈ معمول سے کہلوائے گا کہ اس وقت محترمہ لوسی کارٹر یہاں موجود ہیں وہ بڑی عمر کی خاتون ہیں اپنی پوتی مارگریٹ کو دعا کہتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ

اسے وہ دن یاد ہوگا جب وہ سیب کے درخت سے گر پڑی تھی تو اسے اس کی دادی اسپتال لے گئی تھی۔ اس کا آپریشن ہوا تھا۔ ابتک اس کی دائیں ٹانگ کے بالائی حصے پر ایک بڑے گھاؤ کا نشان باقی ہے۔

مارگریٹ ان معلومات کی تصدیق کرتی ہے۔ پھر اس کی دادی لوسی کارٹر کی روح اسے کوئی پیغام دیتی ہے۔ کسی غمناک حادثے پر صبر کی تلقین کرتی ہے اور کہتی ہے کہ وہ ہمہ وقت اس کے ساتھ ہے اور اپنے روحی عالم میں اس کے لئے دست بدعا ہے اور اس کی اعانت کے لئے کوشاں ہے۔ مارگریٹ پھر کچھ سوال کرتی ہے۔ اس کی مرحومہ دادی روحی رہنما مثلاً عقاب سرخ کی رہنمائی میں معمول کی زبان سے پوتی کو جواب دیتی ہے۔ آئندہ کے لئے کچھ تسکین دہ باتیں بتلاتی ہے عام طور پر پیشنگوئیوں کا انداز اطمینان دلانے والا ہوتا ہے۔ اس کے بعد معمول کی وساطت سے روحانی گائیڈ دوسرے سوالوں کے جوابات دیتا اور دوسری روحوں سے دلواتا ہے پھر حاضرات ارواح کی نشست ختم ہو جاتی ہے۔

پھر ایک مرتبہ اس طریقہ کار کی وضاحت کر دوں۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ بالعموم مرے ہوئے لوگوں سے معمول کے ذریعے بات چیت یا مراسلت ممکن ہے۔ میڈیم یا معمول غیر معمول طور پر حساس ہوتا ہے۔ اس کی روحی قوتیں پوری طرح بیدار ہوتی ہیں اور انہی قوتوں کی بنا پر وہ سپر نارمل مظاہر (مثلاً یہی روحوں سے سوال وجواب) کی نمائش پر قادر ہوتا ہے جب معمول پر حال طاری ہو جاتا ہے تو اس کی ذہن کی سطح بند ہو جاتی ہے اور وہ نادیدہ شکلوں کو دیکھ اور ناشنیدہ آوازوں کو سن سکتا ہے۔ ہر معمول کا تعلق روحی دنیا کے کسی رہنما سے ہوتا ہے۔ معمول پر جونہی حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے وہ اپنے روحانی گائیڈ کی براہ راست نگرانی میں آ جاتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ مکالمہ ارواح میں معمول کی حیثیت ٹیلی فون کے آلے کی سی ہوتی ہے۔ ٹیلیفون کے ریسیور یعنی خبریں وصول کرنے کی جگہ آپ ہوتے ہیں اور دوسرے سرے سے جہاں گائیڈ ہوتا ہے پیغام بھیجے جاتے ہیں۔ گائیڈ جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ معمول کی زبان سے کہلوا دیتا ہے جب آپ اپنے کسی مردہ دوست یا عزیز کی روح کو طلب کرنا چاہتے ہیں تو گائیڈ سے درخواست کرتے ہیں کہ فلاں روح کو بلا دیا جائے۔ گائیڈ اسے آناً فاناً بلا دیتا ہے۔ اس پورے مسئلے میں معمول کوئی حصہ نہیں لیتا وہ تو صرف لاؤڈ اسپیکر کا کام دیتا ہے۔ یعنی آپ کا سوال معمول کے اندر سے گزر کر گائیڈ اور پھر مردے کی روح تک پہنچ جاتا ہے اور گائیڈ یا مطلوبہ روح کا جواب آپ معمول کی زبان سے وصول کر لیتے

ہیں۔ معمول کے ہونٹ ضرور ہلتے ہیں مگر الفاظ اس کے نہیں ہوتے۔ الفاظ دوسری دنیا کے ہوتے ہیں۔

میڈیم شپ

بعض معمول روحانی علاج معالجے کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کا بھی روحانی دنیا میں ایک گائیڈ ہوتا ہے جب مریض معمول کے سامنے بیٹھتا ہے تو روحی رہنما کے اشارے پر یا اپنی وجدانی بصیرت سے کام لے کر معمول مرض کی تشخیص کر لیتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس کا دایاں گردہ خراب ہے یا اس کے جگر میں تکلیف ہے پہلے مرض کی تشخیص کی جاتی ہے پھر دوا تجویز ہوتی ہے۔ روحانی معالجوں کی طرف صرف ایسے مریض رجوع کرتے ہیں جو عام طریقہ علاج سے کسی طرح صحت یاب نہیں ہوتے یا کسی موذی مرض یا نہ سمجھ میں آنے والی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کئی مشہور معمول شہر کے کسی بڑے ہال کو کرائے پر لے لیتے ہیں اور جلسہ عام میں حاضرین تک روحوں کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ رونالڈ اسٹرانگ نامی ایک مشہور و ممتاز پبلک معمول تھا جو لندن کے مشہور ہال "وگ مور ہال" میں حاضرات ارواح کے عام مظاہرے کیا کرتا تھا۔ دوسری جنگ کے زمانے میں اس نے ایک ہفتہ بھی پبلک مظاہروں کو ملتوی نہیں کیا۔ اب رونالڈ اسٹرانگ اس دنیا میں پہنچ چکا ہے جہاں کے پیغامات وہ وصول کیا کرتا تھا۔ اس کی ایک بہت بڑی خانقاہ (لاج) بھی تھی۔ جہاں متعدد افراد کام کرتے تھے۔ رونالڈ اسٹرانگ ایک رسالہ بھی نکالتا تھا۔ یہاں انگلستان میں روحیت کے معمولوں کو دو طرح کی تربیت دی جاتی ہے یا تو کسی ہوم سرکل میں یا کسی خاص روحی ادارے میں کسی استاد کامل کی نگرانی میں میڈیم شپ کی تربیت دی جاتی ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ شاگرد اور معمول ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر حلقے میں بیٹھ جاتے ہیں اور پیر حلقہ کی ہدایت کے مطابق اپنی اندرونی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ نیم شعوری حالت میں اپنے احساسات بیان کرتے ہیں۔ ان میں ہر معمول کا گائیڈ الگ ہوتا ہے۔ یہ تربیت برسوں جاری رہتی ہے جن لوگوں کی اندرونی قوتیں پوری طرح ابھر آتی ہیں وہ پیشہ ور معمول بن جاتی ہیں اور معقول دولت

کماتے ہیں سب سے زیادہ آمدنی ان معمولوں کی ہوتی ہے جو روحانی شفا بخشی کا کاروبار کرتے ہیں۔ بلاشبہ میڈیم شپ یا معمول بننے کی صلاحیت بڑی مشکل سے پیدا ہوتی ہے۔

روحوں کی تجسیم

جہاں تک روحوں کے مجسم ہو کر سامنے آنے کا تعلق ہے تو روحیت کے ماننے والوں کا بیان ہے کہ بعض معمولوں میں یہ قوت ہوتی ہے کہ روحوں کو دوبارہ مجسم کر کے اسی روپ میں لوگوں کے سامنے لے آئیں۔ اس عمل کو روحوں کی تجسیم کہتے ہیں۔ نظر آنے والے مردوں کا وہی رنگ روپ اور شکل وصورت ہوتی ہے جو ان کی زندگی میں تھی۔ یعنی ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ کسی مردہ کو دوبارہ لباس جسم بخشا جاسکتا ہے۔ نظریہ یہ ہے کہ جو معمول روح کو ظاہرہ پیکر میں ڈھال دیتے ہیں ان معمولوں کے جسم میں ایک نہ دکھائی دینے ولا نوری مادہ خوابیدہ ہوتا ہے اس نادیدہ نورانی مادے کو (Dctoplasma) کہتے ہیں جب معمول گہری نیند میں چلا جاتا ہے تو معمول کا گائیڈ یعنی روحی رہنما، اس کے حواس پر کنٹرول حاصل کر کے معمول کے جسم سے اکٹوپلازما نامی نورانی مادہ نکالتا ہے۔ یہ نورانی مادہ ناف یا جسم کے دوسرے حصے سے نکالا جاتا ہے۔ اس جوہر نور سے از سر نو مرحوم کے جسم کی تشکیل کی جاتی ہے۔ یعنی اس کے جسمانی تصور کے خلاء کو رفتہ رفتہ بھرا جاتا ہے اور مرنے والے کی پوری زندہ اور جیتی جاگتی تصویر بن جاتی ہے۔ چونکہ یہ مادہ رقیق ورواں ہوتا ہے۔ اس لئے مردے کی شکل معلق نظر آتی ہے۔ اس کے ناک نقشے، خدوخال اور قدوقامت کو دیکھ کر مرنے والے کے عزیز واقربا بخوبی پہچان لیتے ہیں۔ معمول اور گائیڈ کی مدد سے مردے کے اس ہیولائی وجود میں سننے اور بولنے کے حواس کام کرنے لگتے ہیں یعنی وہ سننے بھی لگتا ہے اور سوالات کے جوابات بھی دیتا ہے۔ اس قسم کے تجسیمی مظاہرے بند کمروں میں اہل علم اور اہل نظر کے سامنے کئے جاتے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، ہالینڈ اور فرانس میں ایسے معمول موجود ہیں جو تجسیمی مظاہروں (روحوں کو جسمانی لباس میں پیش کرنا) کے ماہر ہیں۔ مشہور ترین جاسوسی کردار شرلاک ہومز کے مصنف وتخلیق کار سر آرتھر کانن ڈائل حاضرات ارواح کے پرجوش موید تھے اور انہوں نے اس قسم

کے پراسرار مظاہروں میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ ان کے علاوہ ممتاز سائنسدان سر آلیور لاج روحیت یا اسپریچولزم کی تحریک کے رہنما تھے۔ انہوں نے بذات خود ان مظاہروں میں شرکت کر کے اپنے تاثرات، تجربات اور مشاہدات سائنسی زبان وبیان میں تحریر اور شائع کئے ہیں۔ خودکار تحریر (آٹو میٹک رائیٹنگ) اور پلانچٹ (تختہ حاضرات ارواح) کے ذریعے بھی روحوں سے مراسلت کی جاتی ہے۔ اوجا بورڈ اسی قسم کا تختہ ہے۔ چند لوگ میز کے گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ کمرے میں اندھیرا ہوتا ہے۔ اندھیرے اور پرسکون ماحول میں دوسری دنیا کے باشندوں سے سوال وجواب کئے جاتے ہیں۔ خودکار تحریر پر قدرت حاصل کرنے کے لئے غیر معمول پر نیم خوابی کی حالت طاری ہوتے ہی اس کا روحی رہنما معمول کے ہاتھ کنٹرول میں لے لیتا ہے اور اس سے جو چاہتا ہے لکھواتا ہے بعض اوقات گائیڈ اپنے معمول کا گائیڈ کوئی چینی روح ہے۔ معمول خود چینی زبان اور چینی رسم الخط سے واقف نہیں۔ واقف نہ ہو، چینی گائیڈ اسے جو تحریر لکھوائے گا۔ وہ چینی زبان اور چینی حروف میں ہوگی اور معمول خود بھی نہ سمجھ سکے گا کہ اس نے نیم خوابی اور نیم بیداری کے عالم میں کیا لکھا ہے؟ اسی طرح عالم استغراق میں بعض معمول نہایت فصاحت وبلاغت سے دوسری زبانوں میں گفتگو کرتے ہیں، یہ تجربے عام ہیں۔

میرا مشاہدہ

میر بشیر رقمطراز ہیں کہ آج سے 37,36 سال قبل کا واقعہ ہے کہ میں پہلگام (کشمیر) میں موسم گرما گزارنے گیا تھا۔ ایک مختصر ہوٹل میں جو دریا کے کنارے تھا، قیام کیا۔ میرپور کشمیر کے ایک بزرگ اس ہوٹل کے مالک ونتظم تھے۔ اُن کے یہاں پندرہ سولہ سال کا ایک لڑکا ملازم تھا۔ یہ لڑکا کافی دور سے پینے کا پانی ہوٹل کے لئے لایا کرتا تھا۔ ایک روز سہ پہر کا ذکر ہے کہ وہ لڑکا پانی سے بھرے ہوئے دو کنستر اُٹھائے ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس نے پانی کے کنستر برآمدے میں رکھ دیئے اور مستانہ وار رقص کرنے لگا۔

بہ ایں سامان رسوائی سربازار می رقصم

لڑکے پر حال طاری ہو گیا تھا اور وہ بے تحاشا ناچ رہا تھا کہ نڈھال ہو کر چارپائی پر گر گیا۔ ہوٹل میں جو لوگ مقیم تھے وہ بے تحاشا بھاگے۔ خیال ہوا کہ لڑکے پر کوئی دماغی دورہ پڑ گیا ہے۔ اس لئے قدرتاً ڈاکٹر کی تلاش ہوئی مگر یہاں معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ وہاں ایک عالم دین بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے دل ہی دل میں قرآن مجید کی کوئی آیت دہرانی شروع کی۔ مولوی صاحب کے قرأت شروع کرنے سے قبل اس نیم بے ہوش لڑکے نے نہایت خوش الحانی سے وہی آیتیں بہ آواز بلند دہرانی شروع کر دیں جو خود مولوی صاحب شیطان کو بھگانے کے لئے پڑھنا چاہتے تھے۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس وقت اس ناخواندہ لڑکے کی قرأت سے کیا سماں بندھ گیا تھا۔ قرأت کے بعد لڑکے سے سوال کیا گیا کہ آخر آپ کون بزرگ ہیں اور اس لڑکے پر کیوں مسلط ہو گئے ہیں۔ جواب ملا: ہمارا یہ نام ہے اور ہم اس لڑکے کے دوست ہیں۔

یہ سلسلہ گفتگو دیر تک جاری رہا۔ پھر ہوٹل کے مالک نے پوچھا کہ اس سال کام کیسا چلے گا؟ جواب ملا۔ بہت اچھا۔

پھر کچھ اور لوگوں نے سوال جواب کئے۔ میں یہ سارا واقعہ خاموشی سے دیکھتا رہا۔ آخر مجھ سے بھی خطاب کیا گیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس لڑکے پر کوئی جن مسلط ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ وہ کشمیری نوجوان نہایت حساس معمول تھا اور روحی گائیڈ کے زیر اثر! ہمارے یہاں روحی گائیڈ کو موکل کہا جاتا ہے۔ لڑکے کے جوابات بلاشبہ دوست ثابت ہوئے۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ تم کشمیر سے حیدرآباد جاؤ گے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ جاؤ گے۔ اس کی یہ پیشنگوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ بے خودی کے عالم میں معمول کا غیر زبان بولنا کتنا ہی حیرتناک واقعہ کیوں نہ ہو لیکن اس قسم کے واقعات اکثر افراد کو پیش آتے ہیں۔

سید رضا رضوی لکھتے ہیں کہ

1931ء کا ذکر ہے کہ میں گورنمنٹ اسکول کے آٹھویں درجے میں تعلیم پاتا تھا۔ گھر میں کوئی شخص بھی عادتاً انگریزی بولنے والا نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ سوائے کورس کی کتابوں کے کوئی قطعاً انگریزی کا عادی نہ تھا۔ ہوا یہ کہ میری داڑھ میں پھوڑا نکلا۔ شہر کے مشہور سرجن ڈاکٹر سکھ دیال سے

رجوع کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس ایک نیا انجکشن آیا ہے۔ اس انجکشن سے بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور بہ آسانی آپریشن کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس انجکشن کے ذریعے بے ہوش کر کے میری داڑھ کا آپریشن کر دیا گیا۔ جب مجھے ہوش آ رہا تھا تو بے اختیار میری زبان سے بڑی رواں دواں انگریزی تقریر جاری ہو گئی۔ ڈاکٹر سکھ دیال کی حیرت قابل دید تھی کہ اتنی کم عمری میں جب کہ میں آٹھویں جماعت کا طالب علم ہوں ایسی فصیح و بلیغ انگریزی زبان میں تقریر کر رہا ہوں۔ گھر آ کر بھی میں انجکشن کے پیدا کئے ہوئے خمار کے زیر اثر انگریزی بولتا رہا۔ جب کہ اس زبان کے چند ہی جملے مجھے رٹے ہوئے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اپنی مادری زبان اردو اس حالت میں قطعاً فراموش کر چکا تھا۔ نشے کی یہ کیفیت چھ سات گھنٹے طاری رہی اور جونہی دور ہوئی انگریزی بولنے کی قدرتی صلاحیت بھی ختم ہو گئی۔ سید رضا رضوی حاضرات کے معمول نہیں ہیں۔ نہ کسی موکل یا روحی گائیڈ کے زیر اثر جب حاضرات ارواح کی مجالس میں کوئی غیر زبان میں جس سے وہ واقف نہ ہو۔ یکا یک تقریر شروع کر دیتا ہے تو یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ عالم ارواح کی کوئی ہستی اس کی زبان سے بول رہی ہے۔

لفظ میرے ہیں صدا ہے اس کی

سید رضا رضوی کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ مگر یہ کہ حاضرات ارواح کی مجلسوں میں حصہ لئے بغیر وہ میڈیم شپ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

آگرہ کا واقعہ

نومبر یا دسمبر 1942ء یا 1943ء کا واقعہ ہے کہ میں دفتر سے واپس آیا۔ لباس وغیرہ بدل کر کسی عزیز کے یہاں چلا گیا۔ وہاں پہنچنے پر مجھے بتایا گیا کہ آج دوپہر کو وہ لوگ فلاں مقام سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ میں سائیکل پر اُن کے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں بچوں نے آوازیں دیں لیکن میں نے سر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا، یہ بیان حیران کن تھا کیونکہ میں اُس وقت دفتر میں مصروف کار تھا۔ ہر چند کہ میں نے تردید کی لیکن وہ اپنے مشاہدے پر مصر رہے۔ جب میں نے پوچھا کہ

اچھا بتاؤ میرا لباس کیسا تھا؟

تو انہوں نے بغیر کسی جھجک کے میرے لباس کی تفصیل بتا دی۔ فلاں رنگ کا سوٹ، فلاں رنگ کی ٹائی اور فلاں رنگ کی قمیض خاص بات یہ کہ ننگے سر سائیکل پر سوار تھا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اپنے عزیزوں کے اس مشاہدے کو مبالغہ قرار دے دوں لیکن انہیں یقین نہ آیا۔ وہ سب کے سب اصرار کرتے رہے کہ نہیں۔ ہم نے ضرور آپ کو آج دوپہر ننگے سر سائیکل پر سوار ہے۔ ایک آدمی کے بیک وقت دو مقامات پر دیکھے جانے کے واقعات اکثر سنے گئے ہیں۔ اس واقعہ کی کیا توجیہہ کی جائے گی؟ اس واقعہ کی توجیہہ یہی ہے کہ سید رضا رضوی کے عزیزوں کو مغالطہ ہوا۔ اتنے حیرت انگیز واقعے کے ثبوت کی جو شہادتیں ہونی چاہئیں وہ سر دست موجود نہیں' لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ

نظر جو بھی آیا فریب نظر تھا

سید علی رضا رضوی نے آگرہ کے مشہور روحانی بزرگ قاضی نور اللہ شستریؒ کے مزار مبارک کا ایک واقعہ بھی لکھا ہے۔ قاضی صاحب "شہید ثالث کے خطاب سے مشہور ہیں' لکھتے ہیں کہ

خوش اعتقاد یا زود اعتقاد لوگ اکثر اس مزار کی کرامتیں اور بزرگیاں بیان کیا کرتے تھے لیکن مجھے کبھی ان پر یقین نہیں آیا، ہمیشہ یہی خیال آیا کہ یہ سب واہمہ طرازی اور خوش اعتقادی کا کرشمہ ہے۔ ایک روز جمعہ کی رات میں فاتحہ خوانی کی غرض سے مزار شہید ثالث پر حاضر ہوا۔ قبر پر پانچ سو کینڈل پاور کا بلب روشن تھا۔ چند منٹ کے بعد دیکھا کہ دیوار پر جو پنجہ نصب ہے اس سے بہت ہلکی روشنی نکلنی شروع ہوئی جس طرح لالٹین کی بتی اُونچی کرنے سے روشنی آہستہ آہستہ تیز ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ روشنی اس قدر تیز ہو گئی کہ پانچ سو کینڈل پاور کا بلب بھی ماند پڑ گیا۔ یہ غیبی روشنی اس قدر سہانی اور ٹھنڈی تھی کہ سبحان اللہ روشنی بتدریج بڑھی۔ کم ہوئی اور پھر غائب ہو گئی۔ دماغ میں خیال اور ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ مولا' یہ کیا کرشمہ ہے؟ کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ دماغ میں یہ خیال آتے ہی دوبارہ خود بخود اسی طرح پنجے کے اندر سے روشنی نکلنے لگی۔ مزار پر دوسرے لوگ بھی حاضر تھے۔ میں نے ان سے روشنی کے بارے میں سوال کیا۔ مگر سب نے حتمی لہجے میں انکار کر دیا

۔ یعنی بجز میرے اور کسی کو وہ روشنی نظر نہ آئی تھی۔ کہا جا سکتا ہے کہ زائرین مزار کو بیوقوف بنانے کے لئے کسی مخفی ترکیب سے پنجے کے اندر وہ روشنی پیدا کی گئی تھی۔ ٹھیک ہے مگر اس صورت میں وہ روشنی جس نے میری نظر میں پانچ سو کینڈل پاور کے بلب کی چمک دمک کو ماند کر دیا تھا۔ سب کو آنی چاہئے تھی۔ فقط مجھے کیوں نظر آئی۔

آسمان کی سیر

ادب گلشن آبادی میرپور خاص سے لکھتے ہیں

میرے ایک کرم فرما ڈاکٹر خان صاحب میرپور خاص میں پریکٹس کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک ضعیف العمر، دیرینہ بیمار، کمزور ہندو مریض کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ سات روز تک اس کا علاج کیا گیا۔ قابل اطمینان حد تک صحت یاب ہو گیا تو اسے اسپتال سے چھٹی دے دی گئی۔ تیمار دار اُس کو تانگے پر بٹھا کر گھر لے جانے لگے۔ ابھی تانگہ شہر سے تین میل گیا ہو گا کہ ہندو مریض کی حالت خراب ہونے لگی۔ سارا جسم لکڑی کی مانند سخت ہو گیا۔ منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ ڈاکٹر خان صاحب کا بیان ہے کہ وہ لوگ تانگے کو پھرا کر مریض کو میرے پاس لے آئے۔ چونکہ جانبری کی اُمید نہ رہی تھی علاج میں شامل کیا گیا۔ مریض بالکل بے ہوش تھا ۔ چند لمحے کا مہمان۔ سانس ٹوٹنے ہی والا تھا کہ اچانک اُسے ہوش آ گیا۔ پوچھا گیا، کیا ہوا؟ اس نے خوشی اور حیرت کے ملے جلے لہجے میں نہایت رازداری کے ساتھ کہا کہ

مجھے دو آدمی آسمان پر لے گئے تھے۔ بڑی بارونق جگہ تھی، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ روشنی نہایت عمدہ تھی۔ آسمان پر پہنچنے کے بعد انہی دونوں آدمیوں نے کہا کہ چل یہاں سے بھاگ ابھی تیرا وقت نہیں آیا۔

عبدالرحمٰن خان کا بیان ہے کہ

1950ء میں جب میری عمر سترہ سال کی تھی روزے کی وجہ سے شدید پیاس محسوس ہوئی۔ ایک پہاڑی چشمے کے قریب ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر اکیلا سو گیا۔ محسوس ہوا کہ کوئی نادیدہ مخلوق سر کے

قریب زور زور سے سانس لے رہی ہے۔ آنکھ کھل گئی۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی نہ تھا پھر سونے کی کوشش کی، پھر یہی ہوا۔ تیسری بار پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ چوتھی بار لیٹنے کی جرأت نہ کر کے اُٹھا ٹھنڈے پانی کے جوہڑ میں نہایا افطار روزہ کے بعد چارپائی پر لیٹا تو چاروں طرف آگ ہی آگ نظر آنے لگی، والدہ صاحبہ نے آیۃ الکرسی پڑھی تو ہوش آیا۔

جنگل میں

فضل احمد (راولپنڈی) نے اپنے تجربے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جوانی کے زمانے میں رات کو جنگل سے گزر رہا تھا۔ ایک تاریک مقام پر ناگہاں وحشت ناک چیخیں سنائی دینے لگیں ۔ ڈرنے کے بجائے وہیں کھڑا ہوگیا کہ یہ تماشا بھی دیکھتا چلوں اور کلمہ طیبہ کا ورد شروع کردیا۔ آخران دل دہلا دینے والی آوازوں کا شور ختم ہوگیا۔ 1955ء میں ضلع راولپنڈی میں ایک پہاڑ پر گیا اور کسی تنہا مکان میں ٹھہر گیا۔ دروازہ بند کر کے شوقیہ کچھ پڑھنے لگا کہ کسی نے زور سے کمر پر لات رسید کی۔ لات مارنے کی آواز بھی آئی درد بھی محسوس ہوا۔ میں نے عادت کیخلاف اس نہ دکھائی دینے بگر لات رسید کردینے والے کو فحش گالیاں بکنی شروع کردیں لیکن میرا کچھ بھی نہ بگڑا تیسرا واقعہ یہ ہے کہ میں ایک فوجی کے ساتھ جنگل سے گزر رہا تھا۔ چلتے چلتے ہم ایسے مقام پر پہنچے جس کی نسبت ڈراؤنی کہانیاں مشہور تھیں۔ فوجی رفع حاجت کے لئے پیچھے ٹھہر گیا۔ فوجی نے آواز دی ٹھہر جاؤ میں ٹھہرا ہی تھا کہ کسی نے زبردستی میرا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔ حالانکہ فوجی ابھی دور تھا۔

شیورتی کے بزرگ

ایس ایم آئی قادری (کراچی) کا بیان ہے کہ

میں بیجاپور (دکن) کا رہنے والا ہوں۔ انکم ٹیکس آفیسر کی حیثیت سے OPT (انتخاب) کر کے پاکستان آیا۔ فی الحال وکالت کرتا ہوں۔ یہ واقعہ 1924ء کا ہے۔ سرحد کا ایک فقیر، تین، چار سال

کے واقفہ سے ہماری طرف آیا کرتا تھا۔ جب وہ اپنے خارق العادات تجربات بیان کرتا تو ہم لوگ کافی محظوظ ہوتے۔ ایک روز کہنے لگے صاحب! حاضرات دیکھو گے؟

پس وپیش کے بعد ہم نے رضامندی کا اظہار کیا تو کہنے لگے کہ اس کام کیلئے ایک نوجوان کی ضرورت ہوگی جو بھینگا ہو، یعنی ترچھا دیکھتا ہو۔ اتفاقاً اس موقع پر ایک ہمسایہ دوست بھی موجود تھا ۔ اس کے یہاں ایک دہقانی لڑکا کام کرتا تھا۔ اسے طلب کرلیا گیا۔ فقیر نے لڑکے کو معمول بنانے پر آمادگی کا اظہار کردیا اور پان پر کاجل کا دائرہ بنا کر لڑکے سے کہا کہ اس دائرے کو پلک جھپکائے بغیر گھورتے رہو۔ یہ بھی عرض کردوں کہ وہ لڑکا بالکل اجڈ، جاہل اور گنوار تھا جس کو برابر بات کرنا بھی نہ آتی تھی۔ جب دہقانی لڑکا کچھ دیر تک دائرے کو گھورتا رہا تو فقیر نے پوچھا۔ کچھ نظر آتا ہے ؟

لڑکے نے جواب دیا کہ

ایک بہت کشادہ چبوترہ ہے۔ جس کے چاروں طرف جھاڑ ہیں۔ درمیان میں ایک قبر ہے۔ جس کے قریب کوئی گورے رنگ کے بزرگ بیٹھے ہوئے کتاب پڑھ رہے ہیں فقیر نے کہا۔ ان سے نام پوچھو۔ لڑکے نے کہا وہ نام نہیں بتاتے بلکہ اپنی جگہ کا نام شیورتی بتلا رہے ہیں۔ ہم نے نہ شیورتی کا نام سنا تھا نہ یہ معلوم تھا کہ شیورتی کہاں واقع ہے۔ فقیر نے معمول کو حکم دیا کہ ان سے پوچھو ، صاحب اس سال میٹرک کے امتحان میں پاس ہو جائیں گے یا نہیں؟ ان کی شادی کہاں ہوگی؟ کہاں کہاں ملازمت کریں گے۔

لڑکے نے کہا: وہ بزرگ کہتے ہیں کہ امتحان میں پاس ہو جائیں گے۔ نوکری بیجاپور، حیدرآباد اور بمبئی میں کریں گے۔ اس کے بعد معمول (دہقانی لڑکے) نے کہا کہ وہ بزرگ واپس چلے گئے اور پان فقیر کو واپس کردیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ حاضرات کے دوران لڑکے پر کوئی غیر معمولی حالت طاری نہیں ہوئی اور نہ یہ پتہ چلا کر معمول نے ان بزرگ سے کس زبان میں گفتگو کی۔ اردو میں یا اپنی دہقانی زبان میں؟ مجھے ان پیشن گوئیوں پر کوئی یقین واعتماد نہ تھا۔ اگرچہ حیدرآباد میں میرے چند اعزا موجود تھے مگر وہاں شادی کا کوئی امکان نہ تھا۔

علاقہ بمبئی کے مغربی ضلع بلیگام میں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس ہو رہا تھا میں اور میرا بھائی تماشائی کے طور پر اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ جلسے کے بعد ہم دونوں ایک ہوٹل میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ ہم نے دیکھا چند لوگ بسوں میں بیٹھے نعرے لگاتے گزر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ سب لوگ کسی بزرگ کے عرس میں شرکت کے لئے جا رہے ہیں۔ جب مقام عرس کا نام معلوم کیا تو سن کر مبہوت رہ گئے کہ یہ عرس شیورتی نامی گاؤں میں ہو رہا ہے جو یہاں سے 20 یا 25 میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں ایک بزرگ کا مزار ہے۔ نہ درگاہ نہ گنبد، فقط ایک چبوترہ ہے جس کے چاروں طرف بڑے بڑے درخت کھڑے ہیں (دیہاتی لڑکے نے یہی مقام حاضرات کے دوران پان کے پتے پر کاجل کے دائرے میں دیکھا تھا) اب پیشن گوئیوں کی طرف آیئے۔ 1930ء میں، میں نے بی اے پاس کیا۔ 1932 میں بالکل اتفاقی طور پر میرا تقرر انکم ٹیکس انسپکٹری پر ہو گیا۔ اسی سال والدہ کے ایماء پر حیدر آباد میں شادی ہوئی۔ بمبئی سے تبادلہ پہلے شولا پور اور پھر بیجا پور ہوا۔ تقسیم کے وقت میں نے ملازمت کے لئے پاکستان کا انتخاب کیا۔ پہلے کوئٹہ میں، پھر حیدر آباد سندھ میں انکم ٹیکس آفیسر کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ یہ ہے ایس ایم قادری صاحب کا بیان۔

حاضرات ارواح کے یہ طریقے مشرق خصوصاً پاکستان اور ہندوستان میں رائج ہیں۔ چراغوں کے سامنے بیٹھنا، یعنی شمع بینی، بلور پر نظریں جمانا، ناخن پر سیاہ اور چمکدار روشنائی لگا کر تکنا، آب رواں بینی وغیرہ وغیرہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ معمول ڈرامائی طور پر واقعات بیان کرنے لگتا ہے یا پیشہ ور عامل کو خوش کرنے یا حاضرین سے پیسے بٹورنے کے لئے اس قسم کے ناٹک رچاتے ہیں۔ یہ واقعہ خود میرے سامنے پیش آیا کہ حاضرات ارواح کے ایک مدعی تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ وہ انگوٹھی کے ذریعے حاضرات کرتے ہیں۔ طے یہ ہوا کہ میری لڑکی فرزانہ پلک جھپکائے بغیر انگوٹھی کے نگینے کو تکے گی۔ فرزانہ نے حسب ہدایت نگینے کو تکنا شروع کیا۔ عامل صاحب نے دو چار منٹ کے بعد کہا کہ تمہیں کوئی بزرگ نظر آ رہے ہیں۔ لڑکی نے انکار کیا۔ وہ تحکمانہ لہجے میں فرمانے لگے کہ نہیں غور سے دیکھو بزرگ ضرور نظر آئیں گے۔

دو چار بار کی تکرار کے بعد لڑکی نے اقرار کیا کہ جی ہاں بزرگ نظر آ رہے ہیں اور پھر عامل صاحب جو کچھ کہتے گئے وہ ان کی تصدیق کرتی چلی گئی۔ حاضرات کے بعد عامل صاحب تشریف لے گئے۔ میں نے فرزانہ سے کہا کہ جب تمہیں انگوٹھے کے نگینے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، پھر تم نے ہر بات پر ہاں کیوں کہہ دی۔

فرزانہ نے جواب دیا کہ مجھے ان پر ترس آنے لگا تھا۔ اگر میں انکار کرتی کہ مجھے انگوٹھی کے نگینے میں کچھ نظر نہیں آتا تو بے چارے کو کتنی شرمندگی اٹھانی پڑتی اس موقع پر فرزانہ نے جو کچھ کیا۔ بہت سے معمول یہی کرتے ہیں۔ اگر چہ اُن کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں۔ پیشہ ور معمول اپنی دکانداری کی غرض سے کمزور ارادے کے معمول عامل کی تحکم آمیز ترغیبات سے متاثر ہو کر اور بعض لوگ خوش اعتقادی کے زیر اثر عامل کی ہدایت پر کاربند ہو جاتے ہیں اور ایک بنی ہوئی کہانی اور رٹی رٹائی ہوئی داستان دہراتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ حاضرات ارواح کی روداد ایک ہی ہوتی ہے۔ یعنی ہدف نگاہ (وہ چیز جس پر نظریں جمی ہوتی ہیں) کے اندر کسی بزرگ کا نظر آنا اور ان کی معرفت روحوں کی طلبی۔ بعض عامل اپنے معمولوں کو یہ تجیشن دیتے ہیں کہ

تمہیں ایک میدان نظر آ رہا ہے۔ معمول اقرار کرتا ہے۔ وہ دیکھو وہ مہتر جھاڑو دے رہے ہیں۔ معمول اقرار کرتا ہے وہ دیکھو تخت بچھایا جا رہا ہے۔ معمول اقرار کرتا ہے۔ وہ دیکھو چوبدار آ گئے۔ معمول اقرار کرتا ہے۔ وہ دیکھو بادشاہ سلامت آ کر تخت پر بیٹھ گئے۔ معمول اقرار کرتا ہے۔ معمول کا یہ اقرار یا تو ڈرامہ بازی ہے یا صریحی دروغ باقی یا پھر یہ فرض کیا جائے گا کہ معمول پر ہلکی تنویمی کیفیت طاری ہو گئی ہے اور وہ اس عالم میں عامل کی ترغیبات سے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو عامل بتلا رہا ہے۔ تجارتی حاضرات ارواح میں بالعموم یہی ناٹک رچایا جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ "ہدف نگاہ" (وہ شے جس پر معمول نے نظریں جمائی ہیں) میں صرف مردوں کی روحیں ہی نظر آتی ہیں بلکہ مناظر بھی دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے ایک جیتی جاگتی فلم نظر سے گزر رہی ہے۔

طارق جہانگیر (مری ہلز) مکتوب 15 ستمبر 1972ء رقمطراز ہیں کہ

تقریباً دو مہینے ہوئے کہ میری ملاقات پنڈی کے ایک عامل سے ہوئی جو حاضرات ارواح کرتا

ہے اُنہوں نے مجھے دو کلمے سکھائے۔ پہلا کلمہ گیارہ مرتبہ اور دوسرا کلمہ سات مرتبہ پڑھ کر کسی چھوٹے بچے کے منہ اور داہنے انگوٹھے پر پھونکنا پڑتا ہے پھر انگوٹھے کے ناخن پر تیل لگایا جاتا ہے ۔حاضرات ارواح کی شرط یہ ہے کہ بادل نہ ہوں یعنی آسمان بالکل صاف ہو۔دھوپ نکلی ہوئی ہو ۔بچے یعنی معمول کی عمر 13 یا 14 سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔بڑے آدمیوں پر یہ عمل کارگر نہیں ہوتا۔بچہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ ناخن پر جہاں تیل لگایا جاتا ہے، نظریں جمادے۔بچہ نظریں جما دیتا ہے اور ٹیلی ویژن اسکرین کی طرح مختلف مناظر، ناخن پر اُس کی نظر کے سامنے سے گزر نے لگتے ہیں۔پہلے مہتر آتے ہیں، جگہ کی صفائی کرتے ہیں، دری بچھاتے ہیں۔میز لگاتے ہیں، میز پر قلم، کاغذ اور روشنائی رکھ جاتے ہیں۔پھر کرسی رکھی جاتی ہے اور بادشاہ سلامت تشریف لاتے ہیں ۔بادشاہ سلامت سے سوالات کئے جاتے ہیں تو وہ جوابات کاغذ پر لکھ دیتے ہیں یا کسی واقعے کی جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، فلم دکھا دیتے ہیں۔مثلاً اگر کسی غائب آدمی کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے تو بادشاہ سلامت نے اشارہ کیا اور وہ آدمی نظر آ گیا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔اسی طرح میں نے کئی بچوں کی فرمائش پر لندن، نیویارک اور کئی دوسرے شہروں کی سیر کرائی۔اس طرح کہ معمول بچے کے ذریعے بادشاہ سلامت سے گزارش کی گئی کہ وہ لندن کا نظارہ دکھا دیں۔بادشاہ سلامت نے اشارہ کیا اور لندن کی جھلک ناخن کے تیل پر دکھائی دینے لگی۔ایک بار بادشاہ سلامت سے عرض کی گئی کہ جنوبی افریقہ میں سونے کی سب سے بڑی کان کے باہر بڑے بڑے ٹرک کھڑے ہیں جن پر کراس کا نشان بنا ہوا ہے۔میں سمجھ گیا کہ یہ ٹرک MERCEDEZ BENZ قسم کے ہیں۔ایک لڑکے نے کہا کہ میرے چچا انگلینڈ میں ہیں، میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔چنانچہ لڑکے سے کہا گیا کہ ناخن پر جو تیل لگا ہوا ہے اس پر نظریں جمادو۔نظریں جمانے کے بعد اسے "ہدف نگاہ" میں چچا بھی نظر آنے لگے اور انگلستان کا وہ مکان بھی، جس میں چچا رہتے ہیں۔جب بادشاہ سلامت سے کہا جاتا ہے (ظاہر ہے بادشاہ سلامت سے ساری گفتگو معمول یا وسیط کی معرفت ہوتی ہے) کہ فلاں واقعہ کو تفصیل سے دکھایئے تو وہ اسے تفصیل سے دکھاتے جاتے ہیں۔

بہر حال (طارق جہانگیر آخر میں لکھتے ہیں کہ) آپ ان تجربات پر تبصرہ ضرور کریں کیا ہدف نگاہ پر پلک جھپکائے بغیر نظر جمانے سے بچے میں ادراک ماورائے حواس، EXTRA SENSORYPER CEPTION یا ای ایس پی کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔کیا ایسا ہے کہ "ایکسٹرا" میں تمام انسانی تاریخ کی فلم محفوظ ہے۔معمول بچوں نے یہ بھی بیان کیا کہ انہیں ہر چیز (ناخن) میں ویسی ہی نظر آتی ہے جیسی وہ اصل میں ہے۔ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہوتا۔

طارق جہانگیر نے حاضرات ارواح کی جو تفصیل لکھی ہے یعنی مخصوص کلموں کا دہرانا۔عامل کی ترغیب پر مہتر، میز، کرسی، دوات، قلم اور بادشاہ سلامت کا نظر آنا یہ سب وسیط یا معمول کے لاشعور کی ایجاد ہے۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہدف نگاہ میں جو ایک مستقل کردار ہے۔باقی سارے مناظر عامل کی ترغیبات سے نظر آتے ہوں، البتہ یہ حقیقت ہے کہ "ایکسٹرا" یعنی ذہن کے ماورائی حصے میں سب کچھ موجود ہے۔ماضی حال اور مستقبل۔ذہن کے ماورائی حصے کو شعور برتر کہتے ہیں۔شعور برتر، زمان اور مکان کی حدود سے بلند ہے۔جب معمول کسی چمکدار چیز کو پلک جھپکائے بغیر لگاتار تکتا رہے تو رفتہ رفتہ دماغ بوجھل اور شعور کی روست پڑ جاتی ہے۔شعور کی رو اور رفتار کے ست پڑتے ہی لاشعور سے شعور برتر کی صلاحیت اُبھر آتی ہے۔

انصار احمد تھوہا بہادر، چکوال ضلع جہلم سے لکھتے ہیں کہ

دادا جان مرحوم

میرے دادا جان مرحوم ریٹائرڈ تحصیلدار تھے، نہایت پرہیز گار، متقی اور پابند شریعت ۔1939ء میں سعادت حج نصیب ہوئی تھی۔انگریزوں کا راج تھا اور انگریزوں کے راج میں افسروں کو جو اختیارات حاصل تھے۔ان کا جو رعب داب تھا اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔دادا مرحوم نہایت سادہ اور پاکبازانہ زندگی بسر کرتے تھے۔1946ء میں وہ ریٹائر (وظیفہ یاب) ہوئے اور 1947ء میں یکم رمضان کو اُن کا انتقال ہو گیا۔بیماری کے زمانے میں اور اس سے پہلے بھی وہ اپنے چوبارے میں مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔اُن کی فوتگی (وفات) کے بعد گھر والے مغرب کے وقت چوبارے میں چراغ جلا دیتے تھے۔وفات کے تیسرے روز تراویح کے وقت عجیب واقعہ پیش آیا۔ہوا یہ کہ صحن میں گھر والے اور کچھ دوسرے لوگ بیٹھے تھے کہ اچانک

چوبارے میں جلتا ہوا چراغ بجھ گیا۔ خیال ہوا کہ تیل کی کمی یا ہوا کے جھونکے سے چراغ بجھا ہے۔ ایک شخص دوبارہ چراغ جلانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے لگا تو پیچھے سے آوازیں آئیں کہ دیکھو بتی تو پھر سے جلنے لگی ہے۔ وہ آدمی جلدی سے پلٹا تو دیکھا کہ چراغ کی بتی دوبارہ روشن ہے مگر اس روشنی اور پچھلی روشنی میں زمین اور آسمان کا فرق تھا۔ یہ نہایت ٹھنڈی نورانی روشنی تھی۔ ٹیوب لائٹ سے ملتی جلتی۔ سب لوگوں کی نظریں چوبارے پر مرکوز تھیں۔ تین چار منٹ کے بعد روشنی پھر غائب ہوگئی اور کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ عجیب بات یہ کہ چند منٹ بعد پھر وہی ٹھنڈی نورانی روشنی چوبارے میں پھیل گئی۔ جب تک قریبی مسجد میں تراویح ہوتی رہیں۔ روشنی اور اندھیرے کا یہ انوکھا کھیل جاری رہا۔ سب لوگ بہت حیران ہوئے۔ اگلے روز مغرب کے بعد پھر چوبارے میں بتی جلادی گئی اور پھر وہی دودھیا روشنی ہر طرف پھیل گئی۔ جب تک تراویح کا سلسلہ جاری رہا۔ یکے بعد دیگرے چراغ خود بخود بجھتا جلتا رہا۔ اگلے روز دوسرے لوگوں کے علاوہ قریبی مسجد کی تراویح سے فارغ ہونے والے نمازیوں نے بھی اپنی آنکھوں سے یہ کرشمہ دیکھا۔ امام مسجد نے جو کہ سفید ریش عالم ہیں' یہ فیصلہ کیا کہ میں چوبارے میں جا کر شیشوں میں جھانک کر دیکھوں گا کہ ماجرا کیا ہے۔ اگلے روز حسب وعدہ وہ بزرگ روشنی کی تحقیق کے لئے تشریف لائے۔ جونہی روشنی نمودار ہوئی اوپر جانے لگے لیکن ابھی چند سیڑھیاں ہی چڑھے تھے کہ پلٹ آئے۔

بھئی! میری ہمت نہیں پڑتی اوپر جانے کی۔

جب لوگ زیادہ روشنی کے پیچھے پڑ گئے تو یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔ ہم سب کو یقین تھا کہ دادا صاحب مرحوم کی روح چوبارے میں نماز پڑھنے آتی ہے اور یہ نورانی بہشتی روشنی ان ہی کی ہے۔ میرے چچا جان جو ملک سے باہر تھے۔ گھر تشریف لائے۔ رات کو وہ چوبارے کے آگے صحن میں سوئے ہوئے تھے کہ طوفان آ گیا۔ کالے سیاہ بادل گھر آئے۔ انہوں نے جلدی جلدی بستر لپیٹا اور چوبارے میں آ گئے۔ چچا جان کا بیان ہے کہ میں نے اندر آ کر دیکھا کہ والد مرحوم مصلے پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ چچا جان حیران رہ گئے۔ فوراً خیال آیا کہ والد بزرگوار تو انتقال کر گئے ہیں۔ یہ خیال آتے ہی وہ کمرے سے نکل کر بھاگے اور پھولے ہوئے سانس کے ساتھ سب کو یہ واقعہ سنایا

۔ ایک شخص کا گھر چوبارے سے ملحق تھا (یہ شخص فوت ہو چکا ہے) یہ شخص حلفیہ بیان کرتا ہے کہ میں نے حاجی صاحب مرحوم کو مصروف نماز دیکھا ہے۔

خارق العادت

انصار احمد صاحب کے بیانات اور مشاہدات میں' مین میکھ نکالنا یا انہیں جھٹلانا بے کار ہے۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا اور سمجھا، سادگی سے بیان کردیا اور ایک انصار احمد ہی کیا۔ میرے ذخیرہ خطوط میں تو نجانے کتنے ایسے واقعات کا ریکارڈ موجود ہے کہ نہ مانتے بنتی ہے نہ انکار کرتے۔ روح کے ظہور (مجسم ہو کر سامنے آ جانے) کے واقعات ہر ملک اور ہر عہد میں پیش آتے رہتے ہیں۔ پہلے ان واقعات اور مشاہدات کو یا تو آنکھیں بند کر کے مان لیا جاتا تھا بلکہ ان میں مزید حاشیہ آرائی کردی جاتی تھی یا سرے سے وہم اور فریب خیال سمجھ کر تمام خارق العادات سے انکار کردیا جاتا تھا۔ خارق العادت ان واقعات کو کہتے ہیں جو عام طور پر سمجھ میں نہیں آتے اور ہم ان سے آشنا اور مانوس نہیں ہوتے۔ مثلاً یہی انصار احمد صاحب کے دادا جان کا واقعہ لیکن اب اس سلسلے میں اہل علم کا رویہ بدل گیا ہے۔ اب وہ کسی خارق العادت Super Normal واقعے کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ علم و تحقیق کی روشنی میں ہر واقعے کا جائزہ لیتے ہیں اور اگر کوئی بات ثابت ہوجاتی ہے تو ان قوانین کی جستجو کرتے ہیں جو اس سپر نارمل واقعے کے ظہور کا سبب بن سکتے ہیں۔ مثلاً ایک زمانے میں ٹیلی پیتھی (انتقال خیال، کشف کنی یا اشراق) کے تمام واقعات کو فریب خیال سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی لیکن اب ماسکو سے لندن تک کتنے ہی ادارے ٹیلی پیتھی کے دماغی عمل پر مصروف تحقیق ہیں۔ یہی حال روح کے ظہور کا بھی ہے۔ بقائے روح پر انسانی اکثریت کا ایمان ہے اگر علم کی روشنی میں یہ ایمان نکھر جائے تو سبحان اللہ!

عقل کی اُلجھن

ہم بنے ہی اس طرح ہیں کہ صرف ان واقعات کو تسلیم کریں جنہیں تسلیم کرنے میں عقل کو چھلانگ نہ لگانی پڑے۔ انسانی عقل چھلانگ لگانے پر تیار نہیں' وہ آہستہ آہستہ قدم بہ قدم ٹھوس زمین

پر چلنا چاہتی ہے اور ہر قدم گن گن کر اُٹھاتی ہے کہ آگے کہیں دلدل اور کیچڑ نہ ہو۔ دماغ اس مشاہدے کو صحیح مانتا ہے جسے آنکھوں نے دیکھا ہو۔ اس آواز کو حقیقت سمجھتا ہے جسے کانوں نے سنا ہو جو چیز ہماری پانچوں حسوں (حواس خمسہ) سے آگے ہے۔ عقل انسانی اس سے بدکتی اور گھبراتی ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ موت کے بعد جسم کو منوں مٹی کے نیچے دبا دیا جاتا ہے۔ وہ فنا ہو جاتا ہے۔ عقل انسانی اس نتیجے پر پہنچے گی کہ جو مر گیا وہ مٹ گیا۔ بقائے روح کا عقیدہ عام عملی عقل کے لئے قابل تسلیم نہیں کیونکہ روح آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور جو چیز آنکھوں سے دیکھی نہ جائے، ناک سے سونگھی نہ جائے، زبان سے چکھی نہ جائے، اس کو تسلیم کرنے میں دماغ بڑی اُلجھن محسوس کرتا ہے۔ آپ انصار احمد صاحب کے دادا کے واقعے کو لیجئے۔ چراغ کا جلنا بجھنا، چوبارے میں مرحوم کو نماز پڑھتے دیکھنا، یہ تمام مشاہدے ایسے ہیں جنہیں معمولی عقل اور عملی سوجھ بوجھ تسلیم نہیں کرتی تسلیم نہیں کر سکتی۔ جب بھی ہمارے سامنے اس قسم کا کوئی واقعہ بیان کیا جاتا ہے تو دماغ میں پہلا خیال یہی پیدا ہوتا ہے کہ کہنے والا یا تو دھوکہ کھا گیا ہے یا دھوکہ دے رہا ہے لیکن اگر اس قسم کے خارق العادات واقعات بار بار یا برابر پیش آتے رہیں تو آپ کیا تاویل کریں گے؟

ایک لاکھ سال قبل

آیئے ایک مرتبہ پھر غور کریں کہ انسانی دماغ خارق العادات کو تسلیم کرنے سے ہچکچاتا کیوں ہے؟ دیکھئے ہم ایسی دنیا کی مخلوق ہیں جو بظاہر ٹھوس مادے کی بنی ہوئی ہے ہم اس ٹھوس مادی دنیا کا ادراک، آنکھ، کان اور ہاتھ پاؤں کے ذریعے کرتے ہیں کرۂ ارض پر انسان کی عمر ایک لاکھ سال ہو یا پانچ لاکھ سال وہ اس طویل عرصے میں برابر مادی دنیا کے قوانین معلوم کرنے کی جستجو میں لگا رہا ہے۔ قدرت یہ چاہتی ہی نہیں کہ انسان ایک لمحے کے لئے بھی اس مادی دنیا سے غافل ہو کیونکہ وہ اس ضعیف مگر عظیم مخلوق سے تسخیر کائنات کا کام لینا چاہتی ہے۔ ایک لمحے کے لئے آج سے ایک لاکھ سال پہلے والے انسان کا تصور کیجئے۔ یہ برفانی دلدلوں کے کنارے، تاریک پہاڑی کھوہ کے غاروں میں ریچھوں، بندروں اور مگرمچھوں کے درمیان رہتا تھا۔ بظاہر اس کی اور ایک ریچھ یا لنگور

کی زندگی میں کوئی فرق نہ تھا۔ وہی پہاڑی غار کی سکونت اور وہی جنگلی درختوں کے گرے پڑے پھلوں پر گزارہ۔ آج بھی تصور کی آنکھ کی مدد سے ہم قبل تاریخ کے انسان کو پہاڑ سے اُتر کر وادی میں جنگلی ناشپاتیاں اور اخروٹ چنتے دیکھ سکتے ہیں۔

لنگور اور انسان میں ایک فرق یہ ہے کہ وہ چوپایہ ہے اور یہ دو پایہ درحقیقت دو پایہ ہونا ہی انسان کے اشرف المخلوق ہونے کی بنیاد ہے وہ پیروں کے بل چل پھر سکتا اور دونوں ہاتھوں کو آزادی کے ساتھ استعمال کر سکتا ہے۔ اگر انسان کے دونوں ہاتھ بھی چوپایوں کے اگلے پیروں کی طرح صرف چلنے یا دوڑنے کے لئے ہوتے تو ممکن ہی نہ تھا کہ وہ تسخیر کائنات کی مہم عظیم انجام دے سکتا۔ درحقیقت انسان تہذیب اور تمدن کو وجود میں لانے کا جو کارنامہ انجام دے سکا ہے وہ صرف اس لئے کہ اس کے ہاتھ آزاد ہیں۔ زمین کے پابند نہیں۔ زمین کے پابند ہوتے تو وہ دستکاریاں وجود میں نہ آتیں جنہوں نے رفتہ رفتہ ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ کو ایسے درجے پر پہنچا دیا کہ انسان کرۂ ارض کی زنجیریں توڑ کر چاند پر اُتر گیا۔

نوع انسانی کی طویل زندگی میں دو دن ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ پہلا دن وہ کہ اس نے ہاتھوں کا آزادانہ استعمال سیکھا اور چوپائے کی طرح چلنے کے بجائے وہ سیدھا تن کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرا دن وہ جب کرۂ ارض کے مدار سے آزاد ہو کر اس نے چاند کے مدار پر سفر کیا اور فرش ماہ پر قدم رکھے۔ بہرحال مقصد گفتگو یہ ہے کہ ہم تسخیر کائنات کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ یہ کائنات عملی نقطہ نظر سے ٹھوس مادے کی بنی ہوئی ہے اور مادی قوانین کا اتباع کرتی ہے۔ ذرے سے لے کر سورج اور قطرے سے لے کر بادل تک حرکت، عمل اور رد عمل کا ایک ہی قانون کارفرما ہے، جب تک ہم ان قوانین کو دریافت نہیں کرتے ممکن نہیں کہ مادی دنیا پر حکومت کر سکیں۔ جو ہمارا مقسوم بھی ہے اور فریضہ بھی۔ تسخیر کائنات کے لئے انسان جو عقل استعمال کرتا ہے وہ حواس خمسہ کے ذریعے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں آگے بڑھتی ہے اور حتی الامکان اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ جانی بوجھی چیزوں کے ذریعے، انجانی اور ان بوجھی چیزوں کو سمجھے۔ انسان نے ایٹم کی قوت کا انکشاف ریاضی کے ان فارمولوں کے ذریعے کیا جو ابتدا میں دوسرے مقاصد کے لئے وجود میں آ

ئے تھے۔ اگر ہم کائنات کو خلاف عقل یا کم سے کم مافوق العقل (جو سمجھ میں نہ آتے ہوں) قوانین کے زیر اثر سمجھنے لگیں تو ممکن ہی نہیں کہ اس کائنات کے کسی ایک پہلو کو بھی سمجھ سکیں۔ پھر تو سورج کی گردش سے لے کر زمین کی حرکت تک ہر چیز گورکھ دھندا بن کر رہ جائے گی۔ عام سمجھ بوجھ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم صرف حواس خمسہ (آنکھ، کان، ناک) پر بھروسہ کریں۔ گویا قدرت کی طرف سے ہمیں اس بات کا عادی بنایا گیا ہے کہ انسان ان دیکھی کے بجائے صرف دیکھی بھالی چیزوں پر بھروسہ کرے۔

مثلاً انصار احمد کے چچا جان نے کمرے میں جب اپنے والد مرحوم کو مصروف نماز دیکھا تو خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

غیر معمولی قوتیں

بلاشبہ انسان کی سب سے بڑی دولت اور طاقت حواس خمسہ کا عمل ہے۔ حواس خمسہ کے ذریعے وہ مادی دنیا کا ادراک کرتا اور اس پر غالب آنے کی تدبیریں کرتا ہے۔ تاہم انسان کے اندر کچھ اور قوتیں بھی ہیں جو حواس خمسہ کی گرفت سے آزاد ہیں' میں نے ٹیلی پیتھی کی مثال پیش کی تھی۔ آپ بھی غور کیجئے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی وسیلے کے بغیر آپ دوسرے کے خیالات سے واقف ہو جاتے ہیں یا آج خواب میں ایسا واقعہ نظر آ جاتا ہے جو کل یا پرسوں پیش آئے گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ قوتیں مخصوص عطیے اور محفوظ فنڈ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قدرت کی مشیت یہی ہے کہ انسان نارمل زندگی بسر کرے۔ ایب نارمل زندگی بسر نہ کرے۔ فتح کائنات صرف اسی طرح ممکن ہے پھر بھی بعض ایسے ناگہانی حالات پیش آ جاتے ہیں کہ ہمیں ان غیر معمولی قوتوں سے کام لینا پڑتا ہے جو نفس انسانی کے اندر کارفرما ہیں اور آج انہی کی تحقیق خالص علمی اور سائنٹیفک انداز میں ہو رہی ہے

میں نے خالدہ رفعت (یہ ایک بہترین وسیطہ اور معمول ہیں' میری نگرانی میں حاضرات ارواح کے عمل کر رہی ہیں) سے سوال کیا تھا کہ

حاضرات ارواح کے سلسلے میں تمہارا طریقہ کیا ہے؟

نور اور خوشبو

وہ لکھتی ہیں کہ حاضرات ارواح کا سلسلہ (نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت یا) S.C.T کی مشقوں سے جا ملتا ہے۔ میں مشق تنفس نور اور مراقبہ نور کی عادی ہوں۔ یہ مشقیں پہلے دن جس جگہ سے شروع کی تھیں آج تک اسی جگہ اور اسی کمرے میں برابر کر رہی ہوں۔ مشق سے قبل مصمم ارادہ کر کے قلب و ذہن کو مشق کے لئے آمادہ کرتی ہوں۔ پھر کمرے کو مقفل کر کے روشنی بجھا دیتی ہوں (تاکہ مشق کرتے ہوئے توجہ کسی چیز کی طرف منتقل نہ ہو سکے) تاریکی اس لئے ضروری ہے کہ میرے خیال میں حاضرات ارواح کے عمل میں روشنی بھی خارج ہوتی ہے پھر لطف تو جب ہے کہ اندھیرے میں نور نظر آئے۔ وظیفہ بھی اسی کمرے میں اسی جگہ پڑھتی ہوں۔ حاضرات ارواح کا ارادہ دل میں کر کے وہ سوالات مرتب کر لیتی ہوں جو مطلوبہ روح سے پوچھنے ہیں۔ مشق تنفس نور کے بعد فاتحہ پڑھ کر مرحوم کی روح کو بخشتی ہوں اور دائیں ہاتھ میں پنسل لے کر (سامنے کاغذ رکھ کر) ہاتھ کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیتی ہوں۔ آنکھیں بدستور بند رکھتی ہوں تاکہ نور کا تصور قائم رہے۔ پھر مرحوم کی روح مبارک کو مخاطب کرتی ہوں۔ مخاطب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ

مرحوم کی روح مبارک آ کر مجھے چند سوالات کے جواب تحریر کرائے۔

چند لمحے بعد احساس ہوتا ہے کہ "روح آ گئی ہے"۔

یہ احساس کہ روح آ گئی ہے' اس طرح ہوتا ہے کہ اردگرد کی فضا سرد ہونے لگتی ہے۔ کمرہ مہکنے لگتا ہے۔ نگاہ کے سامنے (میری آنکھیں بند ہوتی ہیں) مرحوم کی پرچھائیں یا ہیولا آ جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ پرچھائیں مجھ سے کافی قریب آ جاتی ہے۔ یہ پرچھائیں زمین سے کچھ اوپر یا فضا میں معلق نظر آتی ہے۔ اس یقین کے بعد کہ مرحوم کی روح مبارک تشریف لے آئی ہے۔ دوبارہ اسی درخواست کے ساتھ روح کو مخاطب کرتی ہوں اور ذہن میں کوئی سوال قائم کر لیتی ہوں۔ ابتدا میں کچھ دشواری ہوئی تھی۔ میں جواب تحریر کرنے کے لئے کہتی لیکن روح اپنی جگہ معلق کھڑی رہتی اور

سوالوں کے جوابات خود بخود ذہن میں آنے لگتے، جیسے روح جواب دے رہی ہو۔ بار بار روح سے کہنا پڑتا کہ جواب تحریر کرائے جائیں۔ اصرار پر روح سامنے سے پشت کی طرف چلی جاتی ہے ۔اس کے بعد خبر نہیں کیا ہوتا ہے۔ البتہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی ٹھنڈا سیال مادہ ہاتھ میں داخل ہو رہا ہے۔ ہاتھ کسی قدر بھاری محسوس ہونے لگتا ہے۔ پنسل غیر ارادی طور پر یعنی خود بخود چلنے لگتی ہے۔ جیسے پنسل کسی نادیدہ قوت کے قبضے میں ہے۔

کیا لکھا جا رہا ہے اور کیا لکھوایا جا رہا ہے۔ مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ جواب لکھنے کے بعد پنسل خود بخود رک جاتی ہے اور مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ سوال کا جواب لکھا جا چکا۔ لکھوایا جا چکا ہے ۔ پھر دوسرا سوال ذہن میں آتا ہے اور پنسل چلنے لگتی ہے۔ پھر تیسرا سوال ۔اس طرح سوال جواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس دوران میں کاپی کے صفحے خود بخود پلٹتے جاتے ہیں۔ کون پلٹتا ہے؟ نہیں معلوم سوالات ختم ہونے کے بعد دل ہی دل میں کہتی ہوں کہ روح مبارک تشریف لے جائیے۔ اس کے بعد فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب مرحوم کی خدمت میں پیش کر دیتی ہوں فاتحہ کے بعد مرحوم کی پرچھائیں یا شبیہہ پشت سے سامنے کی طرف آ جاتی ہے اور دھندلی ہوتے ہوئے غائب ہو جاتی ہے (یہ سب مشاہدات نگاہ باطن کے ہیں) صرف دو مرتبہ بابا مرحوم کو مجسم دیکھا ہے اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے گفتگو کی ہے' یہ اندازہ کہ آنے والی روح اچھی ہے یا بری؟ ماحول کی کیفیت سے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روح کی رضامندی یا نارضامندی کا احساس جانے کے طریقے سے ہو سکتا ہے یعنی وہ خوش خوش جا رہی ہے یا ناخوش رخصت ہو رہی ہے۔ عمل حاضرات کے دوران اردگرد کی فضا سرد اور معطر ہو جاتی ہے۔ روح کے جانے کے بعد خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ روحوں سے بات چیت کرتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ ٹھنڈی لہریں مسامات کے ذریعے جسم میں داخل ہو رہی ہیں۔

دیدار شریف

جن حضرات کے نفس پاکیزہ اور مصفا ہوتے ہیں وہ مقدس ترین ارواح کے دیدار سے مشرف

ہوتے ہیں۔ یہ حاضرات ارواح کا وہ درجہ ہے۔ جہاں عامیوں کی رسائی نہیں۔ قدوۃ العلماء، تاج العرفاء، مولانا شاہ محمد سلیمان قادری چشتی پھلواری قدس اللہ سرہ العزیز شاہ محمد جعفر ندوی پھلواری کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سفر میں تھا اور ایک تنہا مکان میں بعد نماز صبح، شغل درود شریف میں مصروف تھا تو "وعلی ازواجہ" کا مراقبہ ایسے انکشاف تام کے ساتھ ہوا کہ تمام امہات المومنین یکجا کھڑی نظر آئیں مگر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے کی زمین بالکل چاندی کی طرح چمکتی تھی، اس مراقبے میں مجھے منکشف ہوا کہ یہ آپ کی فقاہت (علم فقہ پر قدرت) کے انوار ہیں اور یہ بات بھی واقعی ہے کہ صحابہ و اہل بیت میں بجز ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے فقاہت میں کوئی بھی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے لگ بھگ نہیں ہے۔ یا حضرت قدس اللہ سرۃ العزیز شاہ حسین میاں پھلواری کو لکھتے ہیں کہ

قیلولے میں آنکھ لگی تو خواب میں دیکھا کہ میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کے مزار مبارک میں حاضر ہوں۔ مزار اندرون گنبد ہے مگر بالکل بند ہے۔ ایک سیاہ غلاف سامنے کی طرف ہے۔ دیر کے بعد اس کے کتبہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک عمدہ پتھر پر کچھ لکھا ہے، مجھے اس سے سرور روجد ہے' پھر دیکھا کہ قبر مبارک کھل گئی اور وہ جناب قبر مبارک کی فصیل پر آرام فرماتے ہیں۔ نہایت ہی منور ہیں۔ پاجامہ، جبہ اور شاید عمامہ ملبوس جسم شریف ہے، آنکھیں شاید بند۔ پھر دیکھا کہ وہ آنکھیں کھل گئیں اور آپ نے اس فقیر سے باتیں شروع کیں، عجیب اسرار تھے اور عجیب پر لطف باتیں تھیں اور میں نہایت ادب سے خاشع و خاضع (ذرا سہما مودب ہوں) آپؒ نے فرمایا کہ تمہیں دو فیض ہیں۔ ایک میرا اور ایک حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ۔میں نے عرض کیا کہ حضور! ہاں! اور سمجھ گیا کہ میرا طریقہ قلندریہ قادریہ تو انہی کے توسط سے ہے۔ پس میرے تمام فیوض قادریہ کے برزخ یہی بزرگ ہیں۔ مجھے پر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے فیض کی نسبت بھی غالب ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ سے اور آپ سے ملاقات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بغداد میں خوب گرما گرم صحبت رہی ہے۔ اور اجمیر میں بھی اُن سے ملنے آیا تھا۔ انہوں نے مجھے محبت سرائے یا حبیب سرائے تک آ کر رخصت کیا۔ اس درمیان میں کچھ اور

لوگ آ گئے۔ مجاور نے دروازہ مقفل کھول دیا۔ حسن غنیٰ سامنے نظر آیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت قبلہ! اس کے والد نے حضور کے خاندان کے احوال میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں حضور کا بھی تذکرہ ہے اور میں چاہتا تھا کہ تذکرہ پیش کروں مگر اس وقت موجود نہ تھا مگر پھر بھی حضور کی خوشنودی اور انبساط کا ظہور ہوا۔ ایک گھنٹے کے قریب عالم خواب میں حضرت قدس سرہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور انواع فیوض و برکات حاصل ہوئے۔ الحمد اللہ علیٰ ذالک۔ پھر دیکھا کہ در اقدس بند ہو گیا اور ہم لوگ باہر دوسرے محلوں میں گئے اور واپس پھر اسی مقدس آستانے پر پہنچے دیکھا کہ ایک چھوٹا در کھلا ہوا ہے اور حضرت بیٹھے کچھ لکھ رہے ہیں۔

مرحوم عزیزوں، دوستوں، بزرگوں اور اپنے روحانی پیشواؤں کو بھی لوگ خواب میں دیکھتے ہیں لیکن اولیا اللہ کے خواب بیداری کی کیفیت رکھتے ہیں۔ یہ خواب نہیں، مراقبے کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت شاہ محمد سلیمان قادری پھلواری کا قیلولہ درحقیقت ایک قسم کا مراقبہ تھا۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے عالم رویا (یعنی خواب) میں ان کی ملاقات اور گفتگو محض خواب نہیں ہے بلکہ بیداری کا اعلیٰ درجہ ہے۔ بزرگان طریقت، کشف، مراقبہ اور خواب میں مقدس روحوں سے رابطہ پیدا کرتے ہیں۔ تذکرہ پیدا کرتے ہیں۔

تذکرہ غوثیہ

حضرت غوث علی شاہ قلندر کے حالات میں صاحب تذکرہ غوثیہ نے لکھا ہے 1296ء میں جب رمضان شریف کا چاند نظر آیا تو بعد نماز مغرب جناب وقبلہ نے کمترین کو بلایا اور فرمایا کہ ہم ایک بات کہتے ہیں تم خیال کر کے سنو۔ وہ یہ ہے کہ ایک بار سید اعظم علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ ہم کو اپنے ہمراہ پانی پت میں لائے اور قلندر صاحب (یعنی حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے مزار پر چلہ کرایا۔ آخر چلہ میں یہ دیکھا کہ ایک شخص مجذوب، جسیم، سانولی رنگت، گھنگھریالے بال تشریف لائے اور فرمایا کہ آؤ تم کو تعلیم کریں۔ اتنے میں ایک اور شخص، خوبصورت، سرخ و سفید رنگ سفید ریش، لباس سبز پہنے، عصا ہاتھ میں لئے ظاہر ہوئے فرمانے لگے کہ

میاں! اس دیوانے سے کچھ نہیں ہونے کا تم کو یہ تعلیم نہیں کر سکتا۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت! اگر یہ دیوانے صاحب کچھ نہیں کر سکتے تو آپ ہی کچھ ارشاد فرمائیں۔

انہوں نے فرمایا کہ نہ ان سے کچھ ہو سکے گا نہ ہم سے۔ تمہارا معاملہ تو ذات سے ہے۔ جو کچھ ہو گا، ذات (یعنی ذات مطلق) سے ہی ہو گا۔ سب مردوں اور زندوں کو دل سے مٹا دو، کسی سے کچھ نہ ہو گا، جس طرح ذات کی طرف متوجہ ہو اسی طرح سے عاشق ذات ہو۔ نہ کسی پیر پیغمبر سے محبت نہ کسی سے خواہش، نہ کسی کی رغبت، پھر کون تمہیں تعلیم کر سکتا ہے۔ تمہارا اور خدا کا معاملہ ہے۔ تم جانو اور خدا۔ اس میں ہم لوگوں کو دم مارنے کی طاقت نہیں۔ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو کہنے کی کیا حاجت تھی؟ ہاں جو کچھ ہونا ہے وہ 3,4,5,6 میں ہو جائے گا۔

رات کو میں سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چہار دیواری کے اندر کسی بزرگ کی قبر ہے۔ جانب غرب تو جنات وقبلہ بیٹھے ہیں اور جانب شرق ایک مجذوب ہیں۔ میانہ قد، فربہ اندام، سانولی رنگت، کشادہ پیشانی، گھنگھریالے بال، ریش گنجان، کچھ سفید، کچھ سیاہ، دونوں حضرات مراقبے میں مشغول ہیں۔ میں نے جا کر سلام کیا، جناب وقبلہ نے اشارہ کیا کہ حضرت کی خدمت میں جاؤ۔ میں مجذوب صاحب کی طرف گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں مولانا صاحب! پہلے آپ حضرت فرماتے ہیں کہ نہیں، پہلے آپ! آخر مجذوب صاحب نے فرمایا کہ اچھا بیٹھو اور میرے قلب پر ھو کی ضرب لگائی۔ اس دم آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی اور میں بے خود ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں ہوش آیا تو کہا جناب! میری تسلی نہیں ہوئی۔ فرمایا کہ اب مولانا صاحب کی خدمت میں جاؤ میں ادھر آیا تو جناب قبلہ نے نگاہ کی اور میں بے ہوش ہو کر تڑپنے لگا۔ ہوش میں آیا تو وہی سوال کیا کہ حضرت میری تسلی نہیں ہوئی۔ فرمایا کہ بس اب مر جائے گا۔ عرض کیا کہ مر جاؤں میری مراد یہی ہے۔ آپ نے دوبارہ القا فرمایا۔ میں پھر بے ہوش ہو گیا۔ بڑی دیر بعد ہوش و حواس درست ہوئے تو درخواست کی (حضرت! میری تشفی نہیں ہوئی، فرمایا کہ اب تیرا قلب پھٹ جائے گا بس کر۔

اس کے بعد آنکھ کھلی تو دیکھا کہ جسم عرق عرق ہے اور ہر بن مو سے اسم ذات جاری ہے۔ قلب

کی یہ حالت کہ سینے سے باہر نکلا پڑا ہے۔ جسم کو دیکھتا ہوں تو گویا آئینہ جلی ہے۔ جدھر دیکھتا ہوں مشرق سے مغرب تک، کوئی چیز حجاب نظر نہیں۔ تمام روئے زمین من و عن پیش نگاہ ہے۔ یہ کیفیت مشاہدہ کرکے بار بار دل میں خیال آیا کہ تو عالم بیداری میں ہے یا خواب میں؟ بار بار آنکھیں کھولتا اور یہ شعر جامی پڑھتا تھا کہ

بہ بیدار یست یارب یا بخواب است
کہ جان من بجا ناں کامیاب است

کشف قبور

حاضرات ارواح کی ایک قسم کشف قبور بھی ہے لیکن یہ عمل ہر شخص کے بس کا نہیں۔ کشف قبور کا عامل کسی قبر پر جا کر مراقبہ کرتا ہے۔ یعنی آنکھیں بند کر کے یہ تصور کہ صاحب قبر اس کے سامنے ہے ۔واقعی روح کا ظہور ہو جاتا ہے۔ میں نے کشف قبور کے کئی عامل دیکھے ہیں۔

ایک سندھی بزرگ جو کراچی کے کسی پرائمری اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ از راہ شفقت میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کے مزار مبارک (کلفٹن) پر جاتا ہوں تو مجھے حضوری کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ ایک روز فرمانے لگے کہ میں تجھے بھی اپنے ساتھ لے جا کر باریاب کرادوں گا۔ چنانچہ وہ ایک روز دن چڑھے رکشا میں سوار ہو کر تشریف لائے (یہ جمعہ کا دن تھا) اور مجھے اپنے ساتھ سوار کر کے مزار مبارک پر لے گئے۔ وہاں ہم دونوں دیر تک مراقبے میں بیٹھے رہے۔ اس کے بعد میں نے یہ معمول بنالیا کہ آندھی آئے یا مینہہ ۔ہر جمعرات کی صبح کو مزار مبارک پر حاضر ہوا کرتا تھا۔ یہ معمول تین سال تک جاری رہا۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ کی یہ روایت بھی اُن کے ایک تذکرے مصنفہ غلام محمد صاحب میں نظر سے گزری کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ مجدد صاحب قدس سرہ کے مزار مبارک پر فاتحہ خوانی کیلئے حاضر ہوئے تو انہوں نے بعالم ہوش دیکھا کہ بجلی سی چمکی اور مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ ظاہر ہوئے۔ فرمانے لگے کہ مکتوبات من خواندہ (تم نے میرے خطوط پڑھے ہیں)۔

سید صاحب نے بلے (ہاں) کہا اور بے ہوش ہو گئے۔ میں اس کتاب میں کشف قبور کے تجربات و مشاہدات پر گفتگو نہیں کروں گا۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے جس کی تحقیق کر رہا ہوں۔ اگر علم و تحقیق کی روشنی میں تصدیق شدہ مواد مل گیا تو اس بحث کو چھیڑا جائے گا۔ فی الحال میرے پاس کافی مواد نہیں ہے۔

چند سال ہوئے نجانے کس ذہنی کیفیت اور جذباتی حالت میں یہ شعر کہا تھا

اک حور سے ہوتی ہے ملاقات سرِ شام
اک روح ڈراتی ہے مجھے آخرِ شب میں

میرا خیال تھا کہ شاید اس قسم کا تجربہ صرف مجھے ہی پیش آتا ہے کہ سرِ شام کسی حور سے ملاقات ہوتی ہے اور رات کے پچھلے پہر کسی روح کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اب یقین ہو گیا کہ اس قسم کے تجربوں میں اور لوگ بھی راقم الحروف کے شریک حال ہیں۔ رحیم یار خان کے ایک دوست نے اپنے کسی عزیز قریب (ش۔خ۔ج) کے بارے میں چند نا قابل یقین واقعات لکھ کر بھیجے تھے اور مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں ان کے عزیز کی امداد کروں اور انہیں اس روحانی کرب سے نجات دلانے کی کوشش کروں جس میں وہ کئی سال سے مبتلا ہیں۔ میں نے رحیم یار خان کے اُن دوست کو لکھا کہ وہ اپنے عزیز (ش۔خ۔ج) کو ہدایت کریں کہ وہ براہ راست مجھ سے خط و کتابت کریں ۔ش۔خ۔ج لکھتے ہیں کہ

زندگی کا عذاب

ہدایت کے مطابق پورا واقعہ قلمبند کر کے بھیج رہا ہوں، میری تعلیم زیادہ نہیں۔ اگر تحریر میں کچھ خامیاں ہوں تو معاف کر دیجئے رئیس صاحب! کہہ نہیں سکتا کہ کس وقت مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ ایسی ایسی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ بعد کو پچھتاتا ہوں۔ آہ میری زندگی میرے لئے عذاب بن گئی ہے ۔خدا کے فضل سے کھاتے پیتے گھرانے کا فرد ہوں۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ خود کاروباری شعور رکھتا ہوں لیکن ایک حیرت انگیز سلسلہ واقعات میں پھنس گیا ہوں کہ دن کا چین بھی حرام ہو گیا ہے

اور رات کا آرام بھی ۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی ۔ کوئی وجہ، کوئی سبب ، کوئی حقیقت سمجھ میں نہیں آتی ۔ جناب والا! یہ ایک پراسرار واقعہ ہے کہانیوں اور داستانوں میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی، بلکہ نہیں مل سکتی ۔ اس جیتی جاگتی دنیا میں تو ہم اس قسم کے واقعات کا تصور بھی نہیں کرسکتے ۔ مہربانی کر کے ان اُلجھنوں سے نجات دلا دیجئے ۔

مرحوم خالہ زاد بہن

بہت بچپن میں میری منگنی (پ) سے ہوگئی تھی ۔ (پ) میری خالہ زاد بہن تھیں ۔ اتنا یاد ہے کہ میں اس کے ساتھ بچپن میں بصد شوق کھیلا کرتا تھا ۔ وقت گزرتا رہا اور ہم صادق آباد سے ترک سکونت کر کے احمد پور شرقیہ چلے گئے اور ان لوگوں سے جدائی ہوگئی ۔ میری خالہ خان پور میں رہتی تھیں (پ) اچانک وہیں فوت ہوگئی ۔ میں نے (پ) کی وفات کی خبر سنی مگر خدا شاہد ہے کہ کوئی خاص رنج یا افسوس نہیں ہوا ۔ درحقیقت اس وقت مجھے کسی عزیز قریب کی موت کی سنگینی اور سنجیدگی کا اندازہ ہی نہ تھا ۔ پھر بھی کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ (پ) کی یاد شدت سے آتی اور مجھے وقتی طور پر سخت بے چین کر جاتی ۔

تمہیں دل سے بھلا دینے کے باوصف
تمہاری یاد ہو کر رہ گیا ہوں !

بچپن گزرا، جوانی آئی اور میری نسبت میری ماموں زاد بہن سے طے پائی (پ) کی موت کو سالہا سال گزر چکے تھے اور میں زندگی کی روز افزوں مصیبتوں اور اُلجھنوں میں ڈوبتا چلا جارہا تھا ۔ تاہم یہ بات کہہ دینی ضروری ہے کہ ماموں زاد بہن سے منگنی ہوجانے کے بعد مجھے اپنی مرحومہ منگیتر (پ) کی یاد کچھ زیادہ ہی آنے لگی ۔ ایک روز طبیعت سخت بجھی بجھی سی تھی ۔ سردی بھی کافی تھی ۔ میں اپنے کمرے میں منہ لپیٹے پڑا تھا ۔ یکایک مجھے احساس ہوا کہ میرے علاوہ اس کمرے میں کوئی اور بھی موجود ہے ۔ آنکھیں کھولیں تو کوئی بھی نہ تھا ۔ پھر یہی احساس شدت کے ساتھ ہوا کہ کوئی نادیدہ ہستی کمرے میں داخل ہے ۔ اب جو دیکھا تو ایک لڑکی (پ) کی ہم شکل

سفید لباس میں ملبوس سامنے کھڑی ہے (پ) کو مرے ہوئے اگرچہ مدت ہو چکی تھی مگر اس کے چہرے کے خدوخال ذہن میں تازہ تھے ۔ یہ واقعہ آدمی کو بے ہوش کر دینے کے لئے کافی ہے ۔ خاص کر میں تو اس قسم کے پراسرار واقعات کا مقابلہ ہی نہیں کرسکتا ۔ مگر خدا جانے اس وقت مجھ میں اتنی قوت برداشت کہاں سے آگئی تھی کہ مرحومہ کی روح میرے سامنے تھی اور میں اسے برابر دیکھے جارہا تھا ۔ دیکھے جارہا تھا اور خواہش تھی کہ برابر دیکھے جاؤں ۔

جلوہ بقدرِ ذوق نظر دیکھتے رہے
کیا دیکھتے ہم اُن کو مگر دیکھتے رہے

میں اس منظر کو ہولناک تو نہیں کہہ سکتا ۔ البتہ حیرتناک ضرور کہہ سکتا ہوں ۔ شدید سردی کے باوجود میں پسینے پسینے ہوگیا ۔ تاہم اطمینان خاطر میں کوئی کمی نہ آئی یکایک (پ) نظر سے اوجھل ہوگئی اور میں اپنے مقام پر ہکا بکا اور ہق دق ہو کر رہ گیا ۔ اس کے بعد یہ معمول بن گیا کہ (پ) ہفتے میں دو تین بار میرے سامنے آتی اور چند لمحے کی دیدار بازی کے بعد نظر سے اوجھل ہوجاتی ۔ ایسے لاتعداد واقعات ہیں ۔ کہاں تک بیان کروں میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ سب کچھ وہم ہوسکتا ہے ۔ ہر دوسرے تیسرے روز مرحومہ کی روح کا نمودار ہوجانا اور پھر یکایک نظروں سے غائب ہوجانا اتنا متواتر نظارہ ہے کہ میں اسے کسی طرح فریب نظر سمجھنے پر تیار نہیں ۔ اچھا اب چند خاص خاص واقعات سن لیجئے ۔

قبرستان میں

میں اکثر صادق آباد سے مال بردار ٹرک لے کر جاتا ہوں اور واپسی پر ریل میں آتا ہوں ۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں خان پور اُتر گیا ۔ یہ عرض کر چکا ہوں کہ میری خالہ خانپور میں رہتی تھی اور وہیں اس کا مدفن ہے ۔ قبرستان شہر جانے والی سڑک پر واقع ہے ۔ ریل سے اکثر اُتر کر خانپور چلا جاتا ہوں ۔ یا اس طرح کہوں کہ کوئی قوت کشاں کشاں مجھے قبرستان لے جاتی ہے ۔ اس قبرستان میں ایک قبر ہے اور وہ قبر میری منزل گاہ ہے ۔ قبر کے سرہانے جا بیٹھتا ہوں اور نجانے کیا کیا کرتا رہتا

ہوں۔ اس وقت ہوش وحواس باقی نہیں رہتے۔ ایک عالم بے خودی چھا جاتا ہے۔ جب بے خودی دور ہو جاتی ہے تو قبر کو وداع کر کے خانپور اسٹیشن پر آ جاتا ہوں اور ساری رات وہاں گزار کر لوٹ آتا ہوں۔ رئیس صاحب! میں رات کو ایک مرتبہ احمد پور جا رہا تھا۔ میرے پاس کافی نقدی تھی۔ جب خانپور اسٹیشن پر گاڑی رُکی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی ان دیکھا ہاتھ مجھے ریل سے باہر کھینچ رہا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ سفر کرنا تمام چھوڑ کر احمد پور نہ اُتروں مگر اس غیبی قوت نے مجھے بے بس کر دیا اور عجب بے بسی کے عالم میں گاڑی سے اُتر کر ٹکٹ دیئے بغیر ویرانوں کی طرف چل کھڑا ہوا۔ رات کے دس بجے ہوں کہ میں نے اپنے آپ کو قبرستان میں پایا۔ خدا کی قسم میں اپنے پاؤں پر چل کر وہاں نہیں گیا تھا۔ بلکہ کوئی دھکیل لے گیا تھا۔ چاندنی رات تھی اور قبرستان پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔

عروج ماہ ہے اور مقبروں پر
ابد کی چاندنی چھٹکی ہوئی ہے

میں نے دیکھا کہ (پ) وہاں موجود ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اس سے پہلے یہ ہوتا کہ وہ پردہ غیب سے ظاہر ہوتی اور مجھے چپ چپاتے تکتی رہتی۔ میں بے اختیار (پ) کی طرف کھنچ گیا۔ وہ کچھ بولی نہیں۔ صرف دیکھ دیکھ کر مسکراتی رہی اور پھر یکا یک غائب ہو گئی۔

بیان نہیں کر سکتا کہ اس ملاقات کا دل پر کیا اثر پڑا۔ آخر میں قبرستان سے لوٹ آیا اور رات کے ایک بجے شاہین ایکسپریس سے گھر آ گیا۔ رات کو بہت تیز بخار ہو گیا اور یہ سلسلہ کئی دن چلتا رہا۔ بخار کے دوران کئی بار مجھے (پ) نظر آئی اب وہ تقریباً روز آنے لگی ہے۔ علالت کا یہ سلسلہ پانچ مہینے چلا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا لیکن یکا یک جس طرح بخار شروع ہوا تھا اسی طرح اچانک اُتر گیا اور میں چنگا بھلا ہو گیا۔ رئیس صاحب! اب یہ صورت ہے کہ اگر میں اسے ہفتے میں ایک آدھ بار دیکھ نہ لوں تو اداس ہو جاتا ہوں۔ دل بہت پرسوز ہو گیا ہے۔ اکیلے میں چھپ چھپ کر روتا ہوں۔ جی کی بھڑاس نکالتا ہوں۔ روتے ہوئے کئی مرتبہ (پ) نظر آئی۔ اب

صورت یہ ہے کہ کاروبار میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ اپنے تصورات وخیالات میں ڈوبا رہتا ہوں۔ جسمانی صحت ٹھیک ہے۔ البتہ ذہنی سکون غائب ہو گیا ہے۔ والدہ میری حالت سے سخت پریشان ہیں۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ جی چاہتا ہے مگر کیا چاہتا ہے معلوم نہیں ہے۔

ہے مرے عالم افکار پہ غالب کوئی شخص
مگر اس شخص کا کیا نام ہے معلوم نہیں

شمیم مرحومہ

چند سال قبل جھنگ سے ایک دوست نے یہ سوال لکھ کر بھیجا تھا کہ

آپ اس پر یقین کرتے ہیں کہ مرنے والے سے رودررو ملاقات ممکن ہے؟ بہت سے حضرات سے میں نے یہ سوال پوچھا ان سب نے مجھے پاگل قرار دیا۔ اور آپ کے دوست (مشہور کالم نویس) ابراہیم جلیس صاحب نے تو باقاعدہ مذاق اُڑایا۔ میں نے جھنگ والے دوست کو جواب دیا کہ آپ تمام واقعہ لکھ کر بھیجیں تو کوئی رائے قائم کروں۔ واقعہ انہوں نے اس طرح تحریر کیا کہ میں اٹھارہ سال قبل لاہور کی ایک لڑکی شمیم کو ٹیوشن پڑھاتا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے اور شادی کے قول وقرار ہو گئے۔ پھر مجھے لاہور سے ترک سکونت کرنا پڑی اور میں جھنگ چلا آیا۔ بدنصیبی یہ کہ شمیم سے بھی تعلق ختم ہو گیا اور مزید بدنصیبی یہ کہ میں نے والدین کے اصرار سے کہیں اور شادی کر لی۔ میں اس بے وفائی اور عہد شکنی پر شرمندہ ضرور تھا مگر ہائے مجبوریاں زمانے کی! اب شمیم کا حصول کہاں ممکن تھا۔ وہ بھی ازدواجی زنجیروں میں جکڑی جا چکی تھی۔ تاہم مجھے اعتراف کرنا چاہیے کہ شکست عہد کی ابتدا مجھ سے ہوئی تھی۔ قصور شمیم کا نہ تھا۔ میرا تھا۔ شادی کے بعد اُڑتی اُڑتی خبر سنی کہ شمیم تپ دق میں مبتلا ہو گئی ہے لیکن اتنی ہمت کہاں تھی کہ اس کی عیادت کو جاتا بہرحال خوش وناخوش وقت گزرتا رہا۔ اب آپ وہ واقعہ سنئے جو مجھے دیوانہ بنائے ہوئے ہے۔ میں ایک روز کمرے میں سو رہا تھا کہ یکا یک آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ شمیم میرے برابر کھڑی ہے۔ حیران کہ یہاں شمیم کہاں؟ میں سخت عالم حیرت میں غرق تھا کہ شمیم کا مجسمہ ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ مزید حیرت کہ

یہ خواب ہے یا عالم بیداری ہے

دوسرے روز دوپہر کی ڈاک سے خط ملا۔ یہ شمیم کی بہن نے لاہور سے بھیجا تھا اور اطلاع دی تھی کہ شمیم تپ دق سے جانبر نہ ہو سکی۔ خط پڑھتے ہی لاہور روانہ ہو گیا۔ شمیم کے گھر پہنچا اور اس کے بھائی کو ساتھ لے کر قبرستان گیا۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ شمیم کی قبر پر جا کر میرا کیا حال ہوا ہوگا۔ مجھ پر کیا قیامت گزری ہوگی۔ اس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ بہرحال پڑھ کر اور اس کے مرقد کی ذرا سی خاک لے کر روتا پیٹتا جھنگ لوٹ آیا۔ اگلی جمعرات کی رات میں پھر کسی وقت میری آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ شمیم کمرے میں موجود ہے اور ایک اجنبی دلنواز خوشبو سے خوابگاہ مہک رہی ہے۔ شمیم کو زندہ تابندہ اپنے سامنے دیکھ کر حواس جواب دے گئے۔ عقل رخصت ہو گئی۔ کیا یہ صرف وہم تھا۔ جی نہیں۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ شمیم مرحومہ کو میں نے نورانی پیکر میں دیکھا اور حلفیہ عرض کر سکتا ہوں کہ اس کی زلف عنبریں کی خوشبو سونگھی۔ یہ خوشبو کمرے میں صبح تک مہکتی رہی اور میں رات بھر کمرے میں ٹہلتا رہا۔ پھر جمعرات آئی اور پھر اس کی یاد ستانے لگی ۔خواب میں دیکھا کہ شمیم آئی ہوئی ہے اور میں اسے بھینچ بھینچ کر پیار کر رہا ہوں۔ وہ بھی میری آغوش میں سمٹی جاتی ہے۔ مجھ میں سمائی جاتی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ

لو جی ہم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب ہم جا رہے ہیں۔

آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو تنہا پایا۔ البتہ خوابگاہ کسی انوکھی خوشبو سے مہکی ہوئی تھی اور نسیم صبح عطر آلود۔

نسیم صبح نہ جانے کہاں سے آئی ہے
مچل رہی ہے فضا میں اک اجنبی خوشبو

رئیس صاحب! یہ کیا اسرار ہیں۔ یہ کیا تماشا ہے۔ کیا ایسا ہونا ممکن ہے۔ میں نے جواب دیا۔ کہ جی ہاں ممکن ہے۔ اس کائنات میں ان گنت عجائبات موجود ہیں۔ آپ آخر اس عجوبے کو دیکھ کر عقل سے یہ کیوں تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اس کی تشریح کرے عقل بے چاری کس کس چیز کی تشریح کرتی رہے۔

ممتاز شاعر جام نورائی کی زبان سے کئی بار یہ واقعہ سنا ہے کہ میڈیکل کالج آگرہ میں ایک لڑکی پڑھتی تھی جس کا منگیتر لکھنو میں سخت بیمار تھا۔ لڑکی کو اپنے جیون ساتھی کی طرف سے سخت تشویش رہتی تھی۔ ایک روز نصف شب کے قریب لڑکی کی آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ اس کا منگیتر صحیح صحت مند کمرے کے دروازے میں کھڑا بغور اس کی طرف تک رہا ہے۔ لڑکی حیران کہ یہ اتنی شدید بیماری کے عالم میں لکھنو سے آگرہ کس طرح آ گیا۔ لڑکی کو اپنے مشاہدے پر اعتبار نہ آیا۔ اس نے منگیتر کا نام لے کر آواز دی تو اس نے گردن ہلائی اور ایک اشارہ کیا اب جو دیکھا تو وہ غائب ہو چکا تھا۔ لڑکی باہر کی طرف دوڑی کہ اسے تلاش کرے برآمدے میں گئی، صحن میں اتری، مگر آنے والے کا نشان کہیں نظر نہ آیا۔ مزید حیرت یہ کہ رات میں ہوسٹل کا دروازہ مقفل کر دیا جاتا ہے۔ کسی کو باہر نکلنے یا اندر آنے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ مارے بیقراری کے لڑکی نے ہوسٹل کے چوکیدار سے دریافت کیا کہ کیا تم نے کسی شخص کو اندر آنے کی اجازت دی ہے؟ اس بیچارے نے انکار کیا کہ رات میں کبھی دروازہ کھلتا ہی نہیں۔ آخر لڑکی مایوس ہو کر اپنے کمرے میں لوٹ آئی مگر صبح تک اس کے ذہن میں رات کے واقعے کی خلش رہی۔ دوسرے روز تار ملا کہ کل رات فلاں وقت اس کے منگیتر کا انتقال ہو گیا ہے۔

ہمارے دوست نشاط لکھنوی فرما رہے تھے کہ وہ اوکاڑے کے فوجی ڈیری فارم میں ملازم تھے اور ایک تنہا کوارٹر میں قیام پذیر۔ جب وہ سوتے، تو محسوس ہوتا کہ کوئی عورت ان کی بغل میں لیٹی ہوئی ہے۔ آنکھ کھلتی تو کوئی نظر نہ آتا۔ یہ واقعہ متعدد مرتبہ پیش آیا۔ تب انہوں نے مجبور ہو کر لوگوں سے ذکر کیا۔ پتہ چلا کہ تقسیم سے قبل اس کوارٹر میں کسی سکھ عورت کا قتل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس کوارٹر میں جتنے لوگ آ کر رہے انہیں یہی تجربہ ہوا۔ نشاط لکھنوی نے سکونت تبدیل کر دی۔

بڑھیا جی اٹھی

ان واقعات اور مشاہدات کو پڑھتے ہوئے بار بار یہ سوال آپ کے ذہن میں پیدا ہوگا کہ حیات بعد الموت (مرنے کے بعد جینے کی) اہمیت وحقیقت کیا ہے؟ کیا جسم پر موت طاری ہونے کے

بعد، ہماری شخصیت کا کوئی حصہ ملک الموت کی دستبرد سے بچ رہتا ہے اور اگر بچ رہتا تو کیا شعور اور حافظہ قبر کے اس پار بھی باقی رہتے ہیں۔ پھر یہ سوال بھی اُٹھے گا کہ خود روح کیا ہے در حقیقت یہ مسئلے اب تک انسانی عقل و منطق اور حواس کی رسائی سے باہر ہیں زندگی موت اور روح سے تعلق رکھنے والی تمام بحثیں، ایک نئی منطق، نئے حواس اور نئی عقل کا تقاضا کرتی ہیں۔ یہ نئی منطق، نئے حواس اور نئی عقل ابھی وجود میں نہیں آئی لہٰذا فی الحال ان مباحث سے قطع نظر کر لیجئے۔ سر دست تو لوگوں کے تجربات و مشاہدات سن لیجئے۔

طفیل احمد جان (79۔ الف، پرانا لالوکھیت کراچی) لکھتے ہیں کہ

یہ واقعہ آج سے تقریباً 36,37 سال قبل پیش آیا تھا۔ میرے مکان کے پچھواڑے (پشت پر) ستوں کا ایک خاندان آباد تھا۔ میں کوچہ بقاء اللہ تراہہ بیرم خان دہلی کا ذکر کر رہا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ستر سال کی ایک بڑھیا قریب المرگ اور جان بلب تھی۔ ایک رات اس کی حالت بے حد خراب ہوگئی۔ سانس اکھڑا اکھڑا چلنے لگا یقین تھا کہ بڑھیا رات میں کسی وقت ختم ہو جائے گی لیکن رات میں ستوں کے گھر سے کوئی آواز نہ آئی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بڑھیا پر رات خیریت سے گزر گئی۔ صبح میری خالاؤں نے جھانک کر دیکھا تو حیران رہ گئیں، دیکھا کہ وہی نیم جان بڑھیا جس کے سانس گنے جا رہے تھے اور تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ گھر کے آنگن میں جھاڑو دے رہی ہے۔ بڑھیا کو چاق و چوبند اور زندہ و صحت مند دیکھ کر میری خالاؤں نے اس عجائب روزگار واقعے کا ذکر نانی صاحبہ سے کیا۔ وہ خود چھت پر گئیں اور ستے کے گھر میں جھانکا تو وہی تماشا نظر آیا کہ اجل رسیدہ بڑھیا صحن میں جھاڑو دے رہی ہے۔ نانی کے جھانکنے پر سخت جان بڑھیا نے نظر اُٹھائی اور نانی کو دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔ نانی کچھ کہے سنے بغیر کوٹھے سے نیچے اُتر آئیں۔ بڑھیا کی بہو کو جو کافی سن رسیدہ تھی۔ اپنے پاس بلایا اور کہا کہ ظہر کی نماز کے بعد آ جانا۔ میں تمہیں پانی دم کر کے دوں گی۔ وہ پانی بڑھیا کو پلا دینا۔ ستے کی بہو نے ایسا ہی کیا۔ بڑھیا کو دم کیا ہوا پانی پلایا۔ سب نے دیکھا کہ پانی پیتے ہی بڑھیا دھڑام سے زمین پر مر کے گر پڑی۔ ہم نے نانی سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ فرمانے لگیں کہ

رات میں کسی وقت بڑھیا کا دم نکل گیا تھا گھر والے سو رہے تھے اس حالات میں کوئی خبیث روح اس کے جسم میں داخل ہوگئی اور بڑھیا زندہ ہو کر کام کرنے لگی لیکن اس کا جسم مردہ تھا اور یہ مردہ جسم اس خبیث روح کے زیر اثر کام کر رہا تھا۔ نانی نے کہا کہ جب میں نے بڑھیا کو صحن میں جھاڑو دیتے ہوئے دیکھا اور اس کی نظر مجھ پر پڑی تو میں پہچان گئی کہ یہ کوئی اور ہے۔ چنانچہ دم کیا ہوا پانی پلانے سے خبیث روح نے مردہ بڑھیا کے جسم کو آزاد کر دیا۔

طفیل احمد خان نے سوال کیا ہے (اور ان مباحث میں قدم قدم پر نئے نئے سوالوں اور انوکھے انوکھے جوابوں سے واسطہ پڑتا ہے) کہ کیا ایسا ممکن ہے؟ اس کائنات میں کیا ممکن ہے کیا ممکن نہیں ہے؟ اس سوال کا جواب عملی طور پر دینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کیونکہ ہمارے علم کا سر چشمہ، آنکھ، کان، ناک اور دوسرے حواس ہیں۔ زندہ آدمیوں کے جسم میں آوارہ گرد روحوں کا حلول کر جانا تو عام طور پر سننے میں آتا ہے اور اس قسم کے مریضوں کا علاج جنہیں آسیب زدہ کہا جاتا ہے۔ نفسیاتی طریقے پر کیا ہی جاتا ہے لیکن کسی مردہ جسم میں کسی روح کا گھس جانا ایک ایسا واقعہ ہے جو صرف قصے، کہانیوں، افسانوں اور روائیوں کے طور پر تو سننے میں آتا ہے۔ عملی زندگی میں کہیں اس کا تجربہ نہیں ہوا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان واقعات میں اصلیت کہاں تک ہے اور تخیل کی حاشیہ آرائی اور داستان طرازی کہاں تک؟ طفیل احمد جان نے بڑھیا کا جو واقعہ بیان کیا ہے اس کو جوں کا توں تسلیم کرنا ممکن نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بڑھیا مر گئی تھی اور دوبارہ زندہ ہوگئی۔ سوال یہ ہے کہ آخر یہ کس طرح معلوم ہوا کہ واقعی بڑھیا کا دم نکل گیا تھا۔ ممکن کیا یقینی ہے کہ وہ یکا یک صحت یاب ہوگئی تھی۔ موت سے پہلے یکا یک صحت یاب ہو جانا کوئی عجیب اور بعید از عقل واقعہ نہیں ہے۔

غلام حسین چوہدری ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس معلم لاہوریاں نزد کمپنی باغ (اپنے خط 17 اکتوبر 1972ء) میں لکھتے ہیں کہ

والد بزرگوار کی عمر 75 سال کی تھی۔ بخار میں مبتلا ہوئے کسی طرح بخار نے پیچھا نہ چھوڑا

۔علالت کا سلسلہ سات آٹھ مہینے چلتا رہا۔ کمزوری بڑھتی گئی۔ اس کے بعد دوسرے عارضے رونما ہو گئے۔ مثلاً ضیق النفس، بے خوابی، بھوک کا نہ ہونا، ہاتھ پاؤں پر ورم چڑھ گیا۔ آخر قریب المرگ ہو گئے۔ ہم سب کو ان کی زندگی سے یاس ہو گئی۔ میں خدمت میں حاضر تھا۔ مستورات نے سورۃ لیٰسین پڑھنی شروع کی کہ اچانک قبلہ والد بزرگوار کو ہوش آ گیا۔ بخار بالکل اُتر گیا۔ صحت مند ہو گئے۔ بھوک محسوس ہوئی تو شوربہ پلایا گیا۔ رات خیریت سے گزری۔ صبح فرمانے لگے۔ پانی گرم کراؤ میں غسل صحت کروں گا۔ چنانچہ غسل صحت کیا اور دن بھر چارپائی پر بیٹھے لوگوں سے باتیں کرتے رہے۔ تمام شہر میں خبر اُڑ گئی کہ قبلہ چوہدری صاحب امام الدین میونسپل کمشنر جو عرصہ دراز سے بیمار تھے۔ اچانک تندرست ہو گئے۔ پھر کیا تھا۔ اپنے اور غیر کھچا کھچ ہمارے گھر آنے شروع ہو گئے۔ ہر کسی سے مصافحہ کرتے اور حال بتلاتے ہم نے مارے خوشی کے کئی بکرے صدقے کے طور پر حلال کرائے۔ کئی دیگیں پلاؤ کی غریبوں میں تقسیم کیں' الغرض ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ہم سمجھتے تھے کہ مرض دور ہو گیا ہے اور والد بزرگوار شفایاب ہو چکے ہیں' معمولی سی کمزوری ہے وہ بھی رفع ہو جائے گی۔ وہ بظاہر اسی تندرستی کی حالت میں باتیں کرتے کرتے لیٹ گئے اور آناً فاناً روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اس واقعے کی نسبت معالجین کی رائے یہ ہے کہ تندرستی کی یہ حالت' افاقۃ الموت (موت سے پہلے افاقہ ہو جانا) کی کیفیت تھی۔ بعض نات ایسا ہوتا ہے کہ موت طاری ہونے سے قبل تمام امراض خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ مریض کو افاقہ محسوس ہونے لگتا ہے لیکن یہ حالت اس چراغ کی طرح ہے۔ جو تیل کے ختم ہونے پر بھڑکتا ہے اور پھر گل ہو جاتا ہے۔

بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہو جاتا ہے۔

یہ بیان ہے جناب غلام حسین چوہدری کا اپنے والد مرحوم کے متعلق۔ کیا وہ بڑھیا سقن بھی موت سے پہلے اسی طرح یکایک ناقابل یقین طور پر صحت یاب ہو گئی تھی۔ مجھے طفیل احمد جان کی نانی مرحومہ کے بیان پر شبہ نہیں لیکن ایسے خلاف عقل واقعے کو تسلیم کرنے کے لئے بڑی مضبوط اور ناقابل تردید شہادتوں کی ضرورت ہے۔ تذکرہ غوثیہ پڑھ رہا تھا کہ حضرت غوث علی شاہ قلندر (

مدفون پانی پت) کی ایک حکایت نظر سے گزری۔ تذکرہ غوثیہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ

ارشاد ہوا کہ

ہم حج کو چلے تو راستے سے ایک ہندو جوگی چار چیلوں سمیت ہمراہ ہو گئے۔ کہنے لگے رات کو ہمارے ساتھ ٹھہرنا چنانچہ ہم سب ایک دھرم شالے میں جا اترے۔ انہوں نے چیلوں سے پوچھا کیا کھاؤ گے؟ سب نے اپنی اپنی رغبت کے مطابق کھانا بتا دیا۔ وہی کھانا موجود ہو گیا۔ پھر ہم سے پوچھا ہم نے کہا جو آپ کھائیں گے۔ وہی ہم کھائیں گے۔ کہا میں تو مونگ کی دال اور چپاتی کھاتا ہوں۔ چنانچہ ہم نے بھی ان کے ساتھ وہی کھایا۔ بات چیت شروع ہوئی۔ تو کچھ انس پیدا ہو گیا۔ کچھ توجہ کا ذکر آیا تو میں نے توجہ کی درخواست کی۔ کہنے لگے کہ تین روز ہمارے ساتھ رہو۔ چوتھے روز ہم توجہ دیں گے۔ خیر ہم ٹھہر گئے۔ انہوں نے تین دن ہمیں روزہ (برت) رکھوایا۔ پھر توجہ دی ۔ واقعی بڑے زبردست آدمی تھے۔ ہم بہت سے لوگوں سے ملے اور ان سے توجہ لی، مگر یہ تاثیر کسی کی توجہ میں نہ پائی تھی۔ اُن کی توجہ سے ہمارا قلب گلاب کے پھول کی طرح کھل کر قائم ہو گیا تھا۔

ایک دن انتقال روح کا ذکر آیا (انتقال روح یہ کہ روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جائے) کہنے لگے کہ ہاں ہماری روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو سکتی ہے۔ کیا تم یہ تماشا دیکھو گے؟ میں نے کہا ضرور دیکھیں گے۔ کہا اچھا ایک مردہ جانور لاؤ' اگلے دن ہم ایک مردہ طوطا لائے۔ رات کے وقت وہ دیوار سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ طوطے کو سامنے رکھ لیا اور چراغ گل کر دیا۔ سسکی لے کر دم کھینچا، کھٹ سے آواز آئی بجلی سی چمکی اور طوطے میں جان آ گئی ہم نے اس کو پکڑ لیا اور طوطے سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ بول تو نہ سکتا تھا البتہ اشاروں میں گفتگو کرتا تھا۔ پھر ہم نے کہا کہ اچھا اب اپنے جسم میں آ جایئے۔ تماشا دیکھ لیا۔ تو وہ اسی چمک دمک کے ساتھ اپنے جسم میں آ گئے۔ ہم نے کہا یہ بات ہمیں بھی سکھا دیجئے۔ فرمایا: پندرہ روز میں سکھلا دیں گے۔ چنانچہ ہم کو وعدے کے مطابق انتقال روح کا طریقہ سکھلا دیا۔ مگر ہم نے چند روز یہ عمل کر کے چھوڑ دیا کیونکہ اس میں بڑا بکھیڑا تھا۔

یہ بیان بلکہ تجربہ ہے۔ حضرت غوث علی شاہ قلندرؒ کا بہر حال انتقال روح ایک ایسا مظہر ہے جس کے بارے میں راقم الحروف کو کوئی ذاتی تجربہ نہیں۔ البتہ 1945ء میں بمقام دہرہ دون ایک فقیر سے سنا تھا کہ ہم جس مردہ جسم میں چاہیں منتقل ہو جائیں۔ ان کے بعض دوستوں سے پوچھا تو کہنے لگے کہ ہاں حضرت صاحب میں یہ کرامت موجود ہے۔ ان حضرت صاحب کا نام نامی دلارے شاہ تھا۔ افسوس کہ ہم دلارے شاہ صاحب کا امتحان نہ لے سکے۔

مسماۃ حلّو خاتون

ماشاء اللہ خان صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر، شمالی ناظم آباد کا بیان (مکتوب مورخہ 12 اکتوبر 1972ء) اور بھی دلچسپ ہے۔ فرماتے ہیں کہ

راقم الحروف قصبہ جلیسر (یو۔ پی) کا رہنے والا ہے۔ جہاں سید ابراہیم کی درگاہ ہے۔ درگاہ سے کچھ فاصلے پر محلہ خادماں بسا ہوا ہے جہاں درگاہ شریف کے خدام رہتے ہیں۔ یہاں درگاہ شریف کی ایک خادمہ پیرزال بڑھیا، مسماۃ حلو خاتون بھی رہتی ہیں۔ وہ کبھی کبھی ہمارے ہاں بھی آیا کرتی تھی۔ وہ میرا کم سنی کا زمانہ تھا۔ ایک دن جب وہ آئی تو مرحومہ دادی نے اس سے فرمائش کی کہ حلو اپنے مرکر زندہ ہو جانے کا واقعہ تو سناؤ۔ کہنے لگی۔

مجھے ہیضہ ہو گیا تھا۔ آخر میں کمزوری کے سبب یہ حالت ہو گئی کہ کبھی میں بے ہوش ہو جاتی اور کبھی ہوش میں آ جاتی۔ رفتہ رفتہ میری نس نس کھنچنا شروع ہوئی ٹانگوں کا یہ عالم جیسے کوئی آری سے گوشت کاٹ رہا ہو۔ آخر ٹانگیں بے حس اور بے حرکت ہو گئیں۔ روح کھنچ کر سینے میں آ ئی۔ پھر ہچکیاں آنے لگیں۔ میں نے سوچا کہ میں ختم ہو رہی ہوں کہ یکا یک مجھے کئی فرشتے نظر آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے چلے۔ میں کیا بتاؤں کہ وہ فرشتے مجھے کتنی خوبصورت جگہوں پر لے گئے ایسی خوبصورت جگہیں جہاں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لئے تیار ہوں۔ ان جگہوں سے گزر کر وہ مجھے ایک بلند ترین مقام پر لے گئے۔ پہاڑ ہی پہاڑ۔ ان پہاڑوں سے گزر کر ہم ایک ایسے مقام پر لے گئے۔ جہاں نور ہی نور تھا۔ دیکھا کہ خدا ایک مسند پر سامنے بیٹھا ہے اور دوسری مسند پر خدائن (یعنی

معاذ اللہ خدا کی بیوی) خدائن کا ذکر سن کر ہم سب ٹھٹھے مار کر ہنسنے لگے مگر حلو نے بار بار یقین دلایا کہ میں خود خدا اور خدائن کو دیکھ کر آئی ہوں۔ تو خیر جب میں خدا کے سامنے پہنچی تو اس نے فرشتوں سے کہا کہ میں نے اس حلو کو نہیں بلایا فرشتوں نے فوراً مجھے نیچے پھینک دیا۔ میں پہاڑوں پر سے لڑھکتی ہوئی نیچے گرنے لگی اور زمین پر آ گئی اس طرح گرنے سے میرے بازو میں چوٹ لگی (بازو کھول کر مندمل زخم دکھایا) زمین پر گرتے ہی مجھ میں جان آ گئی۔ اُٹھ بیٹھی تو دیکھا کہ بازو سے خون بہہ رہا ہے۔

اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد ماشاء اللہ خان صاحب لکھتے ہیں کہ جب میں ایف اے میں پڑھ رہا تھا۔ تو موسم گرما کی تعطیلات میں وطن جانے کا اتفاق ہوا۔ معلوم ہوا کہ واقعی مسماۃ حلو کو اللہ نے اپنے پاس بلا لیا ہے۔

ایک دن حلو مرحومہ کی بہو مسماۃ ننھی ہمارے یہاں آئی۔ میں نے ننھی سے حلو کے مرنے اور دوبارہ زندہ ہو جانے کی تصدیق چاہی۔ ننھی نے کہا کہ یہ میرے بیاہ کے دو سال بعد کا قصہ ہے۔ مرحومہ سچ مچ مر گئی تھیں۔ اُن کو کفنا دیا گیا تھا۔ جب دفن کرنے کے لئے جنازے کو لے کر چلنے لگے۔ تو دیکھا کہ کفن کا ایک کونا خون سے تر بتر ہو گیا ہے۔ سب حیران کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ پھر دیکھا کہ کفن متحرک ہے۔ سب لوگ ڈر کر دور ہو گئے۔ ناگہاں کفن میں سے آواز پہچان لی۔ ذرا سی دیر میں گھر والوں کی آہ و زاری، نالہ و بکا اور بین و بیان تعجب و مسرت میں تبدیل ہو گیا۔ مسماۃ ننھی نے یہ بھی بتایا کہ دوبارہ زندہ ہونے پر حلو کافی تندرست تھیں۔ بازو کا زخم بھی چند روز میں مندمل ہو گیا۔

یہ بیان ہے ماشاء اللہ خان صاحب کا۔ ستوں والی بڑھیا کے واقعے کی کوئی نہ کوئی عقلی توجیہہ کی جا سکتی ہے لیکن مسماۃ حلو کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ صاف اور سیدھا راستہ تو یہ ہے کہ اس واقعے سے قطعاً انکار کر دیا جائے۔

حلو کا مر جانا۔ مرنے کے بعد اس کی روح کا فرشتوں کے ساتھ خدا کے سامنے حاضر ہونا اور لطف یہ کہ خدا کے پہلو میں خدائن کا جلوہ کیسی داستان طلسم ہوشربا ہے۔ یہ اچھا تسلیم کہ حلو کا بیان

غلط تھا اور یقیناً دوبارہ جی اُٹھنے یا جاگ اُٹھنے کے بعد اس نے جو کچھ بیان کیا وہ نری تخیل کی رنگ آمیزی ہے۔

میں حکو کے بیان سے کس نتیجے پر پہنچا ہوں؟ اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بے شک حکو پر ظاہری موت طاری ہو گئی تھی لیکن اس کے نفس کا ایک حصہ صحیح وسلامت اور برقرار تھا۔ یعنی وہ ایسی بے خبر، بے سدھ، بے کنار نیند کے عالم میں غرق تھی جسے صرف موت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ آخر نیند موت کی چھوٹی بہن ہی تو ہے۔ اس کامل بے ہوشی کے عام میں حکو نے اپنے علم کے مطابق خواب دیکھنا شروع کیا۔ اس کے لاشعور میں موت اور بعد الموت کے بارے میں جتنے تصورات موجود تھے وہ سب کے سب اجزائے خواب کی شکل میں اُبھرے۔ مثلاً جنت (ایسی خوبصورت جگہ ہے جہاں ہمیشہ رہنے کو جی چاہے) کا تصور، فرشتوں کا تصور، عالم نور، پھر عرش الٰہی اور عرش الٰہی پر خدا کی مسند کے سہارے نشست (لاحول ولا قوۃ)

تصور ہی تصور ہے وہ دنیا ہے کہ عقبیٰ ہو

اور پھر مزید لاحول ولا قوۃ یہ کہ خدا کے پہلو میں "خدائن" بھی جلوہ گر تھیں۔ یہ سب حکو کے لاشعوری تصورات تھے۔ اب یقیناً اُلجھن پیدا ہو گی کہ اس کے بازو پر زخم کیسے لگا؟ اس سلسلے میں ہم تنویمی خوا ، (ہپناٹزم) سے مدد لیں گے۔ اگر تنویمی نیند کے عالم میں معمول کو یہ ترغیب دی جائے کہ تمہارے م کے فلاں حصے میں زخم نمودار ہو گیا ہے۔ بشرطیکہ معمول کے نفس یا ذہن نے اس ترغیب کو پوری طرح قبول کر لیا ہو۔ تو اس حصہ جسم پر زخم نمودار ہو جائے گا۔

اندازہ یہ ہے کہ حکو پر گہری تنویمی نیندی طاری ہو گئی۔ اس بے خبری کی حالت میں اس نے اپنے کو خود مشاہدات بعد الموت (مرنے کے بعد جو کچھ نظر آیا) کی ترغیبات دیں۔ مثلاً فرشتے، خوبصورت مقامات، نور ہی نور۔ پھر خدا کے سامنے حاضری اور پھر مزید لطف یہ کہ خدا کے پہلو میں خدائن کی موجودگی۔ اس کا عرش سے پھینکا جانا اور پھر اس کا ہوش میں آنا اور زمین پر گر کر زخمی ہو جانا۔

یہ تمام تر ، (بجنسہٖ) حکو نے خود کو دیں اور خود ہی ان ترغیبات پر عمل کیا اور پھر وہ ہوش میں

آ گئی۔ اس عالم میں کہ زخم اس کے بازو پر موجود تھا۔ اگر ہم حکو کے معاملے کی عقلی توجیہہ کرنا چاہیں۔ تو یہی یا اسی قسم کی کوئی وجہ قائم کرنا پڑے گی ہاں تو گفتگو حاضرات ارواح کے بارے میں ہو رہی تھی۔ اس سلسلے میں متعدد حضرات نے تجربات ومشاہدات پیش کئے جا چکے ہیں۔ مزید تجربات ملاحظہ ہوں۔

نازنین راجہ (مظفر آباد، آزاد کشمیر) لکھتی ہیں کہ

دھبے میں

ایک اور سلسلے میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے مسئلہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے ہمارے اکلوتے بھائی (جو بہت دن سے لاپتہ ہیں) کا سراغ نکالنے کے لئے ایک عمل کئی مرتبہ دہرایا لیکن ہر بار ناکامی ہوئی۔

وہ عمل اس طرح شروع کرتے ہیں کہ ایک شیشے کا گلاس پانی سے بھرتے ہیں اور اس پر ایک تیل سے بھگویا ہوا کاغذ رکھتے ہیں جس کے درمیان میں سیاہی کا گول دھبا ہوتا ہے اور آس پاس کچھ لکیریں ہوتی ہیں۔ پھر ایک لڑکے سے کہا جاتا ہے کہ وہ اس دائرے یا دھبے کو پلک جھپکائے بغیر مسلسل تکتا رہے۔ ہاں یہ عرض کر دوں کہ جس لڑکے معمول بنایا جاتا ہے (یعنی اس سے پلک جھپکائے بغیر دھبے کو دیکھنے کو کہا جاتا ہے) اس سے ایک دن پہلے ترک حیوانات کے علاوہ پیاز اور لہسن کا استعمال بھی چھڑوا دیا جاتا ہے۔ یعنی چوبیس گھنٹے قبل وہ گوشت اور لہسن پیاز کے نزدیک بھی نہیں جا سکتا۔ جب معمول (بچے) کو گلاس کے سامنے بٹھا دیا جاتا ہے تو عامل کچھ پڑھنا شروع کرتا ہے۔ پھر وہ بچے سے سوال وجواب شروع کرتا ہے۔ بچہ بیان کرنا شروع کرتا ہے کہ

مجھے ایک میدان نظر آ رہا ہے (یہ سب کچھ عامل کے بجنسہٖ پر ہوتا ہے۔ اب عامل صاحب کہتے ہیں کہ دیکھو۔ سقے میدان میں چھڑکاؤ کر رہے ہیں۔ بچہ اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جی ہاں سقہ چھڑکاؤ کر رہا ہے۔ پھر عامل کے کہنے پر فراش کو بلایا جاتا ہے اور فراش کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ فرش بچھائے۔ میز، کرسی کاغذ وقلمدان حاضر کرے۔ معمول کو دھبے میں سب کچھ نظر آتا ہے پھر عامل کی

چیت کرتے ہیں۔ (پلانچٹ اور اوجابورڈ کا عمل اس سے ملتا جلتا ہے) ف۔ سالار بیان کرتے ہیں کہ

چند روز قبل حاضرات ارواح کی محفل میں میز کی حرکت کے ذریعے کسی روح کی آمد کا علم ہوا۔ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ پہلے کچھ پڑھتے ہیں (یعنی قرآن مجید کی آیتیں) پھر کہتے ہیں کہ اگر کوئی روح ادھر سے گزر رہی ہو تو میز کو حرکت دیدے۔ جب میز خود بخود حرکت کرنے لگتی ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی روح آ گئی ہے۔ پھر معلوم کرتے ہیں کہ کون ہے۔ ہم یہ اصرار نہیں کرتے کہ لامحالہ فلاں اور فلاں روح ہی آئے۔ اندیشہ یہ رہتا ہے کہ اس طرح زبردستی بلانے سے روح کوئی تکلیف محسوس نہ کرے۔ ہاں ادھر سے گزرنے والی کوئی روح خود بخود آ جائے تو ظاہر ہے کہ وہ بخوشی آئی ہے۔ بجبر نہیں آئی۔ ہاں تو چند روز ہوئے کہ حاضرات ارواح کے عمل میں میری بیوی کی روح یکایک آ گئی (میز کی حرکت کے کچھ اشارے مقرر کر لئے جاتے ہیں اور ان اشاروں کے ذریعے سوال وجواب کئے جاتے ہیں) زوجہ مرحومہ کی روح نے بتلایا تھا کہ روحوں کو کبھی کبھار بلا لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ اس میں انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ پچھلے دنوں ایک روح آئی۔ اس سے کہا کہ فلاں روح کو بلاؤ۔ وقت مقرر کیا گیا۔ مقررہ وقت پر مطلوبہ روح حاضر تھی۔ اسی طرح ایک دوسرے کی وساطت سے بہت سے دوستوں اور رشتے داروں کی روحوں کو بلایا گیا۔ جب میز کی حرکت رُک جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ روح اب سلسلہ گفتگو منقطع کر دینا چاہتی ہے۔ کئی مرتبہ یہ پیام ملتا ہے کہ میں اب جانا چاہتی ہوں۔

آپ کی معلومات کے لئے عرض کردوں کہ ہماری ڈیوڑھی میں ہر جمعرات کو ایسی بھینی بھینی خوشبو آتی ہے کہ روح تک مہک جاتی ہے۔ اکثر روحوں نے بتایا کہ ہم برابر اپنے سابقہ گھروں میں جاتے رہتے ہیں اور پسماندہ عزیزوں کے حال سے غافل نہیں رہتے۔ یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہر روز نفل پڑھ کر اس کا ثواب تمام دوستوں اور رشتے داروں کی خدمت میں بخش دیتا ہوں۔

کمرۂ حاضرات کی فضا اور ماحول کے بارے میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق ڈاکٹر کرنگٹن کے

حوالے سے لکھتے ہیں۔

1908ء میں مجھے نیپال جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں مجھے بتایا گیا کہ ایک عورت یوساپیہ کو فضا میں غیبی صورتیں نظر آتی تھیں۔ چنانچہ میں چند اور احباب کے ساتھ اس سے ملنے گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ غیبی انسانوں میں ہر وقت گھری رہتی ہے اور اس کے کمرے میں ہمیشہ ان کا ہجوم رہتا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہمیں بھی دکھایئے چنانچہ ایک خالی میز کمرے کے وسط میں رکھی گئی۔ یوساپیہ اس میز پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی سی دیر کے بعد میز زمین سے ایک گز بلند ہوگئی اور پھر آہستہ آہستہ نیچے آ گئی۔ اس کے بعد میز پر ستار رکھ دیا گیا جو خود بخود بجنے لگا۔ یہ سلسلہ ختم ہوا تو فضا میں انسان نظر آنے لگے۔ ایک میرے قریب آیا۔ میں نے اُٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔ اس کا ہاتھ میری گرفت میں تحلیل ہو گیا۔

حاضرات ارواح کی نشستیں عموماً شام کے بعد ہوتی ہیں جن میں دس سے لے کر پندرہ افراد تک شامل ہوتے ہیں۔ روشنی کم کردی جاتی ہے۔ ساز چھیڑ دیئے جاتے ہیں۔ حمد الٰہی کے گیت گائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ارواح کو طلب کرنے والا آدمی ایک کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں میچ لیتا ہے اور اپنی پوری توجہ عالم ارواح پر جما دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس پر بے خودی سی طاری ہوجاتی ہے۔ اس عالم میں کبھی اس کے منہ سے اور کبھی چھت سے آوازیں آنے لگتی ہیں۔ اس قسم کی ایک نشست میں تھیا سوفی تحریک کا ممتاز رہنما اور متعدد کتابوں کا مصنف لیڈ بیٹر بھی شریک تھا۔ وہ اپنی کتاب The Pathand The Masters میں لکھتا ہے کہ

کمرۂ حاضرات ارواح میں نشست کے وقت ایک پادری کی روح آئی۔

اس سے حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

آپ کون ہیں؟

میں فلاں پادری ہوں۔

آج کل آپ کہاں ہیں؟

میں عالم ارواح کے پست ترین طبقے میں بھٹک رہا ہوں۔

کیوں؟ یہ سزا آپ کو کیوں ملی؟
میں زندگی بھر لوگوں سے کہتا رہا کہ اگر کوئی شخص اس بات پر ایمان لے آئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ سلام کی موت تختہ دار پر ہوئی تھی تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور جس کا یہ عقیدہ نہیں ہوگا۔ وہ گناہ گار مرے گا۔ مرنے کے بعد مجھے حکم ملا کر نچلے طبقے میں ٹھہرو اور اپنے ہر سامع کی روح سے یہ کہتے رہو کہ میں زندگی بھر غلط وعظ کہتا رہا تھا۔

ایک مرتبہ ارواح کی مجلسوں میں ایک تنگ نظر اور متعصب پادری کی روح سے پالا پڑ گیا تھا۔ وہ اس وقت بھی کہہ رہا تھا کہ صرف میں سچا ہوں۔ باقی سب غلط راستے پر ہیں۔ ایک اور روح نے بتایا کہ اس کو اس وقت تک پست طبقے میں رکھا جائے گا جب تک اس کا دماغ صحیح نہ ہو جائے اور وہ عالم بالا کے قابل نہ بن جائے۔

خوشبوئے روح

جناب نذیر احمد چوہدری (راولپنڈی) نے اپنی بیوی۔ ش۔ کی روحی یا روحانی صلاحیتوں کے بارے میں ایک طویل رپورٹ قلمبند کر کے بھیجی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

ہمارا خاندان دس افراد پر مشتمل ہے۔ ہم میاں بیوی اور بچے۔ بیوی کا نام 'ش' ہے۔ شادی 1950ء میں ہوئی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد شمیم نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ کہہ رہے ہیں کہ 'ش' تم بعض اوقات نماز چھوڑ دیتی ہو۔ اگر پابندی سے پانچ وقت کی نماز پڑھتی رہو تو یقیناً تمہارا ذہن دھلے ہوئے لٹھے کی طرح پاک وصاف ہو جائے گا۔

خواب دیکھ کر میری بیوی جاگیں تو عہد کیا کہ وہ پابندی سے پانچ وقت کی نمازیں پڑھا کریں گی۔ چنانچہ انہوں نے نماز پنجگانہ کی پابندی شروع کر دی۔ تقریباً ایک مہینے بعد بیوی کا دل چلنا شروع ہو گیا (یعنی ان کا لطیفہ قلب بیدار ہو گیا اور دل سے اللہ اللہ کی آواز آنے لگی) پھر اس نے روزانہ نماز عشاء کے بعد ہزار دفعہ کلمہ شریف اور درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ کچھ دن بعد 'ش' نے دیکھا کہ وہی بزرگ جو اس سے پہلے خواب میں نظر آئے تھے۔ ایک دریا کے کنارے کھڑے ہیں۔

بیوی نے خواب میں محسوس کیا کہ ہوا کے دوش پر کوئی چیز سرسراہٹ کے ساتھ گزر کر دریا کے پار جا رہی ہے۔ انہی بزرگوار نے فرمایا کہ انبیاء کی سواری ابھی ابھی ادھر سے گزری ہے اور اب حضرت غوث پاکؒ گزرنے والے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد غوث پاک کی سواری بھی گزر گئی۔ تمام فضا کلمہ شریف کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ پھر کچھ دن بعد خواب میں دیکھا کہ میں مسجد نبوی میں حاضر ہوں اور دو بزرگ نماز ادا کر کے باہر نکل رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ۔

اس قسم کے چند خواب نقل کرنے کے بعد نذیر احمد چوہدری لکھتے ہیں کہ

اب میں اصل مسئلے کی طرف آتا ہوں۔ چھ مہینے سے میری بیوی کو نماز کے بعد خاص قسم کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ یہ خوشبو چند منٹ قائم رہتی ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد کلمہ شریف اور آیۃ الکرسی کا ورد کرتے ہی خوشبو کی لپٹیں آنے لگتی ہیں مگر 'ش' پر وجد یا بے خودی کی حالت طاری نہیں ہوتی۔

جب 'ش' نے اس پراسرار اور اجنبی خوشبو کا ذکر مجھ سے اور بچوں سے کیا تو بچے ماں کے پیچھے پڑ گئے کہ مزا تو جب ہے کہ ہم بھی اس خوشبو کو سونگھیں۔ تمہارے کہنے سے تو ہم نہیں مان سکتے۔ بچے نئے خیالات اور نئے زمانے کے لوگ ہیں اور اس قسم کی ''انہونی'' باتوں پر کان نہیں دھرتے۔

بچوں کے اصرار پر ماں خاموش ہوئیں اور عجیب تر بات یہ ہے کہ خوشبو آنا بند ہو گئی۔ مہینے بھر تک یہی کیفیت رہی اور اس زمانے میں مسلسل 'ش' کی طبیعت خراب رہی۔ اسے یہ محسوس ہوتا رہا کہ اس نے کوئی عجیب اور انمول چیز کھو دی ہے۔ مہینے بھر کے بعد اس کی طبیعت سنبھل گئی اور پھر خوشبوؤں کے قافلے آنے شروع ہو گئے۔ پچھلے ہفتے کا واقعہ ہے۔ میں باہر گیا ہوا تھا 'ش' نماز عشا کے بعد ستانے لیٹ گئی تو یکایک لطیفہ قلب بیدار ہو گیا یعنی دل سے اللہ اللہ کی آوازیں آنے لگیں۔ 'ش' گھنٹہ بھر تک اسی کیفیت میں رہی۔ تمام گھر خوشبو سے مہک اٹھا۔ بچوں کو محسوس ہوا کہ کسی نے عطر کی شیشیاں گھر میں انڈیل دی ہیں۔ گھر کے سب لوگ انہی خوشبوؤں میں غرق تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ گھر میں عطر کی ایک شیشی بھی موجود نہ تھی۔ نہ آس پاس کوئی آباد مکان ہے۔ جہاں سے عطر ونکہت کی لپٹیں آ رہی ہوں۔ 'ش' اس وقت نیم خوابی کی حالت میں تھیں۔ بیداری

کے بعد اُنہوں نے بتایا کہ میں نے دیکھا روضہ نبویؐ میرے سامنے ہے اور روضہ مبارک سے گزر کر جو ہوا آتی ہے وہ خوشبوؤں سے لدی پھندی ہوتی ہے۔ 'ش' کا بیان ہے کہ اس نے روضہ مبارک کی جالیوں کو چومنے کی کوشش کی اور فضا میں چمکدار حرفوں میں کلمہ طیبہ کو درخشاں پایا۔ اس کے بعد خانہ کعبہ کا جلوہ نظر آیا۔ دیکھا کہ وہ بچوں سمیت بیت اللہ کا طواف کر رہی ہیں۔

بچے پہلے خوشبو کے وجود سے منکر تھے، اب قائل ہو گئے ہیں۔

نذیر احمد چوہدری اور ان کے بچے حیران ہیں کہ یہ ڈھیر سی خوشبوئیں کہاں سے آتی ہیں۔

ہوائے صبح نہ جانے کہاں سے آئی ہے
مچل رہی ہے فضا میں اک اجنبی خوشبو

نذیر صاحب کی اہلیہ کے نام کا پہلا حرف 'ش' (شمیم) ہے اور شمیم کے معنی خوشبو کے ہیں۔

شمیم گل! یہ سفر کس کو راس آیا ہے
یہ تو نشیمن گل سے چلی کہاں کے لئے ؟

ہاں تو یہ خوشبو کہاں سے آتی ہے؟ آیئے اس پر بھی غور کرتے چلیں ہم جتنے معمولی یا غیر معمولی تجربات سے دوچار ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک واقعہ اور تجربہ وہ جو باہر پیش آتا ہے۔ دوسرا واقعہ وہ جو ہمارے اندر پیش آتا ہے۔ مثلاً میں گلاب کا پھول سونگھتا ہوں۔ اس کی خوشبو ناک کے ذریعے دماغ تک پہنچتی ہے اور حس شامہ (سونگھنے والی حس) اسے محسوس کر لیتی ہے۔ دماغ مہک اُٹھتا ہے۔ دوسری خوشبو وہ ہے جو دماغ کسی بیرونی وسیلے کے بغیر سونگ لیتا ہے۔ اس اندرونی خوشبو کے لئے کسی گلاب کے پھول یا عطر کی شیشی کی ضرورت نہیں ہے۔

مشام جاں معطر، جس کی بوئے پیرہن سے ہے
نہیں معلوم اس یوسف کو نسبت کس وطن سے ہے

روایت ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے ہوا سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ لی تھی۔ ایک خوشبو وہ ہے جس کے سرچشمے یا مرکز کا پتہ ہوتا ہے۔ دوسری خوشبو وہ ہے جس کی اصلیت نہیں کھلتی کہ کدھر سے آئی اور کہاں چلی گئی۔

دل سے یا گلستاں سے آتی ہے
ان کی خوشبو کہاں سے آتی ہے

انسانوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ جو حواس خمسہ کے معروضی (بیرونی) تجربوں کو بڑی وضاحت اور شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو بیرونی تجربوں سے زیادہ نفس کے اندر رونما ہونے والے واقعات سے دلچسپی رکھتے اور انہی میں غرق رہتے ہیں۔ انہیں گلاب کی خوشبو سونگھ کر اتنی خوشبو محسوس نہ ہوتی ہوگی۔ جتنی خوشبو کسی محبوب کی یاد سے محسوس ہوگی۔ اس قسم کے لوگوں کو نفسیات کی اصطلاح میں واسطہ یا Medum اور معمول حساس یا Sensitvi کہتے ہیں۔ نفسیاتی معمول مزاج کے اعتبار سے معروضی Objective سے زیادہ موضوعی ہوتا ہے۔ یعنی اُسے باہر کے مقابلے میں اندر سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ کسی شخص کے موضوعی یا معروضی ہونے کا انحصار دماغ کی ساخت پر ہے۔

اُف آدمی کا دماغ کیسا عجوبہ اور کتنا بڑا عجوبہ ہے۔

حرم میں معرفت کردگار پر تھی نزاع
صدا یہ دیر سے آئی کہ آدمی کیا ہے ؟

ایک امریکی سائنسدان نے انسانی دماغ کی تعریف اور تشریح ان لفظوں میں کی ہے کہ دماغ اٹھائیس جوڑوں کا ایک ایسا آلہ ہے جو اپنا توازن خود برقرار رکھتا ہے۔ ایک ایسا الیکٹرو کیمیکل پلانٹ ہے جو 62 ہزار میل لمبے رگ پٹھوں میں توانائی کی مقداریں پمپ کرتا ہے۔ دماغ کے کروڑوں وارننگ سگنل اور مواصلات کے ذریعے ہیں۔ دماغ ایک ایسے ٹیلی فونی نظام کی حیثیت رکھتا ہے جو ستر سال انسانی اوسط عمر تک کسی اوور ہالنگ کے بغیر کام کر سکتا ہے۔ یہ دوربین کا کام بھی کرتا ہے اور خوردبین کا بھی۔ اس کا کام ریکارڈ کرنا بھی ہے۔ رجسٹر کرنا بھی ہے۔ صرف یہی نہیں' دماغ اور بہت کچھ ہے۔ یہ مرکز حکومت ہے' پارلیمنٹ ہے' یہ عدالت عالیہ ہے' تجارت گاہ ہے' پولیس کا تھانہ ہے' ٹیلی فون ایکسچینج ہے، عبادت خانہ ہے، فنون لطیفہ کی نمائش گاہ ہے، آرٹ گیلری ہے، کتب خانہ ہے، تھیٹر ہے، رصد گاہ ہے، سنٹرل فائلنگ سسٹم ہے، کمپیوٹر ہے، یہ تو ہوا

امریکی سائنسدان کا بیان۔
میں عرض کرتا ہوں کہ انسانی دماغ کیا کیا ہے؟ یہ فلسفی ہے، مفکر ہے، نجومی ہے، مہندس ہے، مورخ ہے، شاعر ہے، ادیب ہے، سائنسدان ہے، صنعت کار ہے، تاجر ہے، سیاستدان ہے، مریض ہے، معالج ہے، حاکم ہے، محکوم ہے، ملا ہے، ولی ہے، منکر ہے، پیر ہے، پیغمبر ہے، کافر ہے ملحد ہے، خدا پرست ہے، خود پرست ہے، عقلیت پسند ہے، اوہام پرست ہے، صانع ہے، موجد ہے، احمق ہے، فلسفی ہے، شیطان ہے، فرشتہ ہے، اہرمن ہے، یزداں ہے، انا الحق ہے، حق ہے، غرض کہاں تک انسانی دماغ کے امکانات کے بارے میں گفتگو کروں۔ یوں سمجھئے کہ جو کچھ ہے' دماغ

مرے شعور کا عرفاں کے نصیب کہ میں
سروش روح ازل ہوں' سما سے آیا ہوں

نذیر احمد چوہدری کی رفیقہ حیات (ش) کا دماغ شعور کی جس سطح پر کام کر رہا ہے وہ خالص روحانی یا روحی سطح ہے اور یقیناً اس سطح پر پہنچ کر انسان خوشبوئے روح سونگھنے لگتا ہے۔

مرے دامن کی خوشبو اس کی بوئے پیرہن سے ہے

وعلیکم السلام

نثار احمد (نواب شاسہ) کا بیان ہے کہ
میرے والد سندھ یونیورسٹی، جام شورو ریلوے اسٹیشن پر تعینات تھے بچپن سے مجھے یہ تعلیم دی گئی تھی کہ کسی قبرستان سے گزرو تو السلام علیکم کہا کرو۔ میں لیاقت میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا۔ میرے راستے میں پہاڑی پر قبر تھی۔ ایک روز یہ طے کیا کہ اس قبر کو سلام کیا کروں گا۔ ادھر سے گزر تو دیکھا کہ قبر پر چند لوگ فاتحہ پڑھ رہے ہیں۔ خیر میں سرسری طور پر گزر گیا۔ واپسی پر قبر کی طرف سے جو گزرا تو قریب جا کر آہستگی کے ساتھ میں نے صاحب قبر سے کہا کہ السلام علیکم قبر سے مدھم لہجے میں آواز آئی وعلیکم السلام یہ سنتے ہی میرے تو ہوش اُڑ گئے۔ دل دھڑ کنے لگا۔ پسینے پسینے ہو گیا

اور کتابیں چھوڑ کر بھاگا کیا مردے بولتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بولتے تو ہیں مگر اُن کی آواز ہر شخص نہیں سن سکتا نہ ان کی خوشبو سے ہر دماغ مہک سکتا ہے۔ البتہ جن کے حواس لطیف اور شعور کا درجہ بلند ہے وہ عالم ارواح کو دیکھتے بھی ہیں چھوتے بھی ہیں اور سونگھتے بھی ہیں۔

ابھی ابھی آپ ش ح خ کے تجربے کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں۔ ش۔ ح۔ خ کا بیان ہے کہ اُن کی منسوبہ "پ" کی روح انہیں نظر آتی ہے، شاید ہم یہ تو باور کر سکتے ہیں کہ دو اور دو چار نہیں' پانچ ہوا کرتے ہیں لیکن عام سمجھ بوجھ کی رو سے یہ بات ناقابل تسلیم ہے کہ روح نظر آ سکتی ہے۔ تاہم ش۔ ح۔ خ اپنے بیان پر مصر ہیں۔

میرے دوست جمشید انصاری نے حاضرات ارواح کے ذریعے "پ" کی روح سے رابطہ قائم کیا تھا۔ "پ" مرحومہ نے اپنا اور ش۔ ح۔ خ کا صحیح نام بتلایا اور کوئی گفتگو نہیں کی۔ ش۔ ح۔ خ بقول خود پنی منسوبہ کی ملاقات سے وحشت زدہ ہیں کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ ہر وقت کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں۔ میں نے اپنے دوست سے سوال کیا تھا کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں؟ یہ کہ مرحومہ سے رابطہ برقرار رہے یا یہ غیر طبعی تعلق ختم ہو جائے۔ ش۔ ح۔ خ نے اپنے تجربے کی مزید تفصیلات بیان کی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

از احمد پور (بہاولپور) مورخہ 2 جنوری 1970ء

السلام علیکم! مزاج شریف نیا سال مبارک ہو۔ جناب کا ارسال کردہ خط ملا۔ میں باہر تھا ورنہ فوراً جواب دیتا۔ بے ادبی معاف! آپ نے چند سوالات کئے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ "پ" کس شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ سو عرض یہ ہے کہ "پ" انسانی شکل میں ظاہر ہوتی ہے ------ فرق یہ ہے کہ آنکھیں بے حد چمکدار ہوتی ہیں بال تھوڑے تھوڑے کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ لباس کبھی سفید ہوتا ہے کبھی خاکی۔ اور کبھی ڈھیلا ڈھالا ہوتا ہے۔ (میں نے اسے کفن پوش نہیں دیکھا۔ اس کو دیکھنے سے ڈر لگتا۔ البتہ جب وہ یکا یک غائب ہو جاتی ہے تو خوف کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ بے شک میری خواہش ہے کہ "پ" میرے پاس نہ آیا کرے' تاہم عجیب بات یہ ہے کہ جب دس پندرہ روز گزر جاتے ہیں اور "پ" ظاہر نہیں ہوتی تو جی حد درجہ اداس ہو جاتا

ہے۔اس کے دیدار کی تمنا شدید سے شدید تر ہونے لگتی ہے۔ جدائی کے زمانے میں بھوک پیاس ختم ہوجاتی ہے۔کام سے جی اُچاٹ ہوجاتا ہے۔

دوسرا سوال آپ نے یہ کیا تھا کہ مہینے میں "پ" سے کتنی بار ملاقات ہوجاتی ہے تو جناب! عرض یہ ہے کہ مہینے میں کبھی دو بار کبھی چار بار مرحومہ سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ پچھلی مرتبہ آخری ملاقات بدھ کے دن ہوئی تھی۔ یہ ایک مہینے میں تیسری ملاقات تھی۔ ملاقات کے بعد میری کیفیت عجیب ہوجاتی ہے۔رنگ سیاہ پڑ جاتا ہے۔آنکھیں اُبل پڑتی ہیں۔ پسینے میں نہاجاتا ہوں' پھر ایک آدھ روز کے بعد حالت درست ہونے لگتی ہے۔ یہ ہے میری زندگی پر مرحومہ کا اثر۔ ویسے میری صحت اب پہلے سے بہتر ہے۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ یہ چکریوں ہی چلنے دیا جائے یا ختم کردیا جائے۔ تو گزارش یہ ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو، مجھے اس پریشان کن صورت حال سے نجات دلا دیجئے۔ میں آج تک "پ" سے گفتگو نہیں کرسکا۔ نہ اس نے گفتگو کی ابتدا کی۔ "پ" کو دیکھ کر میری زبان گنگ ہوجاتی ہے۔ وہ صرف مسکراتی رہتی ہے میں اس سے سوال وجواب کرنا نہیں چاہتا۔ نجات پانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میری اس سلسلے میں کوئی مدد کرسکتے ہیں؟ رئیس صاحب! میں زندگی چاہتا ہوں پرسکون زندگی۔

ش ح خ صرف پرسکون زندگی چاہتے ہیں۔ یہ خواہش ہوتی بھی ہے اور قابل قدر بھی۔ انہوں نے دوسرے خط میں اپنے جو حالات لکھے ہیں۔ مثلاً "پ" سے ملاقات کے بعد رنگ سیاہ ہوجانا ۔آنکھیں اُبل پڑنا، پسینے پسینے ہوجانا۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکتوب نگار کے اعصاب مرحومہ سے ملاقات کے جھٹکے کو برداشت کرنے کی صلاحیت کھوتے چلے جارہے ہیں۔ یہ صورتحال تشویشناک ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ش ح خ کسی ڈاکٹر کے مشورے سے وٹامن ب استعمال کریں اور گلوکوز بھی (مگر ڈاکٹر کا مشورہ ضروری ہے) جب تک اعصاب مضبوط نہ ہوں گے۔ ممکن نہیں کہ ش۔ح۔خ اس خارق العادت، حیران کن اور ناقابل یقین تجربے سے لطف اندوز ہو سکیں۔

دنیا کچھ بھی کہے' قارئین کا تصور کچھ ہی کیوں نہ ہو، دیکھنا یہ ہے کہ جس شخص کا یہ بیان ہے' اس کا

حال کیا ہے؟ مرض اصلی ہو یا خیالی، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر مریض اصرار کررہا ہے کہ میں بیمار ہوں تو ہمیں اس کے قول کو تسلیم کرکے علاج شروع کردینا چاہئے۔ تسلیم کرلیجئے کہ ش ح خ کی آنکھوں کے سامنے برسوں پہلے کی وفات یافتہ 'پ' ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بحث ہی فضول ہے کہ وہ فریب حواس، فریب خیال اور فریب تصور میں مبتلا ہیں۔ میرے اور آپ کے جھٹلانے سے ش ح خ کی ذہنی حالت بہتر نہیں ہوسکتی۔ مقصد یہ ہے کہ یہ نوجوان اس ذہنی کرب سے نجات پاجائے۔ خیر میں نے ش ح خ کی تمام کیفیتوں پر غور کرنے کے بعد انہیں لکھا کہ

تم اس معاملے پر اس طرح غور کرو کہ تمہاری خالہ زاد بہن "پ" جو تم سے بچپن میں منسوب کردی گئی تھی تم پر بار بار اس لئے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ تم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ شاید کوئی پیغام ہے جو تم تک پہنچانے کے لئے وہ بے قرار ہے۔ ایک بات یاد رکھو تمہیں معلوم ہے اور ہم سب کا عام تجربہ یہ ہے کہ شب میں سوتے وقت ہماری جو ذہنی، دماغی اور نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے' سونے کے بعد اسی کیفیت کے خواب نظر آئیں گے۔ مطلب یہ کہ نیند سے قبل خیالات کی جو رو ہمارے ذہن میں چل رہی ہے۔ نیند طاری ہونے کے بعد خیال کی وہی رو خواب میں تبدیل ہوجائے گی۔ یعنی جاگتے کا خیال سوتے میں خواب بن جائے گا۔ ذہن اسی ڈگر پر چلتا رہے گا جس پر پہلے چل رہا تھا ۔ نیند اور موت 'جڑواں بہنیں ہیں۔ نیند کو چھوٹی موت کہتے ہیں اور موت کو بڑی نیند۔ مرتے وقت انسان کی جو ذہنی کیفیت' دماغی حالت اور نفسیاتی نوعیت ہوتی ہے مرنے کے بعد وہی باقی رہتی ہے ۔اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

چو میرد باوفا میرد چو خیزد باوفا خیزد

یعنی باوفا مرا ہے تو باوفا ہی جاگے گا اور بے وفائی کے عالم میں جان دی ہے تو خواب مرگ سے چونکنے کے بعد بے وفائی ہی اس کا شعار ہوگی۔ پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ دوسری دنیا ہے کیا؟ دوسری دنیا یا عالم مثال اس دنیا سے مختلف نہیں ہے۔ وہ بھی ایک طرح مادی ہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس کی ساخت زیادہ لطیف ہے۔ اس لطیف دنیا میں جب انسان پہنچتا ہے تو اس کی ذہنی' دماغی اور نفسیاتی کیفیت میں کوئی بنیادی تبدیلی واقع نہیں ہوجاتی۔ جسم کی موت انسان کو نہیں بدلتی۔ صرف جگہ بدل

دیتی ہے۔ یعنی وہ گوشت پوست کے بجائے زیادہ لطیف لباس اوڑھ لیتا ہے۔ البتہ رہتا وہی ہے جو تھا جیسا تھا۔ موت درحقیقت تبدیل لباس کو کہتے ہیں۔

دیکھ اے لباس تنگ وجود وبقا کہ ہم
تنگ برہنگی سے کفن پوش ہو گئے !

دوسری دنیا میں بھی آدمی وہی سوچتا ہے جو سوچتا رہا ہے۔ وہی کرتا ہے جو کرتا رہا ہے۔ الغرض قبر کے اس پار دنیا میں بسنے والی مخلوق میں اس کی ذہنی ساخت، خواہش، تمنائیں اور آرزوئیں قریب قریب وہی رہتی ہیں جو مرنے یعنی لباس بدلنے سے قبل اسے بے قرار رکھتی تھیں ۔"پ" کی ذہنی کیفیت یہ ہے کہ وہ اب تک اپنے کوش۔ح۔ کی منگیتر سمجھتی ہے اور چونکہ ان کی منگنی مرحومہ کی موت کے بعد ماموزاد بہن سے ہوگئی ہے۔ اس لئے مرحومہ کی بے قراری اور جذبات کے اضطراب میں شدت پیدا ہوگئی۔ اس کے بار بار ظاہر ہونے کا سبب بھی یہی ہے۔ جس طرح اکثر انسان اس دنیا میں غیر قدرتی زندگی بسر کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسری دنیا میں بھی "ایب نارمل" لوگوں کی کمی نہیں۔ "پ" عالم مثال کی ایب نارمل لڑکی ہے اور اس متوفی ایب نارمل لڑکی کا نفسیاتی علاج ضروری ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ

مردے کا نفسیاتی علاج

وفات پائی ہوئی نفسیاتی مریضہ کا علاج کس طرح ممکن ہے؟ عرض یہ ہے کہ مردوں کا بیمار نفس بھی اسی طرح علاج پذیر ہوتا ہے جس طرح زندوں کا۔ علاج کے معاملے میں زندہ اور مردہ یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ گوشت پوست کے جسم کی فنا یا بکھر جانے کے معنی یہ نہیں کہ نفس بھی بکھر گیا۔ "پ" کے معاملے پر اسی انداز سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مردہ انسانوں سے سوال وجواب کے سلسلے میں آٹومیٹک رائٹنگ یا خودکار تحریر کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ خودکار تحریر کا طریقہ ایک مرتبہ پھر عرض کردوں۔ گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھیے۔ آنکھیں بند کر کے ناک کے دونوں سوراخوں سے آہستہ آہستہ۔ آہستہ آہستہ۔ گہرے گہرے سانس اندر کھینچیے اور

اسی آہستگی کے ساتھ باہر نکالئے۔ اس طرح سانس لینے سے آپ کے اعصاب پر ایک خواب آمیز کیفیت طاری ہو جائے گی۔ یعنی بے خودی اور ڈوب جانے کی حالت۔ سانس کا عمل اگر خالی پیٹ کیا جائے تو اس کے فوائد میں دس گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ناک کے سوراخوں سے گہرے گہرے سانس لینے اور خارج کرنے کے بعد قلم کو داہنے ہاتھ میں پکڑ لیجئے۔ سادہ کاغذ سامنے ہو۔ یہ تصور کیجئے کہ داہنا ہاتھ بالکل بے جان ہے۔ اس میں قطعاً حس وحرکت اور قطعاً جنبش وگردش نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ تصور کیجئے کہ "پ" آپ کے قریب ہے عین ممکن ہے کہ اس تصور کے ساتھ ہی قلم از خود آپ کے قصد واختیار اور ارادے کے بغیر ہی کاغذ پر چلنے لگے۔ اور کوئی عبارت تحریر ہونے لگے۔

فرض کیجئے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ قلم کاغذ پر نہیں چلتا۔ ہاتھ جنبش میں نہیں آتا۔ اس صورت میں خود بے مقصد، سوچے سمجھے بغیر کاغذ پر قلم چلانے لگئے۔ بہت سے حضرات کا تجربہ ہے کہ بعض اوقات فری رائٹنگ کرتے ہوئے انہیں احساس ہوتا ہے کہ ان کا ہاتھ کسی نادیدہ طاقت کی گرفت میں ہے۔ اور ان کے قلم کو کوئی نادیدہ طاقت حرکت دے رہی ہے اور نہ جانے کیا لکھوا رہی ہے۔ ش ج خ خودکار تحریر کے ذریعے "پ" سے معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کی وصیت کیا ہے؟ وہ کیا لکھوانا چاہتی ہے۔ کیا پیغام دینا چاہتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ "پ" اپنے ارادے کی قوت سے آپ کے قلم کو حرکت میں لے آئے اور جو کچھ چاہتی ہے وہ آپ کے قلم سے لکھوا دے۔ فری رائٹنگ کا طریقہ نفسیاتی علاج کا معمول اور ایک آزمایا ہوا اصول ہے۔ خودکار تحریر کے ذریعے صرف زندوں کا نفسیاتی علاج ہی ممکن نہیں مردہ نفسیاتی مریضوں کی اصلاح بھی ممکن ہے۔ جس طرح سے خاکی جسم رکھنے والے لوگ ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس طرح خالص نفس والے لوگ یعنی نام نہاد مردے بھی طرح طرح کی جذباتی پیچیدگیوں سے دوچار ہو سکتے ہیں "پ" کی نفسیاتی پیچیدگی یہ ہے کہ اس نے اب تک موت کی تبدیلی کو قبول نہیں کیا۔ موت سے انسانی وجود میں صرف اتنی تبدیلی واقع ہوتی ہے کہ وہ جسم سے آزاد ہو کر نفس محض بن جاتا ہے۔

دو نظریے

انسانی وجود کے بارے میں دو نظریے ہیں۔ ایک مشینی یا مادی نظریہ دوسرا روحی یا روحانی نظریہ۔ پہلے نظریے کو Cebero-centric کہتے ہیں۔ دوسرے کو Psychocentric کہا جاتا ہے۔

پہلے نظریے کی رُو سے رُوح اس طرح جسم کی پیداوار ہے۔ جس طرح لعاب دہن دہن کی۔

دوسرے نظریے کے ماننے والے (سائیکو سنٹرک) انسان کو روحانی وجود قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں جسم کی اہمیت لباس سے زائد نہیں۔ جو رُوح نے بعض مقاصد کے لئے اوڑھ رکھا ہے۔

یہ دونوں نظریے انتہا پسندانہ ہیں۔ انسان نہ صرف روح ہے نہ محض جسم۔ وہ جسم بھی ہے روح بھی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز اور ایک دوسرے سے اثر اندوز ہوتے ہیں۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ روح کو جسم پر فوقیت حاصل ہے۔ جسم کو مکان (space) کی ضرورت ہے۔ روح مکان کی قید سے آزاد ہے۔ جسم رُوح کا قید خانہ نہیں، کیونکہ روح، کسی مکان میں قید نہیں ہو سکتی۔ ہاں بدن جان کا آلہ کار ہے۔ جب تک جسم کام کرنے کے قابل رہتا ہے روح اس سے کام لیتی رہتی ہے اور جب مادی قوانین کے تحت اس پر بڑھاپا اور فرسودگی طاری ہوتی ہے۔ تو روح گوشت پوست کے جسم کو اس طرح اتار پھینکتی ہے۔ جس طرح ہم پرانا لباس اُتار کر نیا لباس پہن لیتے ہیں۔

جسم خاکی کی فنا کے بعد روح کا نیا لباس وہ نورانی جسم ہوتا ہے جو خاکی جسم کو گھیرے ہوئے ہے۔ عالم مثال (موت کے بعد والی دنیا) میں روح اس نئے لباس یعنی نورانی جسم کے ساتھ سفر شروع کرتی ہے۔ کچھ عرصے بعد یہ لباس بھی بوسیدہ ہو جاتا ہے تو پہلے نورانی جسم کی طرح دوسرا لطیف ترین نورانی جسم ظہور میں آتا ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ برابر رہتا ہے، تاآنکہ روح چھن چھنا کر محض روح صرف روح رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد ہم پر کیا گزرتی ہے۔ کچھ نہیں معلوم۔

آنچہ اندر وہم نایدآں شوم

موت عالم مثال میں نئی پیدائش کا نام ہے۔ جب ہم یہاں ڈوبتے ہیں تو کہیں اور طلوع ہوتے

ہیں۔ مرنے کے بعد دوسری دنیا میں ہماری مثال نوزائیدہ بچے کی سی ہوتی ہے۔ نوزائیدہ بچے کی روح جتنی قوی ہوتی چلی جاتی ہے۔ بچے کے جسم میں اتنی ہی تبدیلیاں نمایاں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بچپن کے بعد لڑکپن کا دور آتا ہے۔ لڑکپن کا جسم بچپن سے زیادہ فعال اور چست ہوتا ہے۔ بچپن سے نوجوانی کی سحر پھوٹتی ہے اور جسم میں نئی تبدیلیاں ظہور میں آتی ہیں نوجوانی، جوانی اور جوانی بھرپور کی حدود میں قدم رکھتی ہے تو انسانی جسم کچھ اور ہو جاتا ہے پھر وہ درمیانی وقفہ آتا ہے۔ جسے ہم پختہ کار عمر کہتے ہیں۔ پھر ادھیڑ عمر، پھر مکمل ادھیڑ عمر، پھر بڑھاپا اور پھر موت۔ اس مادی عالم میں انسانی روح جسم کے توسط سے یہ تمام منزلیں طے کرتی ہے اور پھر عالم مثال میں بھی اسی طریق کار کو دہراتی ہے۔

محض سمجھنے کے لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دنیائے بعد از مرگ کے سات طبقے ہیں۔ روح یکے بعد دیگرے ان طبقات میں ترقی کرتی رہتی ہے اور ہر طبقے میں پہنچنے کے بعد اس کی لطافت میں اضافہ اور کثافت میں کمی ہو جاتی ہے۔ یہ ہے عالم برزخ یا عالم مثال کے بارے میں مابعد النفسیات والوں کا نظریہ ہمارے بزرگان تصوف بھی اپنے مشاہدات کی رو سے اس نظریے کی تصدیق کرتے ہیں۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ، امام غزالیؒ، حضرت داتا گنج بخش لاہوری (سید علی ہجویریؒ) حضرت شاہ ولی اللہ اور دوسرے آئمہ تصوف نے بھی حیات بعد الموت کے بارے میں یہی ارشاد فرمایا ہے۔

سواری اور سوار

امام غزالیؒ نے روح کے بارے میں فرمایا ہے کہ

وہ ایک جوہر ہے۔ اس کا تعلق بدن سے ہے۔ اس طرح کہ نہ وہ اس سے بندھی ہوئی ہے۔ نہ کٹی ہوئی ہے۔ نہ داخل ہے نہ خارج۔ سمجھنا، سوچنا، ارادہ کرنا، فیصلہ کرنا اور فیصلے پر عمل کرنا روح کا کام ہے۔ جسم تو روح کے ارادے کی تکمیل کا ذریعہ ہے اور بس۔ افلاطون اور دوسرے فلسفیوں نے

بدن کو سواری اور روح کو سوار قرار دیا ہے۔ بدن کے مرجانے سے روح کو بجائے خود کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ صرف یہ ہوتا ہے کہ روح کا ایک ہتھیار گم ہو جاتا ہے۔ بوعلی سینا اور مولانا روم کا بیان بھی یہی ہے۔ حیوانات میں روح کی ترقی کی آخری حد روح حیوانی ہے۔ بس اُن کی ترقی اور نشو ونما یہیں تک ہے۔ انسانی روح پر روح کل' یا روح کائنات یا حقیقت مطلق کا پرتو اس طرح پڑتا ہے جس طرح آئینے میں آفتاب کا عکس۔

جہاں تک "پ" کا تعلق ہے' تو کسی اندرونی کشمکش کی بنا پر وہ اب تک زمین سے چمٹی ہوئی ہے اور بار بار اپنے منگیتر پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کی روحوں کو "زمین بستہ روحیں" کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ روحیں جو مرنے کے بعد عالم مثال کے پہلے طبقے میں بھی داخل نہیں ہو پاتیں۔ اس کا سبب اُن کی ذہنی کثافت اور روحانی بوجھ ہے۔ مرنے کے بعد بہت سے لوگوں کے ذہنی رشتے دنیا سے برقرار رہتے ہیں اور وہ رشتے اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ بار بار انہیں عالم بالا سے کھینچ کر پستی میں لے آتے ہیں۔ یہ رشتے محبت کے بھی ہو سکتے ہیں' نفرت کے بھی' ہوس کے بھی' انتقام کے بھی 'البتہ بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسی زندگی میں عالم ارواح کی شہریت اختیار کر لیتے ہیں' یعنی ان کا جسم تو خاکی انسانوں کے درمیان رہتا ہے اور رُوح عالم مثال کی سیر کرتی رہتی ہے۔

عبدالعزیز ولد شمس الدین لکھتے ہیں کہ السلام علیکم کے بعد عرض یہ ہے کہ میں کئی سال سے آپ کی تحریر پڑھ رہا ہوں۔ سپاہی پیشہ ہوں۔ فوجی خدمت کو 24 سال گزر چکے ہیں۔ میری فوجی زندگی کس طرح گزری۔ اس کا اندازہ ہر وہ شخص لگا سکتا ہے جس نے کچھ وقت فوج میں گزارا ہو۔ دل بہت مضبوط ہے۔ خاندان بھر میں سخت دل اور سنگدل مشہور ہوں۔ کشمیر کے محاذ پر لڑا ہوں۔ ہزاروں لاشیں دیکھی ہیں۔ ستمبر 65ء کے جہاد میں چونڈے (سیالکوٹ) کے معرکے میں شریک تھا۔ بے شمار لاشوں سے گزرنا پڑا۔ لرزہ انگیز خون ریزی سے مقابلہ پڑا۔ قوم سے راجپوت رانگڑ کلا نور کا رہنے والا ہوں۔ نجانے کتنے حیرت انگیز واقعات نظر سے گزر چکے ہیں لیکن جو واقعہ درج ذیل ہے نہ دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ اس واقعے کے سلسلے میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ میری مدد فرمائیں گے۔ طویل خط لکھنے کی معافی چاہتا ہوں۔ تعلیم ہندوستان میں انگریزی کی

تیسری جماعت تک پائی ہے۔ لکھنے کے سلیقے سے واقف نہیں۔ بس سچے سچے حالات جیسے دیکھے لکھ دیئے ہیں۔

عبدالشکور مرحوم

میرے تین بھائی ہیں۔ میں سب سے بڑا ہوں۔ مجھ سے چھوٹا عبدالرشید، اس سے چھوٹا عبدالشکور اور سب سے چھوٹا عبدالظہور ہے۔ یہ واقعہ عبدالشکور سے متعلق ہے جو اب مرحوم ہو چکا ہے۔ قصہ تو لمبا ہے۔ خاص خاص باتیں عرض ہیں۔

آج سے ٹھیک پانچ سال پہلے عبدالشکور مرحوم کی عمر تقریباً بارہ سال کی تھی۔ وہ درزی کا کام سیکھنے کے لئے صدر جایا کرتا تھا۔ ہم لوگ خداداد کالونی میں رہتے تھے۔ ایک سال تک عبدالشکور مرحوم باقاعدگی سے کام پر جاتا رہا۔ پھر اچانک اس میں کچھ تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہوئیں۔ وہ عقب جیکب لائن سے تانگے میں بیٹھتا اور صدر میں اُتر جاتا۔ ایک سال بعد یہ ہونے لگا کہ عبدالشکور اس موڑ پر جہاں گیراج کی دیوار کے قریب جٹ لینڈ لائن سے آنے والی سڑک عقب جیکب لائن کے راستے سے ملتی ہے۔ تانگہ روک کر اُترتا اور سوسائٹی کے قبرستان میں چلا جاتا اور دن وہیں گزار دیتا۔ ہمیں جب اس کا علم ہوا تو ہم نے سختی کی۔ ڈانٹ ڈپٹ کرنے پر عبدالشکور نے بتایا کہ جب میں موڑ پر پہنچتا ہوں تو کوئی غیبی قوت مجھ سے کہتی ہے کہ تانگے سے اُتر جا اور سوسائٹی (P.E.C.H.S) کے قبرستان چل!

عبدالشکور کبھی کبھی کہتا کہ میرے ساتھ ایک رُوح ہے۔ مگر ہمیں کچھ نظر نہ آتا۔ بچپن کا وہم سمجھ کر اس کی بات کو نظر انداز کر دیتے۔ حضرت رئیس! میں تو ہمات کا قائل نہیں۔ میری ساری عمر جنگلوں اور پہاڑوں میں گزری ہے۔ آج کل چھٹی پر ہوں۔ غرض اسی طرح تین سال گزر گئے اور عبدالشکور مرحوم کی حالت میں اور تبدیلیاں ہوئیں۔ اب وہ اچانک بہکی بہکی باتیں شروع کر دیتا۔ حضرت علیؓ کا حلیہ بتانے لگتا۔ کبھی کہتا کہ آج میں شیر خدا کے حضور گیا تھا۔ کبھی کہتا کہ تم حسینؓ کے رُتبے کو کیا جانو۔ اسے ہم جانتے ہیں۔ والد صاحب حافظ قرآن ہیں۔ ان کو تلاوت کرتے میں

ٹوک دیتا کہ یہ لفظ ایسے نہیں ویسے ہیں (جب کہ مرحوم بالکل ان پڑھ تھا) پھر یہ بات شروع ہوئی کہ وہ رات بھر غائب رہنے لگا۔ چھوٹا بھائی عبدالشکور پیچھا کرتا تو وہ سوسائٹی کے قبرستان کے کونے پر اچانک غائب ہو جاتا۔ پھر ہزار کوشش کے بعد نظر نہ آتا۔ ایک رات ایسا ہوا کہ پولیس نے اسے قبرستان میں پکڑا اور تھانے میں لے جا کر بند کر دیا۔ صبح کو میں نے جا کر چھڑایا۔ والد صاحب نے کئی بار اسے کمرے میں بند کر کے تالے لگا دیئے۔ صبح دیکھا تو تالے کھلے پڑے ہیں اور عبدالشکور غائب ہیں۔ وہ دور دراز مزاروں پر جاتا۔ ہر روز نہا کر عطر و خوشبو لگاتا۔ پھولوں کو ہر وقت ہاتھ میں رکھتا۔ قوالیوں میں جاتا مجالس محرم میں شرکت کرتا۔ میلادوں میں بڑے شوق سے حصہ لیتا۔ عبدالشکور میں کم سنی کے باوجود بڑی جرأت پیدا ہو گئی تھی۔ مولانا۔۔۔ کا وعظ ہو رہا تھا کہ عبدالشکور اٹھا، ایک لڑکے سے کچھ پرچے پر لکھوایا اور کاغذ وہ پرچہ واعظ کے پاس بھیج دیا۔ پرچے پر تحریر تھا۔

بتائیے! خدا نے مجھ عبدالشکور کو کس مقصد کے تحت پیدا کیا ہے؟

مولانا نے پرچہ پڑھ کر کہا کہ جس کا یہ سوال ہے وہ کھڑا ہو جائے یہ کھڑا ہو گیا۔ مولانا نے کہا کہ اللہ نے انسان کو عبادت اور انسانی حقوق کی ادائیگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس پر عبدالشکور نے کہا کہ مولانا صاحب! اگر میری جگہ کس علی محمد یا خان محمد کو پیدا کر دیتا تو کیا فرق پڑتا؟ وہ جب بھی کوئی پیشنگوئی کرتا حرف بحرف پوری ہوتی۔ مرحوم کی جیب ہمیشہ پیسوں سے بھری رہتی۔ لباس ہم سب سے علیحدہ پہنتا۔ کسی کے ہاتھ کی کوئی چیز نہ کھاتا۔ حتیٰ کہ گھر کا کھانا بھی چھوڑ دیا۔ کئی کئی روز اس کی نگرانی کی گئی اور یہی دیکھا گیا کہ وہ فاقے سے ہے۔ تاہم اس کا چہرہ ہشاش بشاش رہتا۔

اس زمانے میں ہمارے گھر کی یہ حالت تھی کہ روپیہ پیسہ برستا عجیب برکت کے دن تھے۔

6 جون 1969ء کو صبح دس بجے بستر پر لیٹ گیا کہ مجھے بخار ہے۔ ہاتھ لگا کر دیکھا تو بخار کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ پڑوسیوں کو بلا کر معافی مانگی کہ اب ہم چند روز کے مہمان ہیں۔ میں فوج سے دو مہینے کی چھٹیوں پر آیا ہوا تھا۔ میں نے عبدالشکور کی یہ حالت دیکھی تو کہا کہ یہ بہانے چھوڑ دو اور کوئی کام کرو۔ دو سال سے اس نے درزی کا کام چھوڑ دیا تھا۔ بیکار پھرتا تھا مگر آوارہ نہ تھا۔

12 جون کو ہم اسے جناح اسپتال لے جانے لگے تو کہنے لگے کہ بھائی جان! ہم تو کل جا رہے ہیں ہمارا جنازہ کل جمعہ میں پڑھوانا۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اسے کافی سخت سست کہا اس لئے کہ وہ بظاہر کسی طرح بیمار نظر نہ آتا تھا۔ اسپتال میں ڈاکٹروں نے اس کا معائنہ کیا تو بالکل ٹھیک ٹھاک پایا اور بالکل فٹ کا کارڈ دے دیا۔ ہم عبدالشکور کو واپس لے آئے اور شام کے چار بجے پچ پچ اس کی طبیعت خراب ہوگئی۔ لوگوں کے کہنے سے چند پیروں اور عالموں کو بلایا۔ ان میں حیدر آباد کالونی کے ۔۔۔ صاحب بھی شامل تھے لیکن یہ لوگ جونہی اس کے سامنے آئے ۔گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے کوشش کے باوجود نہ رکے۔ عبدالشکور کو بخار تھا نہ درد صرف آنکھوں میں عجیب اور مہیب چمک پیدا ہوگئی تھی۔

ہیبت ناک چمک

ایسی چمک میں نے زندگی بھر نہیں دیکھی۔ اس عالم میں کوئی مرد اور عورت عبدالشکور کو دیکھ کر آنکھ نہیں ملا سکتا تھا۔ اس چمک کو دیکھ کر دل میں خوف کی لہر اٹھتی اور یہ لہر ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ جاتی۔ میں اپنے فوجی رسالے میں ضرورت سے زیادہ نڈر سمجھا جاتا ہوں لیکن یقین کیجئے کہ میں اپنے چھوٹے بھائی عبدالشکور کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکتا تھا۔

آج بھی حالت یہ ہے کہ اس چمک کا تصور کرتے ہی مارے خوف کے رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے۔ خیر عرض کرنا یہ ہے کہ شام کو سات بجے اس نے بچوں میں پیسے تقسیم کئے اور 13 جون بروز جمعہ صبح چار بجے اس کا انتقال ہو گیا۔ رئیس صاحب! میں اپنے پیارے بھائی کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ اس کا مرض ہماری سمجھ میں آیا نہ ڈاکٹروں کی۔ پیر و عامل تو اس کی شکل دیکھ کر ہی فرار ہو گئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اب لوگ اس کی قبر پر جا کر پھول چڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں جا کر جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ عبدالشکور کی موت کے بعد سے والد صاحب کو قرار نہیں۔ وہ اس راز کو جاننا چاہتے ہیں جن پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ رئیس صاحب! آپ بھائیوں والے اور اولاد والے ہیں میں نہایت لجاجت سے گزارش کرتا ہوں کہ جہاں تک آپ کے اختیار میں ہے اس سلسلے میں آ

پ ہماری رہنمائی کیجئے۔ جانتا ہوں کہ مرنے والا کبھی واپس نہیں آسکتا۔ جادوگر اور پیر وفقیر ہونے کا دعویٰ تو بہت سے لوگ کرتے ہیں مگر عبدالشکور کو کیا ہوگیا تھا یہ کوئی نہیں بتاتا۔

عبدالشکور کو کیا ہوگیا تھا؟ اس سوال کا جواب فن نفسیات والے نہیں دے سکتے۔ یہ معاملہ اس فن کی حدود سے باہر اور اس کے دائرہ عمل سے خارج ہے۔ نفسیات والے تو یہ کہیں گے کہ وہ مرحوم سائیکو سز یا نفسی اختلال میں مبتلا تھا اور جو کچھ دیکھتا، کہتا، سنتا اور کرتا۔ سب نسیاں اور خود فراموشی کے عالم میں یعنی اسے اپنی ہی خبر نہ تھی۔ رات کو نکلا تو قبرستان پہنچ گیا۔ اس کا یہ بیان کہ ہر وقت ایک نادیدہ ہستی میرے ساتھ رہتی ہے۔ محض وہم اور فریب خیال کی پیداوار ہے۔ اس واقعے کے نمایاں پہلو حسب ذیل ہیں۔ (1) عبدالشکور کا مقفل کمرے میں بند کیا جاتا۔ صبح دیکھنا تو تالے ٹوٹے پڑے ہیں اور وہ غائب ہے۔ (2) کئی روز تک کچھ کھائے پیے بغیر ہشاش بشاش رہنا۔ (3) سچی سچی اور کھری کھری پیشگوئیاں (4) بغیر کسی ظاہری بیماری کے یہ کہنا کہ میں چند روز کا مہمان ہوں (5) مرنے سے قبل آنکھوں میں ایسی غیر معمولی چمک پیدا ہو جانا۔ جس کو دیکھ کر پاک فوج کا ایک سپاہی جس نے میدان جنگ میں ہزاروں خون آلود لاشوں کو روندا ہے۔ لرز اٹھا تھا۔ اور اب تک اس کی چمک کے تصور سے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

بھیکو مجذوب

عبدالشکور مرحوم کا یہ واقعہ پڑھ کر مجھے تذکرہ غوثیہ کی ایک حکایت یاد آئی۔ حضرت غوث علی شاہؒ نے بھی ایک ایسے لڑکے کا ذکر کیا ہے جو بہت سی منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوا تھا۔ بچپن ہی میں اس پر جذب کا دورہ پڑا اور وہ جنگل کو نکل گیا۔ عبدالشکور اور بھیکو کے معاملے میں غیر معمولی مشابہت پائی جاتی ہے۔ مثلاً کھائے پیے بغیر ہشاش بشاش رہنا۔ آنکھوں میں ایسی غیر معمولی چمک کہ لوگ ہیبت زدہ ہو جائیں۔ تنہائی، سکوت، استغراق وغیرہ وغیرہ صاحب تذکرۂ غوثیہ کا بیان ہے کہ وہ مادر زاد ولی تھا۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ عبدالشکور مرحوم مادر زاد ولی تھا۔ یہ تو کوئی عارف کامل ہی بتا سکتا ہے کہ عبدالشکور مرحوم کی روحانی کیفیت کیا تھی۔ ولی را ولی می شناسد۔ البتہ

اس میں شبہ نہیں کہ وہ مجذوب تھا۔

جذب کے بے شمار درجے ہیں۔ بعض لوگوں پر سیاسی تقریروں کے ذریعے جذب کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ بعض نثر یا نظم کے کسی شہپارے کو پڑھ کر حالت جذب میں آجاتے ہیں۔ بعضوں کے لئے موسیقی وجد آور ثابت ہوتی ہے۔ بعض زیبا چہروں، حسین چیزوں اور دلکش مناظر قدرت کو دیکھ کر از خود اور وارفتہ ہو جاتے ہیں۔ غرض کوئی شخص ایسا نہیں کہ جذب سے محروم ہو۔ ہر شخص کسی نہ کسی وقت مجذوب ضرور بن جاتا ہے۔ جذب کے عالم میں ہوتا یہ ہے کہ شعور کی مسلسل رو بار بار درمیان میں سے ٹوٹتی رہتی اور آدمی گہرائی میں ڈوبتا رہتا ہے۔ پھر ہوش میں آ جاتا ہے۔ پھر یہی بے ہوشی کے عالم میں بعض حضرات کو ایسی نادیدہ دنیا کی جھلک نظر آتی ہے جس کا وہ شعوری عالم میں تصور بھی نہیں کرسکتے۔ یورپ وامریکہ کے ہپی L.S.D کے ذریعے یہ کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہمارے شعور کے مختلف درجے ہیں۔ پیاز کی طرح تہہ در تہہ اور پرت در پرت۔ شعور کی اوپری پرت وہ ہے جسے عام سمجھ بوجھ (کامن سینس) کی پرت کہا جاتا ہے۔ ہم روزمرہ کی زندگی اسی شعوری سطح پر بسر کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی بعض بیرونی حادثوں مثلاً بیماری یا اندرونی حادثوں مثلاً شدید ترین جذباتی دورے کے سبب شعور کی اوپری سطح (عام سمجھ بوجھ) ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے اور اندر کا پرت نمودار ہوتا ہے۔ اس وقت آدمی محسوس کرتا ہے کہ وہ نئی دنیا میں پہنچ گیا ہے۔ بچپن ہی سے عبدالشکور کے ذہن کی بالائی سطح کمزور تھی۔ یعنی وہ کامن سینس زندگی بسر کرنے کے قابل نہ تھا۔ میں مرحوم کو مادر زاد مجذوب سمجھتا ہوں۔ مجذوب ومجنوں میں فرق یہ ہے کہ مجنوں (تاوقتیکہ مکمل طور پر شفایاب نہ ہو جائے) شعوری زندگی بسر کرنے کے قابل رہتا ہی نہیں لیکن مجذوب لاشعوری اور شعوری زندگی بھی بسر کرتا ہے۔

جذب کی کیفیت کو سمجھنا بہت مشکل ہے بعض لوگ تو ہوش وحواس سے بالکل عاری ہو جاتے ہیں تاہم اپنی دنیا میں مستغرق رہتے ہیں۔ عبدالشکور کے ذہن کا ایک دریچہ عالم مثال (مادی دنیا کے بعد والی دنیا) کی طرف کھل گیا تھا۔ مثلاً اس کا یہ کہنا کہ میں آج شیر خدا کے حضور میں گیا

تھا۔اس کی دلیل ہے کہ اس کی دنیا عام دنیا سے بالکل مختلف تھی۔آنکھوں کی غیر معمولی چمک دمک اس کے روحانی جوش وخروش کی علامت تھی جو اس مرحوم کے نفس میں لہریں لے رہا تھا ۔عبدالشکور کی بیماری کسی کی سمجھ میں نہیں آئی نہ آسکتی تھی کیونکہ درحقیقت اس کا جسم بیمار تھا ہی نہیں 'ایک نادیدہ قوت یا روح تھی جو اس پر سایہ کیے ہوئے تھی۔یہی غیبی قوت اسے اپنے ساتھ لے گئی ۔سچی بات یہ ہے کہ اس کی زندگی بھی راز تھی اور موت بھی۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

عبدالشکور کی قسم کے لوگ حاضرات ارواح کے مستقل وسیط یا میڈیم ہوتے ہیں۔روحانی مجلسوں میں معمولوں پر ڈوب جانے کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ درحقیقت جذب ہی کا ایک درجہ ہے۔نصاب تعمیر وتنظیم شخصیت S.C.T کی تمام مشقیں اگر پابندی کے ساتھ کی جائیں تو ذہن پر جذب وخود رفتگی کی حالت طاری کر دیتی ہیں اور اسی حالت میں تمام غیر معمولی مشاہدات ہوتے ہیں۔نصاب تعمیر وتنظیم شخصیت کے ایک طالب علم محمد ایوب (بنوں) لکھتے کہ

آنکھ لگتے ہی مجھے اپنے جسم میں برقی رو (کرنٹ دوڑتے ہوئے محسوس ہوتی ہے۔اس برقی کرنٹ کے جھٹکے سے میں ہوشیار ہوجاتا ہوں لیکن جسم بالکل بے جان ہوتا ہے۔نہ کروٹ بدل سکتا ہوں نہ اُٹھ سکتا ہوں نہ ہل جل سکتا ہوں جیسے زندہ مگر بے جان لاش۔تاہم دیکھ سکتا ہوں سن سکتا ہوں،سونگھ سکتا ہوں البتہ بولنے کی طاقت سلب ہوجاتی ہے۔عالم نگر،مشرقی پاکستان سے جمشید صاحب نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی رات کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرا دماغ فلم کا پردہ ہے اور اس دماغی پردہ فلم سے طرح طرح کے مناظر گزر رہے ہیں۔رات کو کبھی اتفاق سے آنکھ کھل جاتی ہے تو وہ تمام باتیں جو دن میں سنی تھیں۔مجھے خود بخود سنائی دینے لگتی ہیں'میں کوشش کرتا ہوں کہ ان باتوں کو نہ سنوں مگر مجبوراً سننی پڑتی ہیں۔

کراچی سے انور صاحب (عمر 22 سال) رقمطراز ہیں کہ رات کو جیسے ہی سوتا ہوں'ایسا لگتا ہے کوئی مجھے جھنجھوڑ رہا ہے'رگ رگ میں بجلی دوڑ رہی ہے'کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دیوار سے ٹکرانے

جارہا ہوں وہ بھی بندوق کی گولی کی رفتار سے۔پھر مجھ پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے مطلب یہ کہ دماغ کی حسی حرکی اعصاب یا وہ دماغی حصہ جو حرکت کرنے والے پٹھوں کو کنٹرول کرتا ہے۔سن ہوجاتا ہے اور تادیر بے حسی اور بے حرکتی کی یہی کیفیت طاری رہتی ہے۔اس صورت میں یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ میں جسم کے بندھن سے آزاد ہوگیا ہوں۔گہری نیند کے علاوہ جب جاگتے ہوئے اعصابی سکتے کی یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو عجیب وغریب تماشے نظر آتے ہیں۔دیکھتا ہوں کہ چند آدمی مجھے بری طرح پیٹ رہے ہیں یا گہرے کنویں میں پھینک رہے ہیں۔اندھیرے میں کبھی کبھی تیز روشنیاں دکھائی دیتی ہیں یا کوئی سایا گھومتا ہوا نظر آتا ہے۔

غلام محمد (پشاور) کا بیان ہے کہ ہلکی سی نیند میں ہوتا ہوں تو کانوں میں زبردست گونج پیدا ہوتی ہے۔دل پر دباؤ پڑتا ہے،ہل جل تک نہیں سکتا (جیسے زندہ لاش) اس وقت مجھے ہوا میں اُڑنے کا احساس ہوتا ہے اور یہ بھی کہ بستر خواب سے نکل کر فرش اور دیواروں سے رگڑا جارہا ہوں حالانکہ جسم بستر پر دراز ہوتا ہے میں ڈر کے مارے فریاد کررہا ہوں مگر کوئی نہیں سنتا حالانکہ میں اس حالت میں دوسروں کی باتیں بخوبی سنتا ہوں۔غلام محمد (پشاور) کی عمر 24,25 سال ہے۔

صغیرہ بیگم (ڈھاکہ) ایک طویل خط کے آخر میں لکھتی ہیں کہ دوسری تکلیف مجھے یہ ہے کہ آنکھیں بند کرکے لیٹتی ہوں تو عجیب وغریب شکلیں نظر آتی ہیں۔کچھ انسانی چہرے کچھ حیوان نما چہرے۔کسی کی ناک موٹی ہے کسی کے بڑے بڑے خونخوار دانت ہیں کوئی ہنس رہا ہے کوئی دیدے مٹکا رہا ہے کسی کے نقطہ کان پھڑ پھڑا رہے ہیں کسی کی ناک ہل رہی ہے۔کوئی گردن کو جنبش دے رہا ہے۔غرض تحریر نہیں کرسکتی کہ کیسے عجیب وغریب لوگ آنکھیں بند کرنے کے بعد نظر آتے ہیں۔ ان میں چڑیل جیسی عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔جب گھبرا کر آنکھیں کھولتی ہوں۔تو سب کچھ غائب ہوجاتا ہے۔اس خاتون نے آنکھیں بند کرنے کے بعد بے شمار عجیب وغریب قسم کے چہرے،شکلیں اور صورتیں نظر آنے کا جو تجربہ بیان کیا ہے مسلسل دوسال تک یہ حالت میری بھی رہی ہے۔جونہی آنکھیں بند کرکے لیٹتا،طرح طرح کے چہرے نظر آنے لگتے۔ان میں اکثر بدشکل ہوتے تھے۔بیماری کے زمانے میں آنکھیں میچ لینے کے بعد،پستہ قد سیاہ بونوں اور

باشیتوں کی قطاریں دور دور تک دکھائی دیتی تھیں۔ آج کل بھی آنکھیں بند کرنے کے بعد، ایک حلیہ بدلتے ہوئے چہرے کی جھلک گاہ گاہ نظر آجاتی ہے۔

بابا مرحوم سید شفیق حسن ایلیا رحمتہ اللہ علیہ (مصنف حقیقت المسیح) نے بارہا مجھے اور میرے چھوٹے بھائی سید محمد تقی (مشہور فلسفی، دانشور اور صحافی) کو بتایا کہ مجھے خیالی شکلیں نظر آتی ہیں۔ کافی ڈراؤنی جیسے وہ مجھ پر حملہ کرنے والی ہیں سلیم صاحب لاہور سے لکھتے ہیں کہ شروع دسمبر 1965ء میں پندرہ روز تک مشق تنفس نور کرنے کے بعد جب میں بستر پر دراز ہوا تو آنکھیں بند کرنے کے بعد۔۔۔۔۔۔دفعتہً بند آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوندگئی۔ اس کے بعد جسم کو چند جھٹکے لگے (وہی برقی کرنٹ دوسرے دن پھر "شاک" کی کیفیت طاری ہوئی ایسا محسوس کہ ریڑھ کی ہڈی کے نچلے سرے سے کوئی چیز اوپر کی طرف چڑھ رہی ہے جیسے ہی وہ سر کے پیچھے پہنچی دماغ کے اندرونی حصے میں اس کے ٹکراؤ کا احساس ہوا ٹکراؤ کے احساس کے ساتھ ہی کانوں میں تیز سنسناہٹ گونجنے لگی۔

ایک خاتون نے لکھا ہے کہ سوتے میں کوئی چیز تیزی سے جسم سے نکل جاتی ہے اور میں زندہ لاش کی طرح بستر پر پڑی رہ جاتی ہوں جسم سخت ہو کر اکڑ جاتا ہے۔ بولنے کی کوشش کرتی ہوں، تو صرف ہونٹ ہل کر رہ جاتے ہیں۔ یہ حالت کچھ دیر طاری رہتی ہے۔ پھر وہی چیز جو سنسناتی ہوئی جسم سے نکل گئی تھی۔ دوبارہ جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور میں رفتہ رفتہ پھر جی اٹھتی ہوں۔ صابر حسین (حیدرآباد) رقمطراز ہیں کہ رات کو گیارہ بجے سونے کے لئے لیٹتا ہوں تو نیم غنودگی میں ریڑھ کی ہڈی کے اندر عجیب سی کیفیت رونما ہوتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کیفیت کو کس چیز سے تشبیہہ دوں۔ بس وہ عجیب سا سرور ہوتا ہے جو بہت بھلا لگتا ہے۔ یہ کیفیت مہینے میں تین چار بار رونما ہوتی ہے۔ الفاظ کہاں کہ اس لطف ولذت کی وضاحت کر سکوں۔

سیدہ فاطمہ (کراچی) کا بیان ہے کہ سوتے میں اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بالکل ہلکی ہو گئی ہوں اور آسمان پر اٹھ رہی ہوں۔ اس حالت میں جسم بالکل بے جان ہو جاتا ہے (جیسے زندہ لاش) مشق تنفس نور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نگاہ تصور کے سامنے تیز روشنی ہے پھر یہ کرنیں دل سے نکل

کر دماغ کے وسط میں چمکنے دمکنے لگتی ہیں۔ پھر سر کے پچھلے حصے سے گزر کر ریڑھ کی ہڈی میں پہنچتی ہیں اور ان شعاعوں سے ریڑھ کی ہڈی میں کمر، قلب اور اس کے آس پاس کا حصہ روشن اور منور ہو جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ پورے وجود کے اندر شمعیں جگمگا رہی ہیں۔ روشنی کے ساتھ ہی قلب وگردن کے پچھلے حصے میں شدید گرمی محسوس ہوتی ہے۔ پورا جسم پسینے میں نہا جاتا ہے۔ بعد ازاں توانائی کا احساس ہوتا ہے۔ دن میں کسی وقت بھی آنکھیں بند کروں۔ دل کے آس پاس نور ہی نور اور روشنی ہی روشنی نظر آتی ہے۔

یہ نصاب تعمیر وتنظیم شخصیت کے ان طلبہ وطالبات کے تاثرات اور بیانات ہیں، جنہیں مشق تنفس نور اور دوسری مشقوں کے ذریعے حاضرات ارواح کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ حاضرات ارواح کے بہترین معمول وہ ہوتے ہیں۔ جن کا تخیل تیز، ذہن شفاف اور حواس خمسہ چوکس ہوں۔

ان دیکھا ہاتھ

امریکی نژاد پادری جس میں اے پک نے فروری 1966ء کی کسی تاریخ کو اپنے کمرے میں عجیب وغریب تماشے دیکھے۔ دیکھا کر کتابیں یکا یک شیلف سے بلند ہوئیں اور ہوا میں معلق ہو گئیں۔ چیزیں اپنے آپ ادھر ادھر حرکت کرنے لگیں جیسے کوئی پراسرار ہاتھ انہیں حرکت دے رہا ہے۔ دیکھا کہ گھنٹہ کسی سبب کے بغیر 8 بجکر 19 منٹ پر رک گیا۔ یہی وقت تھا کہ دو ہفتے قبل اس کے بیٹے جیمس جونیر عرف جمی نے گولی مار کر خودکشی کر لی تھی۔ سیفٹی پنوں کا گچھا اچھلا اور خود بخود سیفٹی پنوں نے ہندسوں کی وہ ترتیب (پوزیشن) اختیار کر لی جو اس کے بیٹے جمی کے وقت وفات (8 بجکر 19 منٹ) کی طرف اشارہ کرتی تھی۔ یہ واقعات عجیب وغریب تھے۔ کتابوں، الماریوں اور میزوں کا خود بخود حرکت میں آنا، سیفٹی پنوں کا ہندسوں کی شکل اختیار کر لینا، گھنٹے کی سوئیوں کا آٹھ بجکر 19 منٹ پر آپ ہی آپ ٹھہر جانا، پادری جیمس اے پک کو یقین ہو گیا کہ ان مظاہر وواقعات کے پیچھے کوئی ان دیکھا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ کیا یہ جمی کی روح ہے جو اپنے باپ کو دوسری دنیا سے کوئی پیغام دینا چاہتی ہے؟

اس سلسلے میں پادری جیمس اے پک نے مشہور روحانی معمولوں کی خدمات حاصل کیں تاکہ اُن کے توسط سے جواں مرگ جمی کی روح سے گفتگو کر سکے۔ چند ہفتے بعد پادری جیمس نے اعلان کیا کہ اس نے فلاڈلفیا (امریکہ) کے مشہور وسیط (میڈیم) آرتھر اے فورڈ کے ذریعے، جو خود بھی پادری ہیں۔ چھ مرتبہ اپنے بیٹے جمی سے گفتگو کی۔ اس مجلس حاضرات کی کارروائی ٹورنٹو ٹیلی ویژن سے ٹیلی کاسٹ کی گئی اور کناڈا کے ہزاروں لاکھوں افراد نے ٹیلی ویژن اسکرین پر اس مجلس کی کارروائی کو دیکھا۔ میڈیم آرتھر اے فورڈ نے عالم بے خودی میں اعلان کیا کہ ابھی ابھی دوسری دنیا کے چند افراد روشنیوں سے برآمد ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو پادری جیمس اور اس کے بیٹے جمی کا عزیز بتاتے ہیں۔ میں ان لوگوں کو اپنی چشم باطن سے دیکھ رہا ہوں۔ لیجیے جمی کی روح بھی میرے سامنے حاضر ہوگئی۔ وہ اپنے باپ کو ایک پیغام دینا چاہتی ہے۔

اس موقع پر میڈیم آرتھر اے فورڈ کے بجائے خود جمی کی روح نے اپنے باپ کو مخاطب کر کے کہا (حالانکہ عام طور پر زندے اور مردے کے درمیان میڈیم کے ذریعے گفتگو ہوا کرتی ہے) کہ میں اس ملاقات سے پہلے ذہنی طور پر بہت پریشان تھا لیکن آپ سے مل کر بہت مطمئن ہوا ہوں اور یقین دلانا چاہتا ہوں کہ قبر کے اس پار جو دنیا ہے وہ آپ کی دنیا سے زیادہ سچی اور حقیقی ہے اور یہ کہ موت صرف ہمارے جسم کو چھوتی ہے۔ روح کو مس نہیں کرتی۔ روح ملک الموت کی رسائی سے باہر ہے۔ جسمانی موت کے معنی ہیں انتقال صرف انتقال۔ محض انتقال۔ یعنی اس مکان کو چھوڑ کر اس مکان میں چلے جانا۔

بہت سے لوگوں نے بہت سے لوگوں سے مطلب ہے' 90 فیصد افراد نے ٹورنٹو ٹیلی ویژن کی اس مجلس حاضرات کا مذاق اڑا دیا اور اسے ایک قسم کا نفسیاتی فراڈ یا تنویمی شعبدہ قرار دیا۔ جیمس اے پک اور میڈیم آرتھر اے فورڈ دونوں تضحیک کا نشانہ بنائے گئے۔ کہا گیا کہ یہ دونوں پادری خود بھی بے وقوف ہیں اور دوسروں کو بھی احمق بنانا چاہتے ہیں مگر اس تضحیک' تکذیب اور تمسخر کے باوجود جیمس اے پک کا بیان ہے کہ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ میں نے اپنے بیٹے جمی کی روح سے گفتگو کی ہے۔ دنیا کچھ بھی کہے' مجھے حاضرات ارواح پر یقین ہے۔ جمی نے بعض ایسے خاندانی معاملات پر

بات چیت کی' جن سے کوئی دوسرا واقف ہی نہیں ہوسکتا۔ یہ ہے ان رپورٹوں کا خلاصہ، جو نیوز ویک 19 اکتوبر اور ہفت روزہ ٹائم ایشیا ایڈیشن اور ٹورنٹو اسٹار (کناڈا) کی مختلف اشاعتوں میں چھپی ہیں۔

عقل کا کرب

بار بار عرض کر چکا ہوں کہ میں حاضرات ارواح کے فن سے خود واقف ہوں۔ میرے بہت سے دوست اس کا تجربہ رکھتے ہیں۔ میں نے پلانچٹ بورڈ، اوجھا بورڈ اور روحوں کو بلانے اور ان سے گفتگو کرنے کے دوسرے طریقوں کا مقصد کی نظر سے نہیں منکر کی نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں سیکڑوں افراد نے مجھے اپنے تجربات لکھ کر بھیجے تھے۔ جن میں سے چند خطوط میرے پاس محفوظ رہ گئے ہیں۔ اگر میں اس ذخیرہ خطوط کو ضائع نہ کر دیتا جو نفس انسانی کے مختلف مظاہر اور نفسیات و مابعد النفسیات کے رنگ برنگ پہلوؤں کے متعلق پچھلے چند سال میں موصول ہوئے تھے تو میرے خیال میں یہ مجموعہ خطوط، نفسی، ذہنی اور دماغی تجربوں' جذباتی الجھنوں اور روحانی وارداتوں کا ایک انمول اور نادر مجموعہ یادداشت بن جاتا۔ بہر حال گزشت آنچہ گزشت۔

نفسیاتی نقطہ نظر سے حاضرات ارواح کی کیا اہمیت ہے؟ کیا سچ مچ روحیں جواب دیتی ہیں؟ حروف کی طرف گلاس کیوں حرکت کرتا ہے اور ان حروف سے بامعنی الفاظ کس طرح بن جاتے ہیں؟ معمول دوسروں کے سوالوں کا جواب کس طرح دے دیتا ہے؟ ٹرانس یا بے خودی طاری ہونے کی وجہ کیا ہے یہ تمام سوالات بدستور معمے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ راقم الحروف نہ وہمی ہے نہ کسی خوش فہمی میں مبتلا۔ کوشش یہ رہتی ہے کہ ہر معاملے پر عقلی نقطہ نظر سے بحث کی جائے اور خود عقلی نقطہ نظر کو بھی عقل کی کسوٹی پر کسا جائے۔ جوش ملیح آبادی صاحب نے میرے مجموعہ نظم و غزل ''الف'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ

''اگر رئیس صرف اپنا ایک شعر مجھے دیدے تو
میں اپنا سارا مجموعہ کلام بخوشی بخش دے

پر تیار ہوں۔"

(آپ الفاظ کو حقیقت پر محمول نہ کریں، محض جوش صاحب کا شاعرانہ مبالغہ سمجھیں) جب جوش صاحب کا یہ مضمون شائع ہوا تو لوگ حیران رہ گئے۔ جوش صاحب مجھ سے شاعری میں کوئی بیس سال سینئر ہیں۔ ان کے یہ الفاظ اور اعتراف در حقیقت، ممدوح کی بزرگی، ذرہ نوازی اور ہمت افزائی کی دلیل ہیں اور بس۔ اچھا اب وہ شعر سن لیجیے جس نے مجھے یہ حق بخشا کہ شاعر انقلاب کی عمر بھر کی کمائی پر قابض ہو جاؤں۔ شعر عرض ہے۔

شاید اسے عشق بھی نہ سمجھے:
جس کرب میں عقل مبتلا ہے:

آج کی عقل اور آج کی سائنس واقعی جس کرب جس بے چینی اور جس اضطراب میں مبتلا ہے ۔سائنسدانوں پر بے یقینی کی جو کیفیت طاری ہے۔ ایٹم اور ایٹمی برق پاروں کے پیچھے جو پراسرار کائنات چھپی ہوئی ہے اس نے ہر باشعور شخص کو دنگ کر دیا ہے۔ انگلستان کا مشہور مفکر، سائنسدان ،عالم ریاضیات اور ایٹمی طبیعات کا ممتاز ترین دانشور سر آرتھر ایڈنگٹن کہتا ہے کہ میں ایک باشعور ہستی ہوں اور میرا شعور کائنات کی گتھی میں الجھ گیا ہے۔ ایک طرف تو میرا شعور اس دنیا کی کہانی کہہ رہا ہے جو میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور جس کی ساری چیزیں جانی پہچانی ہیں۔ یعنی رنگ، بو شکل، آواز اور جسم کی دنیا۔ آنکھوں سے نظر آنے' کانوں سے سنائی دینے اور ہاتھوں سے چھوئی جانے والی یہ دنیا ایک ایسی کائنات کے اندر واقع ہے جو لامحدود ہے۔ وقت کا ابدی اور دائمی دھارا ہے جو بہتا چلا جا رہا ہے مسلسل تبدیلیاں پیدا کر رہا ہے۔ میں اس دنیا کی کہانی کہہ رہا ہوں مگر اس دنیا پر مجھے اعتبار نہیں رہا۔ اکثر مواقع پر اس دنیائے محسوس کا جھوٹ کھل جاتا ہے۔ یہ بات بالکل صاحب ظاہر ہو گئی کہ چیزیں ویسی نہیں، جیسی نظر آتی ہیں۔

مختصر یہ کہ سر آرتھ ایڈنگٹن کی عقل کرب میں مبتلا ہے۔ اس کرب کو اور لوگ بھی محسوس کر رہے ہیں۔ شاید ان سطور کی تہہ میں بھی یہی کرب کارفرما ہے روحوں کو بلایا جاتا ہے۔

مشہور ادیب و شاعر، فضل احمد کریم فضلی نے (جن کی تیار کردہ فلمیں، چراغ جلتا رہا اور ایسا بھی

ہوتا ہے' پاکستان میں کسی حد تک مقبولیت حاصل کر چکی ہیں) مجھ سے بیان کیا کہ جب وہ آئی سی ایس کی ٹریننگ کے سلسلے میں لندن میں مقیم تھے۔ تو ایک بااثر اخبار نے حاضرات ارواح کے کسی میڈیم معمول کے بارے میں لکھ دیا کہ وہ فراڈ ہے اور مجالس روحانی کا سارا دھندا فریب پر مبنی ہے ۔میڈیم نے اخبار کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کر دیا۔ جو نوجوان ہندوستان سے آئی ۔سی ایس کی ٹریننگ کے لیے انگلستان جاتے تھے۔ ان کی قانونی ٹریننگ کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ وہ مقدمات کی رپورٹنگ کریں۔ چنانچہ فضلی صاحب اس دلچسپ مقدمے کی کارروائی قلم بند کرنے کیلئے رپورٹر کی حیثیت سے مامور کیے گئے۔ فرماتے تھے کہ حاضرات ارواح کے میڈیم یعنی مدعی اور حاضرات ارواح کا مذاق اڑانے والے مدعی علیہ یعنی اخبار کے درمیان یہ مقدمہ بے حد معرکتہ لآرا ثابت ہوا۔ دعوے کی تردید اور تائید ان میں دونوں طرف سے بڑے بڑے گواہ پیش کیے گئے ۔میڈیم کی طرف سے مشہور سائنسدان سر اولیو لاج بھی گواہ کی حیثیت سے آئے تھے انہوں نے میڈیم شپ کی تصدیق کی اور کہا کہ حاضرات ارواح کا معاملہ فریب پر مبنی نہیں اور یہ کہ روحوں سے بات چیت ممکن ہے۔ یہ مقدمہ حاضرات ارواح کے سلسلے میں ٹیسٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ججوں نے اپنے فیصلے میں یہ بھی لکھا تھا کہ ہمارے سامنے جو شہادتیں پیش کی گئی ہیں وہ نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں۔ روحوں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یا محرک وہ پراسرار واقعات ہوتے ہیں جو بغیر کسی ظاہری سبب کے کسی آباد یا اجاڑ مکان میں پیش آنے لگتے ہیں۔

محمد یونس لکھتے ہیں کہ

جی ہاں! میں فوق العادت مظاہر (سپر نارمل) کا قائل ہوں۔ اس زمانے میں ایک ذاتی تجربہ قابل ذکر ہے۔ کسی زمانے میں ہمارے گھر میں خود بخود کوئلوں کی بوچھار ہوتی تھی اور تلاش کوشش کے باوجود کوئی پھینکنے والا نظر نہ آتا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ کسی روح خبیثہ کی کارستانی ہے۔

ایک اور صاحب لکھتے ہیں کہ پچھلے دنوں میرے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ میں سیکنڈ ایئر کا طالب علم ہوں۔ رات تقریباً ساڑھے نو بجے گھر آیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے

کمرے میں سونے کی غرض سے داخل ہوا بجلی بجھا کر سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ یکا یک کمرے کے دروازے کی کنڈی کھلنے کی آواز آئی۔ محسوس ہوا کہ کوئی کاغذات کے بنڈل میری طرف پھینک رہا ہے۔ کاغذات گرنے کی صاف آواز سنائی دے رہی تھی۔ کمرے کے دروازے کی طرف گیا تو ایسا لگا کہ کاغذوں پر چل رہا ہوں۔ حیرت یہ کہ کنڈی لگی ہوئی تھی۔ فوراً بجلی جلائی ، دیکھا کہ میرا کمرہ مختلف قیمت کے نوٹوں سے بھرا ہوا ہے، جو بنڈلوں کی شکل میں فرش پر بکھرے پڑے ہیں۔ حیران ہوا اور اپنی والدہ اور بہنوں کو اس حیرت انگیز معاملے کی اطلاع دینے کے لئے بالائی منزل کی طرف جانے لگا بجلی جل رہی تھی اور لاکھوں کروڑوں روپے کے یہ کرنسی نوٹ فرش پر بکھرے دکھائی دے رہے تھے۔ کمرے سے نکل کر باہر سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے دوبارہ مڑ کر دیکھا تو کنڈی کھلنے کی آواز آئی اور چشم زدن میں تمام کرنسی نوٹ غائب ہو گئے۔ اس وقت رات کے سوا دس بجے کا عمل ہو گا۔ اس واقعے کو دیکھ کر مجھے نہ تو خوف محسوس ہوا نہ کوئی گھبراہٹ۔ کیا یہ کسی خبیث روح کی کارستانی تھی؟

حاضرات ارواح کی لغت میں ارواح خبیثہ اُن روحوں کو کہتے ہیں جو پستی سے ترقی نہیں کرتیں اور اپنی کثافت کے سبب زمین سے بندھ کر رہ جاتی ہیں۔ عام طور پر یہی روحیں روحانی مجالس کی کارروائیوں میں مداخلت کرتی ہیں۔ پست درجے کے معمولوں کا علی العموم ان ہی خبیث اور زمین بستہ روحوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ البتہ پاکیزہ دل و دماغ رکھنے والے وسیطوں (میڈیم) کا تعلق عالم بالا کی مقدس ارواح سے قائم ہو جاتا ہے۔

میری نگرانی میں جو لوگ حاضرات ارواح کی مشقیں کرتے ہیں۔ ان میں چند بڑے اچھے معمول ہیں اور ان کی روحی ترقی قابل رشک ہے۔ مثلاً خ۔ ر۔ اپنے تازہ خط مورخہ 26 اکتوبر میں لکھتی ہیں کہ وظیفے کے دوران حضرت بابا عبداللہ شاہ غازیؒ اور چند دوسری مقدس ہستیوں کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ رات مراقبے میں یہ تصور ہوا کہ حضرت بابا عبداللہ شاہ غازیؒ کے مزار پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھ رہی ہوں۔ یہ منظر اس قدر حقیقی ہوتا ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ بابا کے یہاں کی روحانی محفلیں اور ان میں شرکت سمجھ میں نہیں آتا، یہ کیا اسرار ہیں نا قابل یقین یا قابل یقین!

اینکہ من بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب؟

ابھی 22 اکتوبر ہی کی بات ہے میں تصوراتی طور پر بابا کے مزار پر حاضر تھی۔ دیکھا کہ ایک سفید پوش بے حد نورانی شکل و صورت کے بزرگ مزار کے سامنے تشریف فرما ہیں ان کے گرد کچھ دوسری بزرگ ہستیاں بھی ہیں میں ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔ ابھی بیٹھے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اُن سفید ریش بزرگ نے جن کا چہرہ بے حد نورانی تھا۔ چھوٹی قسم کا ایک ایک بتاشہ سب میں تقسیم کیا۔ ایک مجھے بھی عنایت فرمایا۔ میں نے احتراماً لے کر کھالیا۔ پھر وہ لوگ آپس میں مصروف گفتگو ہو گئے۔ کچھ دیر بعد مراقبے یا استغراق کی کیفیت ختم ہو گئی لیکن تعجب یہ ہے کہ استغراق ختم ہو جانے کے بعد جب میں ہوش میں آئی تو بتاشے کی ہلکی سی مٹھاس میرے منہ میں باقی تھی اور یہ لذت دیر تک باقی رہی۔

حیرت یہ ہے کہ حالت استغراق میں کھائے جانے والے بتاشے کا ذائقہ منہ میں کس طرح باقی رہا۔ اس کے علاوہ یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ جب میں بے خودی کی حالت میں بابا عبداللہ شاہ کے مزار پر حاضر ہوتی ہوں تو التجا کرتی ہوں کہ حضرت مجھے اپنا مرید بنالیں۔ ابھی چند روز ہوئے اس سوال کا یہ جواب محسوس ہوا کہ تمہارا سلسلہ پہلے ہی ہم سے قائم ہے۔ حاضرات کی مجلس عموماً جمعرات کو منعقد کرتی ہوں اور سیدؒ کی روح مبارک کو طلب کرتی ہوں۔ آپ کا سلام عرض کر دیتی ہوں۔ جواباً سیدؒ دعائیں تحریر کراتے ہیں (خ۔ ر۔ خودکار تحریر کے ذریعے ارواح سے سوال و جواب کرتی ہیں) یہ بھی تحریر کرایا کہ

رئیس سے کہنا آج کل وہ بہت ہوشیار اور چوکس رہے ہمیں افسوس ہے کہ تم نے ابتدا میں ایک غلطی کی خیر سب پر صرف اپنا ہی اختیار رکھنا۔

صرف یہی فقرے تحریر کرائے۔ ان کا مطلب آپ سمجھ سکتے ہیں

میرے دوست مشہور و ممتاز شاعر سراج الدین ظفر مرحوم نے

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اپنا تجربہ سنایا۔ فرمانے لگے کہ میں تنہا کمرے میں بیٹھا شمع بینی کی مشق کر رہا تھا کہ اچانک مجھ پر

ڈوب جانے کی کیفیت طاری ہوئی اور اچانک میں نے دیکھا کہ چھت سے اُلٹا لٹکا ہوا ہوں اور میرا جسم فرش پر شمع کے سامنے بیٹھا ہے۔ میں اس مشاہدے سے ڈر گیا۔ یہ کیفیت کم و بیش تیس سیکنڈ تک قائم رہی اور پھر میں اپنے جسم میں لوٹ آیا۔ منور عباس شہاب ایڈووکیٹ کراچی سے ایک مرتبہ انہی موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمانے لگے کہ ایک زمانے میں ان کی حساسیت (sen setiveness) اتنی بڑھ گئی تھی کہ چاند کی روشنی کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے کئی بار ایسا ہوا کہ چاندنی میں لیٹے ہیں کہ بستر سے ایک فٹ کے قریب اُٹھ گئے۔ محکمہ پولیس کے ایک اعلیٰ افسر میری زیر ہدایت سانس کی مشقیں کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر آپ سانس کی مشقوں (پرانایام) سے حقیقی فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں۔ تو گوشت ترک کر دیجئے۔ یہ بقرعید سے دو چار روز پہلے کا ذکر کہنے لگے کہ اتنی اجازت دیجئے کہ قربانی کا گوشت ڈٹ کر کھالوں۔ پھر نہیں چکھوں گا۔ ان صاحب نے بقرعید کے کوفتے کباب اڑا کر گوشت ترک کر دیا۔ کہتے تھے" جسم (مشق تنفس نور اور ترک حیوانات کے سبب) اتنا ہلکا ہو گیا ہے کہ دو مرتبہ غنودگی کے عالم میں ایسا ہوا کہ بستر سے بالشت بھر بلند ہو گیا۔

بلوچستان کا کھیل

حاضرات ارواح کے کمرے میں حیرت انگیز مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔ مثلاً میز کا خود بخود زمین سے بلند ہو جانا۔ بے جان اشیاء کا حرکت کرنا تختہ حروف پر گلاس کی حرکت ان مظاہر کو (poltergeist phenomena) کہتے ہیں۔

عبدالرحمٰن شہاب (فورٹ سنڈیمن) کا بیان ہے کہ

ہمارے علاقے میں طلباء ایک کھیل کھیلتے ہیں۔ یہ کھیل پانچ آدمیوں کے بغیر نہیں کھیلا جا سکتا۔ ایک آدمی کو سیدھا مردے کی طرح لٹا دیا جاتا ہے اس پر چادر ڈال دیتے ہیں۔ اس شخص کے دونوں پہلوؤں اور پنڈلیوں کے ساتھ ساتھ ایک ایک آدمی بیٹھ جاتا ہے اور اپنی دو دو انگلیاں اس کے بازوؤں اور پنڈلیوں سے متصل کر دیتے ہیں۔ دائیں پہلو کی طرف بیٹھا ہوا شخص بائیں جانب بیٹھے ہوئے آدمی سے کہتا ہے کہ

جنات کا بادشاہ فوت ہوا۔ اللہ اس کو بخشے۔ اس کا ساتھی جواب دیتا ہے کہ ہاں اللہ اس کو بخشے۔ الغرض سات مرتبہ یہ فقرہ آہستہ آہستہ ان کے درمیان دہرایا جاتا ہے۔ سات مرتبہ یہ فقرہ دہرا کر داہنے پہلو پر بیٹھا ہوا شخص سیٹی بجاتا ہے۔ آنکھوں کے اشارے سے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتا ہے کہ اس مردہ نما شخص کو اُٹھالیں۔ چنانچہ کوئی بوجھ ڈالے بغیر وہ زندہ مردہ (جسے معمول قرار دیا گیا ہے) اُٹھ جاتا ہے اور ہاتھوں کی بلندی تک اٹھتا اور فضا میں قائم ہو جاتا ہے۔ سب لوگ خاموش ہوتے ہیں۔ جب خاموشی توڑ دی جاتی ہے تو وہ معمولی زور سے زمین کی طرف آ جاتا ہے اور بے قابو ہو جاتا ہے۔ یہ معمول زمین سے اُٹھتے وقت اور نیچے آتے وقت بالکل ہوش وحواس میں ہوتا ہے۔

اس تحریر میں قطعاً مبالغہ نہیں۔ میں خود عامل بھی رہا ہوں اور معمول بھی بن چکا ہوں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ آٹھ انگلیوں (چار آدمیوں کی دو دو انگلیاں) سے ایک آدمی کو اتنی آسانی سے نہیں اُٹھایا جاسکتا۔ عوام میں مشہور ہے کہ معمول (مردہ نما شخص) کو جن اُٹھاتے ہیں۔

یہ عمل صرف انسانوں پر ہی نہیں بعض چیزوں مثلاً گلاس، گھڑا اور دوسری بے جان چیزوں پر بھی کیا جاتا ہے۔ جس طرح بلوچستان کے اس کھیل میں آٹھ انگلیوں کے معمولی سہارے سے زندہ آدمی کی لاش ہوا میں بلند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دو یا تین آدمی اگر ہلکے سے گلاس پر انگلیاں رکھ دیں تو اس کا متحرک ہو جانا یقینی ہے۔

اس موضوع پر حال ہی میں کافی تحقیقات کی گئی ہے اور یہی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ یہ انسانی ذہن کی طاقت ہے جو اشیاء پر اثر انداز ہو کر انہیں حرکت میں لے آتی ہے۔

محمد حیدر علوی (ڈھاکہ) رقمطراز ہیں کہ

میں آپ کی زیر نگرانی شمع بینی کی مشق کر رہا ہوں۔ دو تین روز ہوئے عجیب واقعہ پیش آیا۔ میری نظریں شمع کی لو پر گڑی ہوئی تھیں۔ اور میں گرد و پیش سے بے خبر تھا کہ اچانک ایک جھٹکے کے ساتھ شمع اپنے مقام سے ہوا میں بلند ہوئی اور زمین پر گر پڑی۔ جیسے کسی نادیدہ طاقت نے اُسے ہاتھوں سے اُٹھا کر اچھال دیا۔ میں ڈر گیا۔ شمع بینی ترک کر دی۔ ان واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ

اگر انسان کی توجہ یکسو ہو جائے تو ذہنی قوت کس تیزی سے عمل کرتی ہے اور کتنا حیرتناک عمل۔؟

بے شک انسانوں کی طرح مادی چیزوں پر بھی ذہنی قوت اثر انداز ہوتی ہے۔ مابعد النفسیات کی سائنس میں (اگر یہ کوئی سائنس ہے) اس پیرانارمل مظہر کو (Psychokinesis) P.k کہتے ہیں اور اس کی ریاضیاتی علامت k مقرر کی گئی ہے۔ دوسری علامت y ہے جس کا تعلق ٹیلی پیتھی مستقبل بینی اور اس قسم کے دوسرے مظاہر سے ہے۔ ہاں تو یہ توجہ کی قوت نہیں جو زندہ معمول یا کسی بے جان شے کو زمین سے اُٹھا کر ہوا میں بلند کر دیتی ہے بلکہ معمول کے ذہن کی قوت ہے جو انگلیوں سے خارج ہو کر جسم کو اُٹھا لیتی ہے۔

میں نے ہندوستان میں ایک یوگی کو دیکھا کہ اس نے پانی سے بھرے ہوئے گھڑے پر نظریں جمادیں اور وہ گھڑا کسی کے ہاتھ لگائے بغیر فضا میں بلند ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ نیچے اُتر آیا۔

ابن بطوطہ کا مشاہدہ

مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں ہندوستانی یوگیوں کے بعض حیرت انگیز چشم دید کرشموں کا ذکر کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ

ایک روز سلطان محمد تغلق نے مجھے اپنی مجلس میں طلب کیا اور کہا آج ہم تمہیں ہندوستانی جادو گروں کے بعض تماشے دکھائیں گے۔ یہ لوگ بن سلے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اُن کے شانوں پر لمبے لمبے بال لہرا رہے تھے۔ سلطان کے اشارے پر اُنہوں نے کھیل شروع کیا۔ ایک یوگی کی کھڑاویں خود بخود زمین سے اُٹھیں اور فضاء میں معلق ہو گئیں بڑے یوگی نے اپنے شاگرد کو اشارہ کیا۔ وہ بھی فضا میں آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا اور اتنا بلند ہوا کہ نظر سے اوجھل ہو گیا۔ (اس قصے کی تفصیلات سے گریز کرتا ہوں) ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اس منظر کو دیکھ کر میرے ہوش و حواس غائب ہو گئے اور جب مفرح شربت پلایا گیا تو اوسان بحال ہوئے۔

ابن بطوطہ کے عہد سے لے کر اب تک ایسے یوگی موجود ہیں جو اس قسم کے کرشمے شعبدے اور تماشے دکھلا سکتے ہیں۔ شاید آپ نے بھی ایک آدھ کرشمہ دیکھا ہو۔ میں تو متعدد باکمال یوگیوں

کے خارق العادات مظاہر کا تماشائی رہ چکا ہوں۔

ان موضوعات پر ڈاکٹر ربی جانسن ایم اے۔ آکسن۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ڈی۔ ایس۔ سی۔ لندن (ماسٹر آف کوئنز کالج، ملبورن یونیورسٹی) نے اپنی کتاب (The Imprisend Splendour) پابہ زنجیر عظمت میں خالص علمی اور سائنسی نقطہ نظر سے بحث کی ہے اور بتلایا ہے کہ اس قسم کے بظاہر ناممکن واقعات کیوں اور کس طرح پیش آتے ہیں؟

کتاب کا نام بھی بے حد خیال انگیز ہے۔ ''پابہ زنجیر عظمت'' یعنی انسان کی ذات ایک ایسی عظمت یا تجلی ہے جو آب و گل کے زندان میں مقید ہے۔ کاش یہ عظمت پابہ زنجیر اس زندان سے آزاد ہو سکتی۔

میں ہوں خود اپنی ہی خاکستر جاں میں مدفون
دفن ہو جیسے خرابے میں کوئی سرمایہ

حضرت جوش ملیح آبادی نے اپنا عجیب و غریب تجربہ نقل کیا۔ ایک زمانے میں جوش صاحب کو پلانچٹ (تختہ حاضری ارواح) کے ذریعے روحوں کو بلا کر ان سے تحریری سوال و جواب کرنے کا بے حد شوق تھا۔ انہوں نے اپنے تجربات ایک رجسٹر میں قلمبند کر لئے تھے۔ فرماتے تھے کہ اس رجسٹر کو غالباً راجہ صاحب محمود آباد مطالعہ کی غرض سے لے گئے تھے۔ پھر کوئی پتہ نہ چلا۔

ہاں تو جوش صاحب فرماتے تھے کہ حیدر آباد دکن میں نواب عزیز جنگ مرحوم کے مکان پر حاضرات ارواح کا جلسہ ہو رہا تھا اور میز کی حرکت کے ذریعے نامہ و پیام کا سلسلہ جاری تھا کہ جوش صاحب نے امتحاناً ایک عظیم الشان روح کا نام لیا کہ اسے بلا لیا جائے۔ یکا یک تڑاقا سا ہوا۔ میز ایک جھٹکے کے ساتھ زمین سے بلند ہوئی اور چھت سے جا ٹکرائی۔ میز کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ تمام حاضرین جلسہ خوف سے لرز گئے۔

بظاہر جوش صاحب روحانیت کے منکر واقع ہوئے ہیں۔ کہا کرتے ہیں کہ جسم کی موت کے بعد روح اس طرح فنا ہو جاتی ہے جس طرح بلب ٹوٹنے سے بجلی (حالانکہ بجلی کبھی فنا نہیں ہوتی، وہ بلب ٹوٹنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے) میں نے جب بھی اُن سے مجالس حاضرات ارواح کے

بارے میں سوال کیا۔ گول مول لفظوں میں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ بھائی یہ سب کھوپڑی کے کرشمے ہیں ۔اس کھوپڑی کے اندر سب کچھ ہے۔

(نجانے اس فقرے سے اُن کی کیا مراد ہے؟)

مشہور ادیب شاعر ابن انشا نے بیان فرمایا کہ

دوراتوں سے اُن کے دولت خانے پر سنگباری ہو رہی ہے اور پتھر پھینکنے والے ہاتھ نظر نہیں آتے ۔ میں نے ابن انشا صاحب کے اس تجربے کا ذکر اپنے مضمون (مطبوعہ جنگ مورخہ یکم جون 1970ء میں تفصیل کے ساتھ کیا تھا) میں نے ابن انشا صاحب سے سوال کیا کہ ان کے گھر میں کوئی کمسن بچی تو نہیں۔ فرمایا کہ آسیب زدگی ہو یا روحوں کے کرشمے ان دونوں مظاہر میں کوئی نہ کوئی لڑکا یا لڑکی ضرور ملوث ہوتا ہے۔ ممتاز مصنف اور مابعد النفسیات کے عالم ہیری پرائس نے اپنی پر از معلومات کتاب (POLTERGEIST OVERENGLAND) حاضرات ارواح اور آسیب زدگی کے بہت سے واقعات کا تجربہ اور علمی جانچ پڑتال کر کے اُن کی تصدیق کی ہے۔

پر اسرار آوازیں، کسی اجنبی کے پاؤں کی چاپ، دروازے پر انجان ہاتھوں کی دستک، دیواروں پر تھپ تھپ کی آواز، فرنیچر کے اٹھائے جانے یا زمین پر دے پٹکنے کا شور کسی برتن کا اوپر سے گر کر ٹوٹ جانا یا چیخ جانا، اس قسم کے مظاہر P.K گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان مظاہر کی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ بعض کمسن یا بالغ ہوتے ہوئے لڑکے لڑکیاں ان خارق العادات (پیرانارمل) کرشموں کے آلہ کار یا معمول بن جاتے ہیں۔ ہیری پرائس نے جو رپورٹ مرتب کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کے مظاہر میں 95 فیصد لڑکیاں اور پانچ فیصد لڑکے لاشعوری طور پر ملوث پائے گئے ہیں۔

تو کیا ان مظاہر کا کوئی تعلق جنسی قوت کے اُبال سے ہے؟ راقم الحروف نے بھی متعدد کیس دیکھے ہیں اور واقعی کسی نہ کسی لڑکی کو اس میں ملوث اور مبتلا ضرور پایا ہے۔ بلوغت کے زمانے میں (دس گیارہ سال کی عمر سے سولہ سترہ سال کی عمر تک) لڑکے اور لڑکیاں بے حد حساس ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ

زمانہ ہے کہ ذہن اور جسم میں نئی نئی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ اُن پر اکثر ہسٹریا کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔ ان ہسٹریا کے دوروں میں کبھی کوئی بھوت یا روح بھی نمودار ہو جاتی ہے مابعد النفسیات کے عالموں کا خیال یہ ہے کہ آسیب زدگی اور حاضرات ارواح کے کرشموں کا جنسی ہیجان سے گہرا تعلق ہے۔ آغاز بلوغ میں جسم کے بعض غدودوں کا عمل اتنا تیز ہو جاتا ہے اور اُن سے اتنی طاقت خارج ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ!

بہر حال عرض کرنا یہ ہے کہ ذہن اشیاء اور اشخاص پر اثر انداز ہوتا ہے۔ خواہ وہ زندہ انسانوں کا ذہن ہو یا اُن وفات یافتوں کا جو جسم کی قید سے آزاد ہو چکے ہیں۔

حاضرات ارواح اور آسیب زدگی کے تجربات و مشاہدات میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ ارواح، جنات، آسیب، فرشتے یہ سب نادیدہ دنیا کے باسی ہیں۔ کبھی کبھی یہ ہماری دنیا کے معاملات میں بھی مداخلت کرتے ہیں۔ آسیب زدگی کے موضوع پر انشاء اللہ بشرط حیات ایک مستقل تصنیف پیش کی جائے گی۔

جناب عبدالمجید ایڈووکیٹ (کراچی) رقمطراز ہیں کہ:

خارق العادات

میرے دوست خان بہادر عزیز احمد مرحوم (جن کی وفات کراچی میں ہوئی) ذکر و فکر کی زندگی بسر کرتے تھے۔ تیس سال تک میرے اُن کے دوستانہ تعلقات رہے۔ جس روز سے ملازم ہوئے ۔اس روز سے آخر دم تک اپنی تنخواہ کا تہائی حصہ خیرات کر دیا کرتے تھے۔ ہر ہفتے اُن کے پاس عالم بیداری میں دن دہاڑے دو چار روحیں آتیں۔ کوئی مردہ کہتا کہ میری قبر بناؤ کسی مردے کی فرمائش ہوتی کہ بھوکا ہوں' کھانا کھلاؤ صرف آواز آتی تھی۔ کسی کی شکل نظر نہ آتی تھی۔ جب روح سے پوچھا جاتا کہ

تمہارا نام کیا ہے؟ کیسے کھانا کھلائیں؟ کہاں مزار بنائیں؟

تو کوئی جواب نہ ملتا۔ بہر حال مرحوم خیرات کر کے ایصال ثواب کر دیا کرتے تھے۔ خان بہادر

مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ زمین سے بندھی ہوئی روحیں دنیا میں آتی ہیں اور اس قسم کی ضرورتیں محسوس کرتی رہتی ہیں۔ البتہ مرنے کے بعد جو لوگ بلند مدارج پر فائز ہو جاتے ہیں۔ اُن کی روحیں نیچے اُترنا پسند نہیں کرتیں۔ مرحوم فرماتے تھے کہ ایک روز عالم تنہائی میں کوئی روح آئی اور گرجدار آواز میں کہنے لگی۔

عزیز احمد! میں بہت بھوکا ہوں کھانا کھلاؤ اور میرا مزار بناؤ۔

پوچھا۔ حضرت آپ کون ہیں؟

جواب ملا کہ میں شہنشاہ بلبن کا سپہ سالار ہوں۔ میں بہت بھوکا ہوں' بہت بھوکا ہوں۔

سوال کیا گیا کہ آخر کس طرح کھانا کھلائیں اور کہاں مزار بنائیں؟

جواب نہیں ملا۔ خان بہادر صاحب کہتے تھے کہ میں نے مرحوم کا نام اپنی ڈائری میں لکھ لیا۔ شہنشاہ بلبن کے عہد کی تاریخ دیکھی تو واقعی سپہ سالار کا نام وہی تھا جو مردے کی آواز نے بتلایا تھا۔

حرف آخر

حاضرات ارواح کے بارے میں میرے پاس سیکڑوں خطوط کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ بہت سے حضرات نے اپنے ذاتی تجربات اور بہت سے دوستوں نے دوسروں کے مشاہدات و بیانات تحریر کر کے بھیجے ہیں۔ میں نے خود بھی پلانچٹ (تختہ حاضری ارواح) اور اوجا بورڈ کو استعمال کیا ہے۔ گلاس کو حرکت کرتے اور حروف کی نشاندہی کرتے دیکھا ہے۔ ان تمام مشاہدات و معلومات کے باوجود میں ارواح کے ظہور اور اُن سے مراسلت (سوال و جواب) کے موضوع پر کوئی حرف آخر کہنے یا قطعی فیصلہ کر دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

عالم غیب' بہر حال عالم غیب ہے۔ نادیدہ دنیا کے سلسلے میں ہماری معلومات بے حد ناکافی ہیں۔ ہمارے علم اور ادراک کا ذریعہ صرف حواس خمسہ ہیں اور حواس خمسہ کی بے بسی سب کے علم میں ہے۔ پھر یہ موضوع (ارواح کا مسئلہ) اتنا ڈرامائی ہے کہ ذرا سا اشارہ پاتے ہی تخیل و تصور کی تمام قوتیں حرکت میں آ جاتی ہیں۔ یہاں حقیقت بے شمار افسانوں کے دھند میں چھپی ہوئی ہے۔

میری نگرانی میں جو لوگ روحوں کے وسیط یعنی میڈیم کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ میں اُن کے 90 فیصد بیانات کو مسترد کر دیتا ہوں' اس لئے نہیں کہ وہ دانستہ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے مشاہدات کے بارے میں مجھے کوئی غلط رپورٹ دے سکیں۔

وہ اس کے نتائج اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی معمول خود کار تحریر کے ذریعے کسی نادیدہ ہستی (مثلاً کسی روح) سے ربط اور تعلق قائم کرتا ہے اور اس کا قلم خود بخود گردش میں آ کر چلنے لگتا ہے تو خود معمول یا وسیط کے لاشعور کا بہت سا اتفاقی مواد اس تحریر میں شامل ہو جاتا ہے جسے روح کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ حاضرات ارواح کے تحقیق کنندے کا کام یہ ہے کہ وہ روحوں کے وسیط (معمول) کی تحریروں کا بغور مطالعہ کر کے پہلے یہ طے کرے کہ اس تحریر کا کتنا حصہ وسیط کے لاشعور سے برآمد ہوا ہے اور کتنا حصہ روح کے بیان کردہ اشارے پر لکھا گیا ہے۔

میں اس کتاب کے قارئین سے درخواست کروں گا کہ وہ صرف مطالعہ کتاب پر اکتفا نہ کریں۔ خود حاضرات ارواح کا تجربہ کر کے دیکھیں۔ میں اس سلسلے میں ہر امکانی مدد کے لئے تیار ہوں۔

حاضرات ارواح کے عمل کے متعدد طریقے ہیں لیکن یہ عمل بھی نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T) کی دوسری مشقوں کی طرح کسی اُستاد کی نگرانی میں کرنا چاہئے کیونکہ ان تمام عملیات میں خطرے بھی چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان خطرات کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو نفس انسانی کی پیچیدگیوں اور نفسیات و مابعد النفسیات کے عملی اصولوں اور نظریات سے واقفیت رکھتے ہوں۔

حاضراتِ ارواح

حصہ دوئم

رئیس امروہوی

ویلکم بک پورٹ
اردو بازار کراچی، پاکستان

خارق العادت نفسی مظاہر

حاضرات ارواح کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے مشہور برطانوی مفکر وفلسفی پروفیسر سی ای ایم جوڈ اپنی خیال افروز کتاب ''افکار حاضرہ'' میں لکھتے ہیں کہ نفسی مظاہر کی سب سے اہم شق پیغامات کی وہ اہم قسم ہے جو بزعم خود مردوں کے پاس سے آتے ہیں۔

میں نے مُردوں کا لفظ واوین میں اس لئے لکھا ہے تا کہ مدعیانِ روحانیت (اسپریچول ازم) کے ان دعوؤں کو بھی تسلیم کرلیا جائے جن کی رو سے ان پیغامات کو ارسال کرنے پر جو کارندے مامور ہیں۔ (جو ارواح کہلاتے ہیں) وہ ذاتیں ہیں ان اشخاص کی! جو کسی زمانے میں روئے زمین پر معمولی مادّی اجسام کے :ندر آباد تھے۔یوں تو یہ پیغامات کئی مختلف طریقوں سے وصول ہوتے ہیں لیکن بالعموم اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک (Medium) جس پر استغراق کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ان پیغامات کو دہراتا چلا جاتا ہے۔اور جیسا کہ متواتر یہ بات جتلائی جاتی ہے۔اسکی آواز اوراس کا لب ولہجہ ہر دو صاف طور پر پہچان لئے جاتے ہیں۔کہ وہ کسی خاص مردے کی آواز اوراسی خاص مُردے کا لب ولہجہ ہے۔اس طرح جو پیغامات کہلوائے جاتے ہیں۔ان میں سے اکثر تو خاص ایسے شخص سے تخاطب ہوتا ہے جو کرۂ حاضرات میں بالعموم ہوتا ہے تا کہ یہ استنباط ممکن ہوجائے کہ وہ روح اس شخص کی موجودگی سے باخبر بھی ہے اوہ اس سے اپنا تعلق قائم رکھنے کیلئے واسطے (میڈیم) کی خارق العادت قوتوں سے مستفید ہو رہی ہے۔لیکن بعض اوقات وہ کارندہ جو فی الواقع واسطے پر حاوی بھی ہو۔اور اسکی وساطت کا کام کرنے میں مصروف بھی۔تو اسے اس شخص کی روح نہیں سمجھا جاتا جو ان پیغامات کا ارسال کنندہ ہے۔بلکہ روحوں کی ایک مخصوص صنف ہے۔جو بطور موکل (Control) کے ہوتی ہے۔موکل بظاہر چند خصوصیتوں اور صلاحیتوں سے متصف ہوتا ہے۔جس کی بدولت وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنے پیغامات ارسال کرنے کی خاطر واسطے (معمول یا میڈیم) کے جسم کو کام میں لائے ،اس طرح اَرواح کی حدتک تو موکل ایک قاصد یا ترجمان ہے۔اِس عالم (مادّی دنیا) اور عالم ارواح کے مابین! گویا اس نقطۂ

نگاہ کی رو سے ہر وہ پیغام جو ایک عالم سے دوسرے عالم تک ارسال ہو رہا ہو۔ اسے ٹیلی فونوں کے دو ایکسچینج میں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ اس جانب واسطہ ہوتا ہے۔ اس جانب موکل!

پروفیسر سی ای جوڈ کی وضاحت یہ ہے کہ عام مجالس حاضرات ارواح میں روحوں سے پیغامات وصول کرنے اور پیغامات دینے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ حاضرات کی مجلس کا مرکز ایک واسطہ یا معمول ہوتا ہے۔ اس شخص پر استغراق کی حالت طاری ہوتی ہے اور جونہی وہ اس میں آتا ہے۔ عالم ارواح کا ایک موکل۔ معمول کا کنٹرول سنبھالتا ہے اب آپ معمول سے جو سوالات کرتے ہیں۔ اس کا جواب مؤکل معمول کی زبان سے ادا کرتا ہے۔ یہی مؤکل طلب کردہ روحوں کے پیغامات معمول کے ذریعہ حاضرین تک پہنچاتا ہے۔ تو گویا روحوں سے بات چیت کرنے کے لئے دو ذاتوں کا وسیلہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ایک معمول جو استغراق کی حالت میں آپ کے سامنے بیٹھا ہے دوسرا مؤکل، جو معمول پر مسلط ہے اور پھر وہ روح جو موکل کی وساطت اور معمول کی زبان سے مصروف سوال و جواب ہے۔

موکلوں کی حیثیت

پروفیسر جوڈ لکھتے ہیں کہ:

ان موکلوں کی حیثیت اور نوعیت بھی بد قسمتی سے بہت مجہول سی ہے۔ سر آلیور لاج نے اس موضوع کی قدرے تفصیل سے چھان بین کی ہے۔ اور وہ انہی وضاحتوں کو پیش کرتے ہیں۔ جو خود موکلوں کی مہیا کردہ ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ موکل یا تو واسطے (معمول) کی بنی لاشعوری ذات (UN Conscious Self) ہے۔ یعنی روح کی ثانوی شخصیت جسے اس نے خاص اس غرض سے وجود ظلی بخشا ہو۔ (یعنی پروجیکٹ کیا ہو) تا کہ وہ ان سے جو ہنوز ارضی کیفیتوں اور مادی جسموں کے تابع ہیں اپنا ربط و تعلق قائم کرے یا روح کا ایک نقاب یا وجود شخصی جو روح کی بجائے اس لئے کارگزار ہوتا ہے کہ وہ خود کسی اور مشغلے میں منہمک ہوتی ہے۔ یا پھر ایک خود کار شخصیت، جیسی کہ توہمی نیندیا کالوس (Night Mare) میں از خود پیدا ہو جاتی ہے۔ یا پھر مؤکل

ایسی درمیانی مخلوق ہے۔ جو اس عالم کے اور دوسری دنیا کے مابین افسر رابطہ کی حیثیت سے برسر کار ہو۔ بہر حال زیرِ بحث موضوع کا یہی الجھاؤ ہے۔ جس کے پیش نظر ان ارواح کی شخصیتوں کے بارے میں (جن سے کرۂ حاضرات میں ملاقات ہوتی ہے) بعض مواقع پر اس طرح گفتگو ہوتی ہے۔ گویا کہ وہ روح کے ایسے عارضی مظاہر ہیں جنہیں ایک موکل ہی نے مصنوعی طور پر گھڑ لیا ہو۔ جو ارواح کی شخصیت اور واسطے (میڈیم) کے درمیان حائل رہتا ہے۔ موکل کی حیثیت کا معاملہ جس تاریکی سے گھرا ہوا ہے اسکی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ یہ تمام کا تمام موضوع اسی تیرگی سے پٹا پڑا ہے، البتہ آزمائش کے دو طریقے تو بداہتاً موجود ہیں۔ جن کے حوالے سے یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ روحانیت (روحوں کا حاضر ہونا) کے دعوے کا کوئی قرینہ ہے بھی یا نہیں؟ پہلے تو یہ کہ آیا ان پیغامات کے ذریعہ کوئی ایسی معلومات مہیا ہوتی ہے۔ جن کے متعلق یہ متصور نہیں ہو سکتا کہ ان پر کسی گزرے ہوئے شخص کے ماسوا کوئی اور شخص دسترس رکھتا ہو؟ ہمیں فوراً ہی یہ بات ماننی پڑے گی۔ کہ اس امر کا ثبوت بہم پہنچایا کہ آیا ایسی معلومات کی منتقلی عمل میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ انتہائی دشوار ہوگا۔ یعنی دشواری یہ ہوگی کہ ہر صورت میں متعلقہ اشخاص میں سے ہر ایک کی حد تک اس کا پورا یقین ہو جائے کہ وہ معلومات نہ تو شعوری طور پر اسکے قبضے میں تھیں یا اسکے قبضے میں آ سکتی تھیں؟ اور نہ اس کے لاشعور کی خلوتوں اور گہرائیوں میں اس کا امکان ہو سکتا تھا۔ گویا عمومی طور پر یوں کہنا چاہئے کہ زندہ شخص خواہ مرد ہو یا عورت! ان معلومات کی ترسیل کے لئے اپنے عین حیات ہی کوئی متعین انتظامات کرلے بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اپنی موت کے بعد بھی بقا کے مظاہرے کی خاطر اپنے جیتے جی کوئی ''رمزیہ علامت'' مقرر کرے تو صرف ایسی صورت ہی میں یہ کہا جا سکے گا کہ لوازمات ثبوت میں سے چند ایک کی تکمیل ہوئی ہے۔

شہادت کی کوتاہی

حاضرات ارواح کی نوعیت و حقیقت پر پروفیسر جوڈ کا مباحثہ جاری ہے۔ لکھتے ہیں کہ

چنانچہ کئی ایک صورتوں میں ایسا ہوا بھی ہے۔ مثلاً ایف ڈبلیو۔ ایچ اور ڈاکٹر اے ڈبلیو

ویرال (Verral) جو روحانیت پر یقین کلی رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں ان دونوں نے اس کا اہتمام کر لیا تھا۔ کیونکہ ان کے پس ماندہ احباب واعزا کا بیان ہے کہ وہ لوگ ان دونوں کے مر چکنے کے بعد بھی ان سے ہم کلام ہوتے رہے ہیں لیکن جہاں تک میں واقف ہوں ان پیغامات کے ذریعے جو مزعومہ "طور پر گزرے ہوئے" اشخاص کی طرف سے آتے ہیں۔ کسی وقت بھی مطلوبہ ثبوت فراہم نہیں ہوا یعنی یہ ثبوت کہ ان پیغامات کی مہیا کردہ معلومات ایسی ہوں۔ جن سے مسلسل طور پر صرف اس شخص کے باخبر اور واقف ہونے کا امکان ہو۔ جس نے اپنی وفات سے قبل ہی یہ انتظامات کر لئے ہوں۔ اور اگر چہ کئی ایک صورتوں میں اس نوعیت کا ثبوت کا ادعا کیا جا چکا ہے لیکن جب بھی کبھی ایسا ادعا کیا گیا نیز غیر جانبدار اشخاص نے جب اس شہادت میں جرح وتعدیل سے کام لیا۔ جس پر وہ ثبوت مبنی تھا تو ان کے نزدیک ایسا ثبوت کچھ اطمینان بخش قرار نہ پایا۔ یہ بات مجھے اس دوسرے سوال پر لا کھڑا کرتی ہے۔ جس کو اس وقت اٹھانا میرے خیال میں مناسب ہوگا۔ جب کہ بقائے روح کے دعوے کا قرینہ (Spirt Hypothisis) مدنظر ہو۔ یعنی ان پیغامات کی عام نوعیت کا سوال جو ارواح کے یہاں سے وصول ہوتے ہیں۔ اور جن کی غائت یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ ان حالات کو بیان کرتے ہیں جن میں ارواح کا وجود پایا جاتا ہے۔ ان پیغامات میں دو (۲) عام خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اولاً تو ان میں بے مغز، مہمل اور معمولی باتیں ہوتی ہے۔ ثانیاً وہ سب کے سب ایسے ہوتے ہیں۔ گویا واسطہ اور واسطے (میڈیم) کے ہم نشینوں کی عام تہذیب وثقافت نیز انہیں ان کے خیالات اور نقطہ ہائے نظر کے محرکات! دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ واسطے (میڈیم) اور اس کے ہم نشینوں کا سا معاشرتی اور ثقافتی پس منظر رکھنے والے اشخاص اگر اپنے تخیل سے کام لیں۔ تو سب پیغامات انہی کی پرواز تخیل سے عبارت ہوں گے۔ نیز یہ کہ وہ کسی ایسی شے سے مملونہ ہوں گے جسے ان متعلقہ اشخاص کے جو بقید حیات ہوں۔ اور وہ تخیل سے سوا یا الگ کہا جا سکے۔ عالم برزخ۔ (Summer Land) کے قصوں کا چرچا تو ایک حد تک بہت ہی عام اور معمولی بات ہے یعنی وہ عالم جہاں گزرے ہوئے لوگوں کی روحیں اپنا وقت گزارتی ہیں۔ لہٰذا اگر وہ اشخاص جنہیں ہم قدر ومنزلت کی

نگاہوں سے دیکھتے اور جن سے ہم وابستہ رہے ہیں۔ وہی ان ارواح کی صورت اور ہیولیٰ ہر دو کے ذمہ دار ہیں۔ تو پھر بڑے ہی تاسف کے ساتھ ہیں یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑے گا کہ وہ دوسری دنیا ایک ایسی جگہ ہے جس میں روح انسانی کم سے کم اپنی عقلی وصف کی حد تک تو حسرت ناک طریقہ پر ابتر سے ابتر ہوتی چلی جاتی ہے۔ پھر یہ نتیجہ بھی اخذ ہو سکے گا کہ بھوت (Ghost) اگر صاحب نفس یا ذی روح بھی ہوتے ہیں تب بھی ان میں دماغ تو بہر حال نہیں ہوتا۔ تاہم ان پیغامات کے گھٹیا ناقص اور پوچ ہونے پر بہت زیادہ زور نہ دینا چاہیے کیونکہ "مائرس" نے اپنی تصنیف میں ایک جگہ ایسی بات کہی ہے جو دل میں اتر جاتی ہے چنانچہ نفسی تحقیقات کے وہ منطقے جن کا اتا پتا کچھ بھی نہیں معلوم! موصوف ان کا کھوج لگانے والوں کا موازنہ کولمبس اور اس کے ہم سفر ملاحوں سے کرتے ہیں۔ جنہیں امریکہ سے اولین تعارف وہاں کے سمندری نباتات کے خوش نما مناظر۔ نیز بہتی ہوئی شہتیروں اور بحرۂ سرگاسو (Sargasso Sea) کے دوسرے خس وخاشاک کے ذریعہ حاصل ہوا تھا۔ مائرس کا کہنا ہے کہ اگر عالم غیب کے متعلق ہمارے اولین حقائق صریحاً حقیر و پوچ دکھائی دیں۔ تو کیا ہمیں اسکے سبب اپنی تلاش وجستجو سے باز آ جانا چاہیے۔ کیونکہ کولمبس کے لئے بھی یہی چارۂ کار تھا کہ وہ امریکہ کو افق ساحل سے آدھے راستے پر چھوڑ کر اپنے گھر چلا جاتا محض اس بناء پر کہ ایسے برّ اعظم کی دریافت عبث ہے۔ جو صرف بے جان شہتیروں کے ذریعہ اپنے وجود کا اعلان کر رہا ہو!

پروفیسر جوڈ نے حاضرات ارواح کے بعض پہلوؤں پر جو گفتگو کی ہے اس کو سمجھنا اور سلجھانا ضروری ہے آپ مکالمہ ارواح کا عام طریقہ معمول (میڈیم) اور موکل! موکل مطلوبہ روح سے آپ کا جواب حاصل کر کے اسے معمول کی زبان سے ادا کر دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ موکل کون ہے۔ پروفیسر جوڈ نے سوال کیا ہے کہ کیا یہ معمول کا لاشعوری حصہ ذات ہے جو حاضراتِ ارواح کی مجالس میں موکل کا روپ دھار لیتا ہے۔ درحقیقت اس سوال کا کوئی جواب فاضل مصنف نے نہیں دیا پھر یہ کہ بقائے روح کے اثبات کے لئے جو شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔ وہ ناکافی اور ایک حد تک نا اطمینان بخش ہیں پھر یہ بھی کہ معمول اور موکل کے ذریعہ سوالات کے جو جوابات ملتے

ہیں۔ وہ مضحکہ خیز اور حیرت انگیز حد تک طفلانہ ہوتے ہیں۔ لیکن کیا ان جوابات کی سطحیت کے سبب عالم ارواح کی تلاش و تحقیق کا سلسلہ بند کر دینا چاہیئے ایف ڈبلیو ایچ مائرس کہتا ہے کہ نہیں، کولمبس امریکہ کی دریافت کے لئے نکلا تھا ابتدا میں اسے پانی پر لکڑی کے شہتیر بہتے ہوئے دکھائی دیئے تو اسے یقین آیا کہ کوئی حصۂ زمین قریب ہی ہے۔ جہاں سے لکڑیاں بہہ بہہ کر سمندر میں آ رہی ہیں امریکہ کے وجود کا ثبوت بہت حقیر تھا یعنی صرف خس و خاشاک! لیکن وہ حقیقت بہت عظیم و انقلاب انگیز تھی جس کا اعلان بہتی ہوئی لکڑیوں اور خس و خاشاک کے ذریعہ کیا جا رہا تھا۔ نادیدہ دنیا کی مہم جستجو بھی امریکہ کی دریافت سے مشابہ ہے ابھی مجلس حاضرات میں بے معنی جوابوں اور سطحی باتوں سے ہمارا سابقہ پڑتا ہے۔ اس ناکامی سے اکتانا نہیں چاہیئے ممکن ہے کہ عنقریب پردہ اٹھ جائے۔ اور ہمیں اس عالم عظیم الشان کی جھلک نظر آ جائے۔ جس کا نظارہ ہم خوابوں میں کرتے ہیں۔ اس موضوع کے بعد پروفیسر سی ای ایم جوڈ نے کمرۂ حاضرات کے مظاہر پر بحث کی ہے یہ بحث بھی قابل مطالبہ اور حاصل مطالعہ ہے۔

حاضرات کے مظاہر

پہلی قسم کے مظاہر تو وہ ہیں جن سے کمرۂ حاضرات سے حاضرین مانوس ہی ہوں گے۔ ہوتا یہ ہے کہ ایک حلقہ سا بنا لیا جاتا ہے۔ اور (واسطے) معمول۔ جس کے ذریعہ رُوحوں سے رابطہ پیدا کیا جاتا ہے) کو درمیان میں لے کر ایک حلقہ بنا لیا جاتا ہے۔ اور معمول کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے جاتے ہیں۔ صرف ایک مدھم سرخ بتی رہتی ہے پھر ایک گراموفون بجا کر حاضرین سے درخواست کی جاتی ہے۔ کہ وہ گانا گائیں اور شور مچائیں۔ (خیال یہ ہے کہ روحوں کے مؤکلین کو شور و شغب پسند ہے) اس اثناء میں بہت سی چیزیں سرزد ہونے لگتی ہیں۔ جو کافی گھٹیا اور لچر قسم کی ہوتی ہیں۔ مثلاً کمرۂ حاضرات کا درجۂ حرارت گرنے لگتا ہے۔ ہاتھوں اور پیروں پر سرد ہوا کے جھونکے محسوس ہوتے ہیں کمرہ کے مختلف حصوں میں روشنی کی شعاعیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ کبھی کسی کی گود میں کبھی کسی کی شانوں پر اور کبھی کسی کی ناک کے نیچے، وہیں ایک پنجرہ ہوتا ہے جسے بڑی احتیاط سے

ہر طرف سے سیل بند کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ اور جس میں انواع و اقسام کی چھوٹی چھوٹی چیزیں رکھی رہتی ہیں۔ ان چیزوں پر فاسفورس لگا ہوتا ہے تا کہ وہ انہیں منور کر دے۔ اب یہ چیزیں ذرا کی ذرا میں حرکت کرتی دکھائی دیتی ہیں اسکے علاوہ کمرے کے پردے اڑ کر اندر کی طرف لٹک جاتے ہیں۔ طنبورہ اور گھنٹیاں سی بجنے لگتی ہیں۔ فرش پر میز خود بخود حرکت کرنے لگتی ہے۔ رڈی کی ٹوکریاں ہوا میں اڑنے لگتی ہیں۔ اس پر پورے عرصہ میں معمول کو جسے مضبوطی سے جکڑا ہوتا ہے۔ اور جس پر بظاہر گہری نیند طاری ہوتی ہے۔ سانس لینے میں بڑی دقت پیش آتی ہے کچھ دیر بعد مؤکل۔ جسے ان مظاہروں کی پیش کش کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے یا تو پہلے سے مقرر کردہ کسی سگنل کے ذریعہ اس امر کا اشارہ کر دیتا ہے۔ یا معمول کی زبان سے بول اٹھتا ہے۔ اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اس قسم کے واقعات کی ایک نہایت ہی مختصر اور لازماً ادھوری سی روئداد ہے۔ جس کے رونما ہونے کی توقع اس وقت کی جاتی ہے۔ جب کہ معمول بہت مستند اور اعتماد بخش ہو اور مناسب طور پر حاضرات کی کارروائی کی نگرانی اور پابندی کا انتظام بھی ہو۔ جیسا کہ روڈی آکینڈر اور اسٹیلا سی۔ لیکن بعض مرتبہ یہ کارروائی زیادہ سنسنی خیز توقعات کی بنا پر قدرے متنوع بھی ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر میں نے دیکھا کہ رومال خود بخود ہوا میں اڑ جاتا ہے۔ پھر اس کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ اور خود بخود اس میں گرہ پڑ جاتی ہے۔ لیکن تمام واقعات کم و بیش وہی نہج اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا اگر یہ کہا جائے کہ ان مظاہر کا باعث وہ چابک دستی یا بازی گری ہے۔ جس کو مدھم سی روشنی اور بات چیت نیز گراموفون کے شور و غل کی آڑ لے کر عمل میں لایا جاتا ہے۔ تو میں نہیں جانتا کہ اس ادعا کو کیسے غلط ثابت کیا جا سکے گا۔ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ ہر شخص کو نیز اپنے آپ اس کا فیصلہ کر لینا چاہیئے میری حد تک تو یہ ہے کہ میں شعبدہ بازی میں کوئی کمال نہیں رکھتا اور میرا شمار ان لاتعداد لوگوں میں ہے۔ جو نہ صرف اس سے واقف ہوتے ہیں کہ اس قسم کے التباسات (فریب نظر) کس طرح پیش آتے ہیں؟ بلکہ ان کے پاس تو کوئی ایسا نظریہ بھی نہیں۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ ان مظاہر کی پیشکش کیونکر ممکن ہے؟ لہٰذا اس معاملہ میں میری رائے کی کوئی وقعت نہ ہوگی۔ البتہ میں اپنے اس عقیدے کو درج کرتا چلوں۔ کہ مختلف مواقع پر میں نے جن

اثرات کو بچشم خود دیکھا ہے۔ بازی گیری تو بہر حال ان کا باعث نہیں اور اس لئے ان کی کوئی اور ہی تاویل ہوگی میرے اس عقیدے کی اصل بنیاد یہ ہے کہ چونکہ معمول ہی کو مشتبہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے جی اہتمام سے اس پر نگرانی رکھی جاتی ہے۔ ایک تو اس کی نوعیت کچھ ایسی ہوتی ہے۔ دوسرے میرے علم میں یہ ہے کہ مختلف مواقع پر وہاں ایسے لوگ بھی موجود رہے ہیں جن میں شعبدہ باز بھی شامل تھے۔ لہٰذا اگر ان مظاہر کی پیش کش میں کسی قسم کی بازی گری کو دخل ہوتا تو اس کا پتہ چلا لینا ان لوگوں کیلئے زیادہ قرین قیاس ہوسکتا تھا۔ بہ نسبت اس کے کہ میں یہ کام انجام دیتا۔

اجسام بروں مایہ

ان مظاہر کی ٹھیک ٹھیک توضیح کیا ہوسکتی ہے؟ میں نہیں جانتا بالعموم یہ وضاحت پیش کی جاتی ہے کہ وہ بروں مایہ۔ Ectoplasm کے ذریعے معرض وجود میں آتے ہیں بروں مایہ کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ معمول کے جسم ہی کا قوام ہوتا ہے۔ جس کو عارضی طور پر اس طرح ساقط المادہ کر دیا جاتا ہے کہ وہ ایک طرح کا پلپلا سا حجم اختیار کر لیتا ہے جس میں مختلف شکل وصورت کے سانچوں میں ڈھل جانے کی صلاحیت ہوتی ہے میں نے بذات خود یہ دیکھا ہے۔ کہ جس حجم کو بروں مایہ کہا جاتا ہے۔ وہ ایک بے شکل اور سیال شے ہے۔ بظاہر یہ دلیہ سا نظر آتا ہے اور معمول کی ناک اور کانوں سے نکل کر یکایک سارے کمرے میں پھیل جاتا ہے۔ میں مرعومہ بروں مایہ اس لئے لکھتا ہوں کہ دونوں مواقع پر جب کہ میں نے بچشم خود اسے دیکھا تو معمول پر اتنی کڑی نگرانی نہیں رکھی گئی تھی۔ جتنی دوسرے سادے مظاہر کے وقت رکھی جاتی تھی تحقیقات نفسی کی کونسل کا نظریہ یہ ہے کہ اس بروں مایہ کا گچھا، نیز مہین سے دھاگے حتیٰ کہ رسیاں، معمول کے جسم سے نکل کر سارے کمرہ حاضرات میں ہر طرف پھیل جاتی ہیں۔ اور یہ کہ انہیں روحانی کارندے میزوں کو حرکت دینے، طنبوروں کو بجانے اور بے جان چیزوں کو اٹھانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ آیا ایسا ہوتا ہے یا نہیں میں نہیں جانتا۔ کیون کہ ان شاذ و نادر موقعوں پر جب کہ بیان کردہ بروں مایہ۔ مرئی شکل (دکھائی دینے والی شکل) میں باہر آرہا ہو۔ روشنی جلانے اور اس کا معائنہ کرنے کی اجازت نہیں دی

جاتی۔ اس بناء پر کہ معمول کے جسم کا نازک قوام جو بروں مایہ حالت میں ہو۔ اور جسکا شیرازہ بکھر چکا ہے عام اور معمولی روشنی کے سامنے لایا جائے۔ تو معمول کے شدید طور پر زخمی ہو جانے کا امکان رہتا ہے۔

ارواح سفلی کے کرتوت

جنات کے کرتوں اور شرانگیزیاں وہ مظاہر ہیں۔ جنہیں روایتاً ارواح سفلی یا ارض و ہوا کے موکلیں کی کارستانیوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ مظاہر بغیر کسی سبب کے چھوٹی چھوٹی چیزوں کے حرکت پذیر ہو جانے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ چنانچہ مشاہدہ کرنے والوں نے اپنے تئیں اس کا یقین کر لیا ہے کہ انہوں نے ان اشیاء کی حرکات میں کسی قصد و نیت کو بھی کار فرما پایا ہے۔ یعنی بعض اوقات تو محض توجہ ہٹانے کی نیت اور اکثر اوقات منہ چڑانے، پاگل اتارنے اور مذاق اڑانے یا برہم کر دینے کی نیت! چنانچہ وہ جنات کے ان کرتوتوں کو بعض اسئل اور ایک طریقے سے خبیث و مفسد قسم کی عقول یا ارواح سفلی کی کارستانیاں پر محمول کرتے ہیں جن کی سب سے بڑی صفت شرانگیزی تصور کی جاتی ہے۔ یہ مظاہر بھنامتی سے ملتے جلتے ہیں۔ لیکن بھنامتی وہ سفلی عمل ہے۔ جو کسی عامل کا محتاج ہے۔ ان مظاہر کے لئے عامل کی ضرورت نہیں بلکہ پلید اور نجس روحیں خود ان کا باعث بنتی ہیں۔ اور عقیدۂ عام کے مطابق ان کی کارستانیاں خود بخود شروع ہو جاتی ہیں۔

پروفیسر سی ای جوڈ کے ساتھ حاضراتِ ارواح کے عمل مجالس حاضرات کی روداد اور کرۂ حاضرات کے مظاہر پر بحث کی ہے۔ وہ فلسفی ہیں اور متشکک! وہ کسی بیان پر فوراً اعتقاد نہیں کر لیتے۔ بلکہ ہر معاملے کا جائزہ سائنسی انداز نظر سے لیتے ہیں اگر چہ انہوں نے کرۂ حاضرات کے عجائب کو بچشم خود دیکھا ہے۔ تاہم ان کی عقل سلیم اسکی توجیہہ سے قاصر ہے۔ اور حقیقت واقعہ یہ ہے کہ فی الحال ان مظاہر کی عقلی تشریح اور سائنسی توجیہہ ممکن بھی نہیں۔

تحقیقات روحانی

پروفیسر مجنوں گورکھپوری کا پچھتر سالہ جشن (پلاٹینم جوبلی) حال ہی میں کراچی کے اہل ادب نے بڑے ذوق شوق سے منایا ہے۔ مجنوں گورکھپوری فاضل نقاد، ادب دوست، عالم اور مفکر ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ انہیں رُوحانیت سے بھی غیر معمولی دلچسپی ہے۔ بقائے روح کے موضوع پر پروفیسر صاحب (رسالہ جن لکھنو میں جو علامہ نیاز فتح پوری کی ادارت میں شائع ہوتا تھا) لکھتے ہیں

کہ:

آج کل یورپ و امریکہ میں باضابطہ انجمنیں قائم ہیں جو عرصہ سے روحانیت کے متعلق تحقیقات کررہی ہیں۔ ان انجمنوں میں سر رائیڈر ہیگرڈ، سر آرتھر کونن ڈائل اور سر الیور لاج جیسی گراں پایا شخصیتیں شامل ہیں۔ ان لوگوں نے ناقابلِ تردید مشاہدات کی بناء پر یہ کلیہ قائم کیا ہے کہ مرنے کے بعد انسانی روح نہ صرف زندہ رہتی ہے۔ بلکہ اسکی پوری فردیت (شخصیت) باقی رہتی ہے۔ اور عالم برزخ کی زندگی اس زندگی سے بہت حد تک ملتی جلتی ہے۔ مرنے کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا؟ یہ موقوف ہے اس پر کہ ہمارا اس دنیا میں کیا حال رہا ہے۔ انگریزی ادبیات کا مطالعہ کرنے والے آسکر وائیلڈ کے نام سے خوب آشنا ہوں گے۔ وہ شاعر تھا تمثیل نگار تھا نقاد تھا۔ اسکے ادبی نکات انگریزی زبان میں نزاہت و پاکیزگی کے بہترین نمونے ہیں لیکن اسکی ذاتی زندگی سراسر عدوان (گمراہی وسیاہ کاری) تھی۔ وہ نہایت کثیف قسم کی نفسانیت کا غلام تھا اسکی تمام عمر بے چینیوں میں بسر ہوئی۔ حال ہی میں ایک عورت نے "آسکر وائیلڈ کے روحانی مراسلات" کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی ہے اسکو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکر وائلڈ عالم برزخ میں بھی اسی طرح سکون واطمینان سے محروم ہے۔ جس طرح اس دنیا میں تھا۔ وہی رکیک جذبات وہی نفسانی ہیجانات اسکی روح سے اب تک لپٹے ہوئے ہیں۔ گویا مکافاتِ عمل کی دراصل یہ صورت ہوتی ہے۔ کہ اگر آپ زندگی میں ناآسودہ رہے تو مرنے کے بعد بھی ناآسودہ رہیے۔ جس کتاب (روحانی مراسلات) کا میں نے حوالہ دیا ہے۔ اس کے ایک ایک حرف سے لکھنے والی کی صدق وخلوص کی بو آتی ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے جھوٹا سمجھیں۔ اسکے علاوہ وائلڈ کے جتنے مراسلات اس میں درج ہیں۔ وہ سب وائلڈ کے خاص انداز میں ہیں۔ حالانکہ راقم نے اس سے پہلے اسکر وائلڈ کی لکھی ہوئی ایک سطر بھی نہیں پڑھی تھی۔ روح اور روحانیت کے خلاف ایک لچر دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ روح ہم کو نظر تو آتی نہیں۔ ہم زندوں کے ساتھ اسکے تعلقات کس طرح تسلیم کرلیں۔ اس بارے میں مجھے صرف اتنا جتا دینا ہے کہ آپ نہ جانے کتنی ایسی چیزوں کے وجود اور ان کے اثرات کو مانتے ہیں جو غیر مرئی ہیں۔ (دکھائی نہیں دیتیں) روحوں کو

آپ بے شک نہیں دیکھتے لیکن آپ گیسوں کو کب دیکھتے ہیں۔ یا برقی رو کو کن آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ برقی رو آپ کی مزدوری کیا کرتی ہے۔ کہنے والے کہیں گے کہ کم سے کم ان آلات کو دیکھتے ہیں جن میں برقی رو پیدا ہوتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ان آلات کو دیکھتے ہیں جنکے ذریعہ روحیں اپنا کام کرتی ہیں۔ مثلاً بپائی تختہ اور دیگر آلات حاضرات! ایسے مسائل میں صرف اس دلیل سے کام چلتا ہے جو مولانا روم نے خدا کے وجود کو ثابت کرنے میں پیش کی ہے۔

دست پنہاں و قلم بیں خط گزار
اسپ درجولان و ناپیدہ سوار

(ہاتھ نظر نہیں آتا۔ مگر قلم چل رہا ہے گھوڑا گرم رفتار ہے اور سوار کا پتہ نہیں) روحانیت (بقائے روح کا عقیدہ ہے) کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ہر نسل۔ ہر عہد میں حیات بعد الممات پر یقین رکھتی چلی آئی ہے اور اس حد تک کہ زندوں اور مُردوں میں سلام پیام کا امکان بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ اسکی نفسیاتی توجیہہ جو کچھ بھی ہو۔ مگر یہ ایک تاریخی حقیقت کہ عہد جاہلیت میں اس یقین کا محرک "خواب" تھا۔ اس وقت کے جاہل اور غیر متمدن لوگ جب مردے کو خواب میں دیکھتے تھے۔ تو بلا چون وچرا سمجھ لیتے تھے کہ مرنیوالا کہیں نہ کہیں اب بھی موجود ہے۔ اور ہم سے اس حالت میں آکر ہم کلام ہوتا ہے۔ یہاں اس بات کو بھی ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ تاریکی اور جہالت کے اس دور میں بیداری اور خواب دونوں حالتوں کو یکساں اور امرِ واقعی سمجھا جاتا تھا۔ روحانیاتِ جدید میں مسمر (مسمریزم کا بانی) اور سویڈنرگ کے نام تاریخی شہرت رکھتے ہیں۔ مسمر وائنا کا ایک ڈاکٹر تھا۔ اسکے معالجاتِ نفسی کو ایسی کامیابی نصیب ہوئی کہ دور دور سے لوگ اس فن کو سیکھنے کی غرض سے آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مسمریزم کا لفظ لغت میں آگیا۔ سویڈنبرگ سائنس میں عمر گزارنے کے بعد روحانیت کا قائل ہونا پڑا کیونکہ اسکو روحانی مشاہدات اور الہامات کا ذاتی تجربہ ہونے لگ تھا۔ اور وہ حالتِ جذب و وجدان میں بڑے سے بڑے اولیا، فلسفہ، سلاطین اور رہنمایانِ دین مثلاً کالون، ولتھر، سرد، موسیٰ اور یوحنا وغیرہ کو دیکھ لیا کرتا۔ اور ان سے مراسلے بھی حاصل کرلیا کرتا تھا۔ اس وقت تک نفس تحت الشعور یا شعور خفی Subliminal Self کے لوگ واقف نہ تھے اس لئے

سمجھتے تھے کہ روحیں براہِ راست ہم سے مخاطب ہوتی ہیں۔ان لوگوں کے بعد اور بھی حامیاں رُوحانیت گزرے ہیں۔ جن کی کاوشیں لائق ستائش ہیں۔یہ انہیں کی تحقیقات کا نتیجہ تھا کہ آخر کار پروفیسر سجوک۔ پروفیسر بیرٹ اور ایف ڈبلوایچ مائرس نے اسکی ضرورت محسوس کی کہ ان مشاہدات روحانی کی تفتیش کے لئے ایک باقاعدہ انجمن قائم کی۔اس انجمن کا نام:۔" روحانی تحقیقات کی انجمن" (S.P.R) رکھا گیا۔اور ٹیلی پیتھی یا نقل افکار (تھاٹس ریڈنگ) تنویم، خودنگاری، خود مقالی (خودکلامی) غیب دانی اور اس قسم کے اور بھی سینکڑوں مظاہر روحانی کی فلسفیانہ تحقیق کا بیڑا اٹھایا۔اس کے صدر یکے بعد دیگرے برگساں۔ولیم جیمز سر آلیور لاج وغیرہ جیسے بڑے بڑے فلسفی رہ چکے ہیں اور اس انجمن کی کارروائیاں ۲۵ جلدوں میں (نصف صدی قبل) شائع ہو چکی ہیں۔یہ انجمن سائنس کے جدید اصولوں کے مطابق کام کرتی ہے اور تعصبات وتوہمات کو مطلق راہ نہیں دیتی ۔اسکے مشہور ترین تجربات وہ ہیں جو مشہور معمولہ (میڈیم) مسز پائپر کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ مسز پائپر پر ایک حالتِ غنودگی طاری ہو جاتی ہے۔اور اس حالت میں وہ خود بخود لکھنا یا بولنا شروع کر دیتی ہے اور یہ دیکھ کر کہ اسکو اکثر ایسی باتوں کا علم ہو جاتا ہے جس کی خبر اسکو کسی طرح ہو ہی نہیں سکتی۔ ماننا پڑتا ہے کہ کوئی نہ کوئی فوق العادت قوت ضرور اسے اپنا معمول بنا لیتی ہے فی الحال اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آج بڑے بڑے ماہرین نفسیات اس بات کو ماننے پر مجبور ہیں کہ عالم ارواح سے مکالمے اور مراسلے ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔اس میں شک نہیں کہ اسکے پردے میں نہ جانے کتنی شعبدہ بازیاں اور فریب کاریاں بھی کام کرتی ہیں۔لیکن محض اس بناء پر حقائق سے تو انکار نہیں ہو سکتا۔

خودنویسی

آج کل جس مسئلے پر سب سے زیادہ ہلچل مچی ہوئی ہے وہ خودنویسی اور خودکلامی کا مسئلہ ہے۔ خودنویسی کی صورت یہ ہے کہ معمول پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے۔اور وہ خود بخود کچھ لکھنے یا بولنے لگ جاتا ہے عموماً یہ کسی مرنے والے کے ملفوظات ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے

کہ ہر شخص معمول بن کر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ خاص خاص لوگوں میں اس قسم کی ترجمانی کی صلاحیت ہوتی ہے۔اور وہی اس کام کو کرتے ہیں غیب دانی بھی روحانیت کا ایک زبردست موضوع ہے۔بعض انسانوں میں ضمیر شناسی کا ملکہ ہوتا ہے۔یعنی وہ دوسروں کے دل کی باتیں جان لیتے ہیں۔ایسے لوگوں میں ایک فوق العادت قوتِ ادراک تسلیم کرنا ضروری ہے ورنہ اِن مشاہدات کی توجیہہ ممکن نہیں۔ (پروفیسر مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں)

آسیبی واقعات

آخر میں بھوت پریت اور جن کے مسئلے کے بھی روحانیت ہیں کا ایک مسئلہ سمجھتا ہوں۔اور ان کی توجیہہ وتشریح بھی انہیں نظریات سے ہوتی ہے۔ جن سے روحانیت کے مسائل حل ہوتے ہیں۔ میں اس جگہ خواہ مخواہ دور از کار تاویلوں سے کام لینا نہیں چاہتا۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ بھوت پریت کے اصلی معنیٰ کیا ہیں؟ یا "جن" کا لفظ قرآن میں کیا مفہوم رکھتا ہے؟ ان الفاظ کے خواہ وہی معنیٰ ہوں۔ جو عوام نے سمجھ رکھے ہیں یا کچھ اور لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک دُنیا ایسی ضرور ہے جسے ہم اپنے ظاہری حواس سے نہیں سمجھ سکتے۔اب یہ دیکھنا ہے کہ ان نفسی اور روحانی مظاہر کی توجیہہ ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟ میں یہاں ان نظریات سے بحث کرنا نہیں چاہتا۔ جو عہد جاہلیت میں انسان نے روحانی مسائل کو حل کرنے کیلئے پیش کئے تھے۔ مجھے صرف یہ دیکھنا ہے کہ موجودہ سائنس اور عملیات کی بناء پر ان مباحث کے سلسلے میں کیا کہا جا سکتا ہے آج کا دنیائے نفسیات کی مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کا نفس دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک تو شعوری ہے دوسرا غیر شعوری یا تحت الشعوری! ہم کو اپنی شعوری کیفیات کا علم تو رہتا ہے لیکن ان کیفیات کا احساس تک نہیں ہے۔ جو ہمارے شعور کی سطح کے نیچے دبی پڑی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہماری شعوری زندگی کا دارومدار انہی کیفیات غیر شاعرہ (وہ کیفیتیں جو شعور نہیں آتیں) پر ہے۔ نفس (انسانی) ایک سمدر کی مانند ہے۔اور کیفیات شاعرہ (شعوری کیفیتیں جن سے ہم واقف ہیں) مشابہہ ہیں۔ مختلف جزیروں ہے! ہم ان جزیروں کے صرف ان حصوں کو محسوس کرتے ہیں جو سطح سے اُوپر ہیں۔ لیکن

ہم ان کو اس کا علم مطلق نہیں کہ سطح آب کے نیچے ان جزیروں کی بنیاد کتنی گہری ہے۔ جو ظاہر ہیں نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ بعض لوگ صرف اس لئے ''نفس غیر شاعرہ'' (لاشعور) کے منکر ہیں کہ وہ اسکو محسوس نہیں کرتے لیکن جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ یہ کوئی منطق نہیں ہم توانائی کو نہیں دیکھتے مگر اسکا وجود طبیعات میں تسلیم کیا جاچکا ہے۔ ہم اثیر (Ether) کو مانتے ہیں برق پاروں (الیکٹران) کے قائل ہیں کیونکہ ان کو تسلیم کئے بغیر عالم مادیت کے نجانے کتنے مظاہر سمجھ میں آنے سے رہ جاتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نفس غیر شاعرہ (لاشعور) کے وجود سے انکار کیا جائے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسکی بناء پر کامیابی کیساتھ ان واقعات کی توجیہہ ہوسکتی ہے۔ جن کو اب تک دنیا معجزات وخوارق اور نہ جانے کیا کیا واہیات وخرافات سمجھ کر ٹالتی رہی!

نفس غیر شاعر

نفس غیر شاعر۔ نفس کے اُس حصے کو کہتے ہیں جسکا ہمیں شعور حاصل نہیں۔ تاہم وہ برابر شعور پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔ پروفیسر مجنوں گورکھ پوری کا بیان ہے کہ
اس نفس غیر شاعر (لاشعور) کو صرف ان گزشتہ ارتشامات (ذہن پر جونقوش چھپ گئے ہیں) کا دفتر نہ سمجھنا چاہئے۔ جن کا ہمیں کوئی احساس نہیں۔ بلکہ در حقیقت اسے ایسی قوتوں کا گنجینہ اور (خزانہ) سمجھنا چاہئے۔ جو نفس شاعر (نفس انسانی کا وہ حصہ جس کا ہمیں شعور حاصل ہے) کے حصے میں نہیں آئیں۔ ہمارا نفس غیر شاعر ایسے ایسے کرشمے دکھا سکتا ہے۔ جنہیں ہمارا شعور خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتا۔ یہی نفس غیر شاعر ہے۔ جو مجرم کی مجرمانہ ذہنیت، دیوانی کی دیوانگی شاعر کی شعریت، ولی کی ولایت اور نبی کی نبوت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بھوت پریت، ارواح، جنات، ملائکہ اور اس قسم کے دیگر مظاہر جو ہمارے حیطۂ شعور اور دائرہ عمل کے باہر ہیں۔ اس نفس غیر شاعر کے توسط سے مشاہدے میں آتے ہیں۔ اس لئے انہیں یا تو توہمات سمجھ کر ٹال دیا جاتا ہے یا فوق الفطرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کارگاہ اسباب وعلل میں کوئی چیز نظامِ فطرت سے علیحدہ نہیں ہے۔ (یعنی ہر واقعہ قوانین فطرت کے تحت ظہور میں آتا ہے۔ گو ہمیں ان قوانین کا علم نہ

ہو۔) ہر چیز کا محسوس یا غیر محسوس سبب ہوتا ہے۔ جن روحانی تجربات کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ ان کے لئے ہر شخص یکساں موزوں نہیں ہوتا۔ بالخصوص جن لوگوں میں عقل واستدلال کا مادہ ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ وہ ان مشاہدات سے بہرہ ور نہیں ہوتے عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ضعیف الاعصاب لوگوں خاص کر عورتوں میں ان مظاہر وحوادث کو محسوس کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے اسکے معنی یہ نہیں کہ ایسے ولوگوں میں ایمان لانے کی قابلیت زیادہ ہوتی ہے بلکہ در حقیقت ان کا نفس لاشاعر (لاشعور) نفس شاعر (شعور) کے مقابلے میں زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ فوق الشعور واقعات کا تجربہ آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ اس کی ضرورت نہیں کہ ''روحانیات'' حاضرات ارواح) میں جتنے مشاہدات وتجربات ہوچکے ہیں ان میں سے بعض کو مثالاً پیش کیا جائے۔ کیونکہ منکر جب انکار پر تُل جاتا ہے۔ تو پھر کوئی ثبوت کوئی دلیل واقعی ہو یا خیالی اسکے لئے بیکار ہوجاتی ہے میں مثالیں پیش کرتا جاؤں گا اور میرے مخالف ان کو شعبدہ بازی ہاتھ کی صفائی اور نظر بندی کہہ کر رد کرتے چلے جائیں گے۔ مجھے تسلیم ہے کہ آج کل روحانیات میں اس قسم کی فریب کاریاں کثرت سے ہو رہی ہیں۔ لیکن گیہوں دکھا کر جو فروشوں میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں۔ جو واقعی گیہوں بیچنے والے ہوں اس سے پہلے اشارتاً بتایا جاچکا ہے کہ نہ جانے کتنے حقائق ایسے ہیں جو ادنیٰ لوگوں کے دائرہ ادراک سا باہر ہیں۔ اور جن کو اکثر محسوس کیا جاسکتا ہے تو صرف خواس خمسہ یا عقل واستدلال سے نہیں بلکہ ذوق و وجدان سے! آج کل مادیت کا عفریت دنیا میں رفتہ رفتہ کم زور پڑتا جارہا ہے۔ ارباب بصیرت اس نتیجہ پر پہنچ چکے اور پہنچ رہے ہیں کہ حواس خمسہ (وہ پانچ حواس جن کی مدد سے ہم دیکھتے، سنتے، چکھتے، سونگتے ہیں ناکافی ہیں اور ان سے کشفِ حقیقت ممکن نہیں یہ حقیقت کو کما حقہٗ محسوس کرنے یا سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں کہتے ہمارے پاس اسکی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کہ ہمارے روزمرہ کے محسوسات اور معقولات (یعنی جو کچھ ہم محسوس کرتے ہیں۔ اور جو کچھ سمجھتے ہیں۔) کوئی حقیقت بھی رکھتے ہیں؟ اگر کوئی متشکک (شک پسند) ان کو اس لئے اب فلاسفہ کہتے ہیں کہ حقیقت جانی نہیں جاسکتی۔ صرف محسوس کی جاسکتی ہے۔ اور اس کو محسوس کرنے کے لئے ایسی قوتوں کو فروغ دینے کی ضرورت ہے جو ہمارے اندر دبی پڑی ہیں۔ البتہ کبھی کبھی

شاعر کے شعر، مجذوب کے بڑ صوفی کی کشف و کرامات اور نبی کے الہامات میں ظاہر ہوتی ہیں۔ فرانس کے مشہور فلسفی برگساں نے نہایت واضح طور پر ثابت کردیا ہے۔ کہ انسان کے عقل و حاس اس لئے بنائے ہی نہیں گئے۔ کہ وہ ہستی کے اسرار کو سمجھا سکیں۔ اس کام کو انجام دینے کیلئے وجدان کی ضرورت ہے یہ وجدان بالعموم ہمارے نفس ''غیر شاعر'' کے اندر مجہول و معطل پڑا رہتا ہے زندگی کی حقیقتوں کو محسوس کرنے کیلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اس وجدان (لاشعوری قوت) کو ابھاریں اور اسکو اپنے نت نئے کرشمے دکھانے کا موقع دیں پھر بقول شیفتہ، دیکھو وہ آنکھ سے کہ نہ دیکھا ہو خواب میں، شعور کی شمع کو ہمیشہ کے لئے نہیں تو کبھی کبھی بجھا دینا چاہئے پھر عالم نور سے صرف اسنتھو کی آیت سنائی دیگی۔ بلکہ وہاں کے تمام جلوے آنکھوں سے سامنے روشن ہوجائیں گے۔ مگر ہاں پہلی شرط یہ کہ

روتو زنگار از رخ خود پاک کن
بعد ازاں آں نور را ادراک کن

(پہلے تم اپنے دل کے رنگ کو صاف کرلو۔ پھر اس نور کا ادراک کرسکتے ہو) جب تک انسان کی آنکھوں پر عقل و ہوش کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اس قوت تک اسکو حقیقت کی صرف بیرونی سطح نظر آسکتی ہے جسکو اہل معنی صورت یا مجاز کہہ سکتے ہیں۔

روحانی مراسلات

حاضرات ارواح کی گفتگو میں آپ مسز پائپر کا نام سن چکے ہیں یو بوسٹن (امریکہ) کی رہنے والی تھی اور خودنویسی (یا آٹومیٹک رائٹنگ) کے ذریعے روحوں سے پیغامات وصول کرتی تھیں۔ ان کی خودنویسی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ استغراق کی حال میں لکھتی یا بولتی تھیں۔ جب وہ استغراق کی حالت سے باہر آتی تو اسے شدید تکلیف ہوتی۔ اس کا بیان تھا کہ یہ دنیا۔ اس دنیا کے مقابل میں (یعنی استغراق کی حالت میں جو دنیا نظر آتی ہے) بھدی۔ بدرنگ اور بے مزہ نظر آتی ہے یہاں کی چیزیں وہاں (عالم برزخ) کی چیزوں کی نسبت مکروہ اور بدصورت لگتی یہی حال چہروں کا

ہے! ایک دفعہ اس نے ہوش میں آنے کے بعد کہا کہ مجھے تم لوگوں کی ضرورت نہیں۔ مجھے وہی دنیا زیادہ مرغوب ہے تمہاری صورت دیکھ کر مجھے ہنسی آتی ہے۔ مختصر یہ کہ تم لوگ بھدے اور بدقوارہ ہو میں کبھی گوارہ نہیں کرسکتی کہ میری صورت بھی تم جیسی ہو۔ کیا تم لوگ واقعی زندہ ہو؟ اس دُنیا (عالم برزخ) میں جو لوگ ہیں۔ وہ تم سے کہیں زیادہ زندہ نظر آتے ہیں۔ مسز پائپر کا یہ بیان بھی ہے کہ جب میں اس دنیا سے قطع تعلق کرکے (بحالت استغراق دوسری دنیا میں پہنچتی ہوں تو وہاں کے لوگ مجھ سے ہمکلام ہونے کے لئے بیتاب معلوم ہوتے ہیں اور جب کبھی موقع پاتے ہیں۔ مجھے کوئی پیغام ضرور دے دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ہاجسن (Dr. Hadgson) نے جب مسز پائپر کا امتحان لیا۔ اور اسکی تحریروں (مراسلات) کی تحقیق کی تو وہ حد درجہ مشکک (شکی) اور منکر تھے لیکن کئی سال کی تحقیق اور تنقید کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یقیناً یہ روحانی مراسلے متوفی لوگوں نے لکھوائے ہیں۔ اور وہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہیں۔ ڈاکٹر ہاجسن کوئی عام آدمی نہ تھے۔ جو خوش اعتقادی میں مبتلا ہوکر ہر انہونی چیز کو ''ہونی'' سمجھ لیتا ہے وہ بلند پایا منکر پختہ کار محقق اور علم دوست بزرگ تھے۔ پروفیسر مائرس نے مسز پائپر کے مراسلات کو جانچا اور وہ بھی اس نتیجہ پر پہنچے کہ وہ کسی طرح مبنی بر فریب اور مصنوعی نہیں ہوسکتے کیونکہ بے خودی کے عالم میں مسز پائپر جو کچھ بتاتی ہے یا لکھتی ہیں ہوش میں آنے کے بعد اس کو مطلقاً اس کا علم نہیں ہوتا مسز پائپر کے بار میں یہ رائے صرف ڈاکٹر ہاجسن اور پروفیسر مائرس ہی کی نہیں ہے۔ جن علمائے نفسیات نے اسکا معائنہ اور اسکے مراسلات کا مطالعہ کیا ہے وہ سب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ واقعی مرنے والوں کے پیغامات ہیں جو انہوں نے مسز پائپر کے قلم سے لکھوائے مسز پائپر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسرے معمولوں کی طرح تنویمی ترغیبات سے ہمیشہ اثر قبول نہیں کرتی کبھی تو اس پر ہلکی تنویمی نیند طاری ہوجاتی ہے اور کبھی کوئی تنویمی ترغیب کارگر نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسز پائپر میں اثر پذیری کی صلاحیت موجود ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قصد اور ارادے کے بغیر اس پر بے خودی کی حالت طاری ہوجاتی ہے۔ پروفیسر مائرس لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسز پائپر سے بلز بنی کی فرمائش کی گئی۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح مسز پائپر کے ادوسرے وجود کے متعلق کچھ معلوم

کیا جائے جس کے ذریعہ وہ مرنے والوں سے ہم کلام ہوتی ہے۔ مسز پائپر کو کبھی بلوربینی کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ بہر حال اس نے بلوبینی پر نظریں جادیں مگر اسے کچھ نظر نہ آیا۔ البتہ دوسرے روز صبح جاگنے کے بعد مسز پائپر کو سخت روحانی تکان اور جسمانی تھکن کا احساس ہوا۔ اسکو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کسی نے رات میں اسے مبہوت کر دیا تھا۔ مسز پائپر پر جب بے خودی طاری ہوتی ہے تو وہ اپنے کو فنوٹ "Phinuit" کہتی ہے یہ اس کے مؤکل (کنٹرول) کا نام ہے جو بحالت استغراق اس پر مسلط ہو جاتا ہے جب دوسری بار مسز پائپر اس کیفیت سے دوچار ہوئی تو ''فنوٹ'' نے کہا کہ وہ ایکبار پہلے بھی آیا تھا۔ مگر کوئی اسکی طرف متوجہ نہ ہوا۔ یہ بلوربینی کے واقعے کی طرف اشارہ تھا۔ بلوربینی نے تھوڑی دیر کے لئے مسز پائپر کی دُوسری شخصیت کو اُبھار دیا تھا۔ مسز پائپر پر جب ''(تنویم کے ذریعہ)'' خواب کی حالت طاری کی جاتی ہے تو وہ دیر پا نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ تنویمی کیفیت بمشکل ایک منٹ قائم رہی اور ''فنوٹ'' اس سے زیادہ نہ کہہ سکا کہ میں ٹھہر نہیں سکتا۔ فنوٹ کے بارے میں اتنا جان لینا ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے کو ایک روح بتاتا ہے جو مسز پائپر اور عالم ارواح کا درمیان پیام رسانی کے فرائض انجام دیتی ہے۔ اس کا یہ بھی بیان ہے کہ وہ مسز پائپر میں حلول کرنے کے چند منٹ بعد تک تو روحوں کے پیغامات کو یاد رکھ سکتا ہے۔ پھر بھول جاتا ہے۔ پروفیسر ولیم جیمس اور چند دُوسرے ماہرین نفسیات نے سراغ رساں بھی لگائے تا کہ اس بات کا پتہ چلائیں کہ مسز پائپر مرنے والوں کے زندہ رشتہ داروں سے تو ان کے بارے میں خفیہ معلومات حاصل کر کے نہیں بتا دیتی۔ لیکن مسز پائپر ک خلاف کوئی شہادت نہیں ملی۔ مسز پائپر نے کبھی ان لوگوں کے ذاتی حالات جاننے کی بھی کبھی کوشش نہیں کی جن سے وہ بھی واقف تھی۔ اور جو حاضرات کی مجالس میں شریک ہوتے تھے ڈاکٹر ہاجسن اکثر بلا اطلاع اسکے پاس لوگوں کو لے آتے (جن سے وہ قطعاً واقف نہ تھے) ان لوگوں نے مسز پائپر کی زبان سے ایسے روحانی پیغام سے ہیں جن کے متعلق انہیں یقین ہے کہ یہ پیغام صرف مرحوم رشتہ دار یا دوست ہی دے سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مسز پائپر کی دیانت شک وشبہ سے بالاتر ہے اس مشہور روحانی معمولہ کا انگلستان سے تعارف S.P.R نے کرایا۔

The Society for Psychical Research (London) نے کرایا۔ جو اس قسم کی تحقیقات کے سبب عالمگیر شہرت رکھتی ہے۔ امریکہ کے علمائے نفسیات پہلے سے ہی مسز پائپر کو جانتے تھے۔ پہلی مرتبہ پروفیسر جیمس نے ۱۸۵۸ء میں مسز پائپر کا مطالعہ شروع کیا۔ چند ہی نشستوں میں پروفیسر جیمس کے شکوک وشبہات رفع ہو گئے۔ خود پروفیسر جیمس کا بیان ہے کہ

مسز پائپر سے میری پہلی ملاقات ۱۸۵۸ء کے موسم خزاں میں ہوئی اس سے قبل میری خوشدامن

(Mrs Gibbens) نے تماشے (حاضرات ارواح) کے استیاق میں مسز پائپر سے مل چکی تھیں مسز پائپر نے میری سُسرال کے بعض متوفی افراد کے نام اور حالات بتائے جن کا کسی غیر کو علم ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہی اتفاق میری سالی (.Miss G) کو پیش آیا۔ میری سالی اپنے ساتھ ایک خط لے گئی تھی۔ جو اطالوی زبان میں تھا۔ مسز پائپر نے خط کو اپنی پیشانی سے لگا کر خط لکھنے والے کے بہت سے نجی حالات بیان کر دیے یہ بالکل معجز نما باغات تھی۔ کچھ دن بعد میں خود اپنی بیوی کے ساتھ مسز پائپر سے ملنے گیا اور اسی شخص کا دوسرا خط لیتا گیا۔ مسز پائپر نے اس کا حلیہ اور اسکے حالات اتنی وضاحت سے بتائے کہ ہمیں تسلیم کرتے بنی یہ سب کچھ وہ نیم بے خودی کی حالت میں کرتی تھی۔ پروفیسر جیمس نے اپنے رشتہ داروں پر یہ نہیں ظاہر ہونے دیا کہ وہ مسز پائپر سے کس درجہ متاثر ہیں؟ انہوں نے ان واقعات کی دوسری تاویلیں کرنے کی کوشش کی مگر ایک خلش سی (تحقیق حال کی) دل میں باقی رہی۔ چنانچہ پھر کچھ دن بعد پروفیسر جیمس پھر مسز پائپر کے پاس گئے تا کہ ایک مرتبہ پھر ذاتی تشفی اور تحقیق کر سکیں۔ ان کی بیوی کے علاوہ اور کوئی ان کے ہمراہ نہ تھا۔ انہوں نے مسز پائپر کو یہ نہیں بتایا کہ اس سے قبل ان کے کچھ رشتہ داران کے پاس آ چکے ہیں۔ اور نہ یہ بتایا کہ مسز جیمس کون ہیں۔) مسز پائپر نے روحوں کے نام بتانے شروع کئے یہ نام وہ پہلے بھی پروفیسر کے رشتہ داروں کو بتا چکی تھیں۔ رُوحانی معمولہ نے مسز جیمس کے باپ یعنی پروفیسر جیمس کے خسر کا نام پہلے نبلن Neblin اور پھر Giblin بتایا۔ حالانکہ اصل نام Gibbens تھا۔ پچھلے سال پروفیسر جیمس کا ایک لڑکا جس کا نام Herman تھا۔ فوت ہو گیا تھا

مسز پائپر نے اس لڑکے کا نام ہرین Herrin بتایا۔ ناموں کے تلفظ کی غلطی کے باوصف روحانی معمولہ نے مرنے والوں کی زندگی کی جو تفصیلات بیان کیں۔ وہ سو فیصد صحیح تھیں۔ (پروفیسر جیمس لکھتے ہیں کہ) اسکے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ یا تو مسز پائپر غیر معمولی قوتوں کی مالک ہیں یا وہ میری بیوی کے رشتہ داروں کے حالات کسی نہ کسی ذریعہ سے جانتی ہیں۔ بعد کو کئی اور امتحان لئے گئے اور اب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ خاتون غیر معمولی قوتوں کی حامل ہے۔ پروفیسر جیمس نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ وہ مسز پائپر پر تنویمی نیند طاری کردے۔ آخر ان کوششوں میں غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی۔ اور مسز پائپر پر تنویمی نیند طاری ہوگئی۔ اس سلسلے میں پروفیسر صاحب کا بیان ہے کہ استغراق کی وہ کیفیت جس کے زیر اثر مسز پائپر مرنے والوں سے ہم کلام ہوتی ہیں۔ تنویمی نیند سے جدا کوئی کیفیت ہے قدرتی بے خودی طاری ہونے پر وہ مجسم حرکت و اضطراب بن جاتی ہے مگر تنویمی نیند میں معمولہ پر مکمل سکوت غالب آجاتا ہے۔

ایک روح سے مراسلت

پروفیسر جیمس نے مسز پائپر کے کچھ مراسلات بھی نقل کئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ ہیں جو ڈاکٹر ہاجسن کے روح سے کئے گئے۔ یا ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ہاجسن کا انتقال ۲۰ دسمبر ۱۹۰۵ء کو ہوا۔ وہ اپنی زندگی میں بطور مزاح کہا کرتے تھے۔ کہ میں مرنے کے بعد دوسری روحوں کے مقابل مسز پائپر کو جلد قابو میں لے آؤں گا ۲۸ دسمبر ۱۹۰۵ء کو مسز پائپر نے ڈاکٹر ہاجسن کا ایک پیغام وصول کیا۔ اس کے بعد جب بھی وہ "حاضرات ارواح" کی محفل میں بیٹھی یہ محسوس کرتی کہ ڈاکٹر ہاجسن کی روح اسکے گرد منڈلا رہی ہے۔ اوّل اوّل جو مؤکل ڈاکٹر ہاجسن کا پیغام مسز پائپر کے پاس لیکر آتا۔ وہ اپنا نام (Rector) رِکٹر بتاتا۔ لیکن کچھ ہی دن بعد ڈاکٹر ہاجسن کی روح براہ راست باتیں کرنے لگی۔ اب ذرا خود نویسی (آزاد نگاری یا فری رائٹنگ) کے ذریعہ مکالمہ ارواح یا مراسلہ نویسی کا طریقہ دیکھئے۔ اس مجلس میں تھیوڈیٹ پوپ بھی حاضر تھیں۔ رکٹر نے مسز پائپر کو پیغام لکھوانا شروع کیا۔ لیکن دفعتاً مسز پائپر کے ہاتھ سے پنسل گری

اور کئی منٹ تک ان پر کپکپی طاری رہی۔

مس تیوڈیٹ پوپ نے پوچھا۔ کیا ہوا؟

(مسز پائپر کے ہاتھ نے بمشکل) H لکھا۔ اور پنسل کو اتنا دبایا کہ اسکی نوک ٹوٹ گئی۔ اسکے بعد لکھا۔ "ہاجسن"

مس پوپ نے کہا خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔

ہاتھ نے لکھا۔ میں موجود ہوں!

مس پوپ۔ کیا یہ ہمارے دوست ہیں (ڈاکٹر ہاجسن کی طرف اشارہ)

ہاتھ نے ہاں لکھنے کی بجائے پانچ مرتبہ کاغذ کو کھٹکھٹایا۔ رکٹر نے لکھوایا کہ

ذرا صبر کرو۔ وہی ہے۔ ہاں وہی تھا۔ اس کا دم گھٹنے لگا اس لئے وہ یہاں نہ ٹھہر سکا ذرا انتظار کرتی رہو۔ وسب

کو لے کر آئے گا۔

مس پوپ۔ بڑی پُر مسرت خبر ہے!

رکٹر۔ ہر بات بہتر ہی ہوتی ہے۔ دیکھو وہ اپنے ہاتھ میں ایک انگوٹھی لئے ہوئے ہے۔ کیا تم اسے نہیں دیکھ رہیں؟

مس پوپ۔ نہیں میں نہیں دیکھ رہی۔ ان سے کہو کہ وہ اس انگوٹھی کے بارے میں کچھ بتائیں۔

رکٹر۔ تم اس کا مطلب سمجھتی ہو؟

مس پوپ۔ میں اتنا جانتی ہوں کہ ان کے پاس ایک خوبصورت انگوٹھی تھی۔

رکٹر، مارگریٹ!

("سب کے بعد حرف "ب (B) لکھا گیا اور جب مس پوپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ تو کوئی جواب نہ ملا۔ پھر A - B اور ایل L کے بعد دیگرے لکھے گئے۔ ان کی وضاحت بعد کو ہوئی۔ پہلا پیغام اسی قدر تھا۔ انگوٹھی کا واقعی ایک قصہ تھا۔ جو S.P.R (مجلس تحقیقات روحانی) کی روداد کی بائیسویں جلد میں درج ہے مس پوپ کے ساتھ دوسری نشست ۸ جنوری (۱۹۰۶ء) کو

ہوئی۔ ڈاکٹر ہاجسن کی روح آئی اور لکھوانے لگی۔ میں ہاجسن ہوں۔ (ہاں ڈاکٹر ہاجسن) میں نے تمہاری آواز سُنی۔ تم مس پوپ ہو۔ مسز پائپر (معمولہ) ہے میں تمہیں جانتا تھا ہوں۔ میں خوش ہوں۔ یہاں آنا بہت دشوار ہے۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ (مجلس حاضرات ارواح میں) ماترا سقدر کم کیوں آتے ہیں۔

میں ٹھہر نہیں سکتا۔ میں آج نہیں ٹھہر سکتا۔

۲۳ رجنوری (۱۹۰۶ء) کو مسز جیمس اور پروفیسر جیمس حاضرات میں بیٹھے۔ اس مرتبہ ہاجسن کی روح نے آزاد نگاری کی بجائے معمول (مسز پائپر) کی آواز سے کام لیا۔ اور اپنے وجود کا پورا ثبوت دیا۔

کیوں کیا یہ بلی (جیمس) ہیں۔ کیا مسز جیمس اور بلی ہیں خدا تم پر اپنا فضل نازل کرے۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ (قہقہہ لگا کر) میں گویا گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا ہوں۔ ۔ (قہقہہ) مجھے راستہ مل گیا اور میں یہاں پہنچ گیا۔ ذرا ٹھہرو! ہاں میں خیریت سے ہوں۔ مجھے بھولنا نہیں ولیم کہاں ہے؟ ان سے میرا اسلام کہو اور کہو کہ یہاں مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے۔ میں اسے ظاہر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کروں گا۔ سنتے ہو؟ مجھ میں اب زیادہ تاب نہیں ہے۔ لیکن ذرا صبر سے کام لو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ میں تم تک پہنچ سکتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ سر آلیور لاج (مشہور روحانی محقق) سب کچھ جان لیں۔ میں یہاں مائرز سے ملا۔ اب میں ذرا دم ہوں گا۔

(پھر تھوڑی دیر کے بعد روح آتی ہے۔ اور کہتی یا کہواتی ہے کہ بلی؟ بلی کہاں ہے؟ تم کیا لکھ رہے ہوں۔ آج کل تم کچھ سیر و شکار کرتے ہو یا نہیں؟ آؤ تیرا جائے (ڈاکٹر ہاجسن اکثر پروفیسر جیمس کے ساتھ چکوروا Chocorwal کی جھیل میں تیرا کرتے تھے۔ اچھا تو آؤ ورزش برابر کیا کرو۔ مگر کثرت کے ساتھ نہیں، شاید میں کثرت کے ساتھ تیرا کرتا تھا۔ یہ واقعہ تھا.........

اسکے بعد جی بی ڈار مجلس حاضرات میں مسز پائپر کے ساتھ بیٹھیں ہاجسن کی روح نے ڈار سے پُرانے قصے بیان کیے۔ جن سے اُن دنوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ جب ہاجسن اور جی بی ساتھ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر ہاجسن (کی روح) نے کہا کہ مجھے وہ پھول یاد ہیں۔ جنہیں تمہاری ماں

تمہاری میز پر رکھا کرتی تھی۔ مجھے وہ اچھی طرح یاد ہیں کتنے بھلے لگتے تھے وہ؟ میں ان کو اب تک دیکھ رہا ہوں۔ ڈار لکھتے ہیں کہ جب میں لوگوں کی دعوت کرتی تو ان پھولوں کو کثرت سے میز پر بکھیر دیا کرتی۔ جو میرے مکان کے قریب کھلا کرتے تھے۔ اس کا امکان بہت کم ہے۔ کہ ہاجسن نے اپنی زندگی میں اس گلفشانی کا ذکر مسز پائپر سے کیا ہو اور چونکہ یہ کوئی عام رسم نہ تھی۔ اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ مسز پائپر نے، جن کی آواز ڈاکٹر ہاجسن استعمال کر رہے تھے قیاساً ایسا کہا ہوگا۔ ڈار نے پوچھا تمہیں یاد ہے کہ تم جان رچ کے ساتھ مچھلی کے شکار کے لئے گئے تھے۔ کہاں گئے تھے۔ تو میں نے بھولے سے اس کا نام بتا دیا! ہاجسن۔ جان رچ؟ ہاں اس کا نام جان رچ ہے مگر افسوس تم نے مجھے اسکا نام بتا دیا۔ کیوں بتا دیا۔ مجھے خود یاد آجاتا ہم لوگ کشتی میں سوار ہو کر ایک جزیرے میں گئے تھے۔ واپسی کے وقت ہمیں اپنی مچھلیاں رکھنے میں جو دقت پیش آئی تھی۔ وہ ہمیں اب تک یاد ہے۔ ہیں اب تک یاد ہے۔ یونہی مچھلیاں مشکل سے ملتی تھیں۔ اور پھر وہ سب کی سب ضائع ہو گئیں۔ ان سے پوچھو۔ انہیں یاد ہے۔ ڈار کا بیان ہے کہ ہاجسن نے سچ کہا یہی ہوا تھا۔ وہ جان رچ کے علاوہ کسی کے ساتھ جانے کو تیار نہ تھا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ لوگ ایک جزیرے پر اترے تھے۔ کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ہاجسن نے پھر کہا۔

تم کو یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ گرمی کے دنوں میں تمہارے مکان پر ایک شخص آیا تھا۔ اسکے پاس ایک ستار تھا۔ ہم نے اس سے بہت دلچسپ گفتگو کی تھی۔ ہم نے اس سے ستار بھی سُنا تھا وہ ایک مختصر سا آدمی تھا ہاں! وہ مجھے بخوبی یاد ہے۔ صورت یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کے بارے میں میری یادیں اب غیر مسلسل اور بے ربط ہو گئی ہیں۔ کہیں سے کچھ یاد ہے کہیں سے کچھ! لیکن اس شخص کو میں بھولا نہیں ہوں۔ روحانیات اور ستار کے متعلق اس سے کیسی دلچسپ گفتگو ہوئی تھی؟ مجھے رائس (Rayce) نامی ایک شخص بھی یاد آرہا ہے۔ جو تم سے ملنے آیا تھا۔ (ڈورا نے اس کی تصدیق کی)

مسز پائپر کے رُوحانی مراسلات آپ نے پڑھے۔ اس سلسلے میں دو مکتبہ ہائے فکر ہیں۔ ایک کا بیان یہ ہے کہ آزاد نگاری کے ذریعہ یا معمول کی زبان سے روحوں کے جو پیغامات ملتے ہیں۔ وہ

درحقیقت مرنے والوں ہی کی طرف سے ہوتے ہیں۔ لیکن علمائے نفسیات کے دوسرے مکتبے کا خیال ہے کہ یہ سب ''قلب خوانی'' یا تھاٹس ریڈنگ (دوسرے کے دلی خیالات پڑھ لینا) کا نتیجہ ہے! یعنی معمول چھٹی حس کے ذریعے لوگوں کے قلب کی کیفیت اور ان کے دلی خیالات پڑھ لیتا ہے اور انہیں مردوں کے پیغامات کے نام سے حاضرین کو سُنا دیتا ہے۔ اس نظریے کو بالکل بے بنیاد نہیں کہا جاسکتا۔ ممکن ہے کہ مرڈوں کے فرض کردہ بیانات اور پیغامات کا ساٹھ فیصد حصہ ''قلب خوانی'' (دل کا حال پڑھ لینا) کا نتیجہ ہو۔ البتہ بعض پیغام ایسے ہوتے ہیں۔ جن کی نوعیت بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اور بعض معلومات ایسی ہوتی ہیں۔ جو مرنے والے کے ساتھ دفن ہوجاتی ہیں۔ اِن معلومات کے بارے میں جو پیغام ہوگا۔ (بشرطیکہ اس کی تصدیق ہوجائے۔) اسے بلاشبہ متوفی ہی کی طرف سے تصور کیا جائے مثلاً ایک وفات یافتہ شخص نے معمول کے توسط سے اپنی بیوی کو یہ پیغام دیا کہ میرا اِتنا روپیہ خفیہ اکاؤنٹ میں فلاں بینک کے اندر جمع ہے اس رقم کو نکال کر کارِ خیر میں صرف کردو۔ اس پیغام میں خفیہ اکاؤنٹ نمبر بھی بتادیا گیا تھا۔ بیوی کو ہرگز شوہر کے راز کا علم نہ تھا تحقیق کرنے پر پیغام کی تصدیق ہوگئی۔ اس پیغام کا کوئی تعلق قلب خوانی سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ نہ کسی کے شعور میں تھا نہ لاشعور میں! مرنے والوں سے مراسلات کرنے کا ایک طریقہ پلانچٹ بھی ہے جناب رفیعی اجمیری (رسالہ جن لکھنؤ مارچ ۱۹۳۰ء) میں لکھتے ہیں کہ

پلانچٹ کے متعلق تجربہ

پلانچٹ کا نام اکثر لوگوں نے سُنا ہوگا۔ اور بہت سے لوگوں کو دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ہوگا۔ یہ پان کی شکل کی ایک چوبی تختی ہوتی ہے۔ جس کے پچھلی طرف دو پہیے لگے ہوتے ہیں۔ اور آگے گویا نوک پر سُوراخ میں پنسل لگائی جاتی ہے۔ دو آدمی اپنا ایک ایک ہاتھ، انگلیوں کے سرے ہلکے سے اس میں رکھ دیتے ہیں۔ اور رُوحوں کو طلب کرتے ہیں۔ تختی چلتی ہے اور جوابات لکھتی ہے۔ پلانچٹ سے میرے تعارف کی ابتدا بے اعتمادی سے ہوئی ہے۔ اور تذبذب پر ختم ہوئی پہلی مرتبہ پلانچٹ منگوانا محض تفریح کا ایک سلسلہ تھا۔ لیکن چند تجربات کے بعد اس نے ایقان نہیں تو خلجان

ضرور پیدا کردیا۔ میرا مدعا یہ ہے کہ کوئی صاحب غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ نہ مجھے پہلے اِس کا اعتقاد تھا نہ اب ہے۔ مجھے جو تجربات حاصل ہوئے۔ محض ان کا بیان مقصود ہے کہ بہر حال سوچنے کے لئے کافی مواد مل سکتا ہے۔ ممکن تھا کچھ غور وخوص کے بعد پلانچٹ کا راز سمجھ میں آجاتا۔ یہاں مجھے یہ بھی بتادینا چاہیے۔ کہ پلانچٹ کے ذریعے جن روحوں سے رابطہ پیدا ہوتا ہے۔) تو وہ کچھ زیادہ فاش گوئی سے کام نہیں لیتیں اور بہت کم ''مطلب کی بات'' ان سے حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ بعض اوقات ایسے حیرت انگیز اور غیر متوقع جوابات موصول ہوتے ہیں کہ خواہ مخواہ ایک خلش پیدا ہوجاتی ہے۔ کہ یہ روح کا پیغام نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ہوا یہ کہ جب پہلے پہل پلانچٹ پر عمل شروع کیا گیا اور نام لے لے کر روحوں کو طلب کیا گیا۔ تو کچھ ایسی نمایاں اور اطمینان بخش کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے کہ روح اپنا نام لکھوادیتی اور ایک آدھ سوال کا جواب برقت دیدیتی۔ کاغذ پر اِدھر سے اُدھر دوڑتی پھرتی۔ جھنجلاتی، پھول بناتی مشوش الفاظ لکھتی اور بار بار رخصت کردینے کا تقاضہ کرتی۔ مثلاً ''جانے دو'' اسوقت نہیں، پھر بلانا مجھے کام ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پہلی مرتبہ واضح جوابات اس وقت سے آنے شروع ہوئے جب یہ شرط لگائی گئی کہ کوئی سعید و نیک بخت روح آئے۔ تختی کے چلنے پر پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں؟ جواب لکھا گیا ''ممتاز محل'' کیا ملکہ ممتاز محل؟ جواب ملا۔ جی ہاں! عرض کیا گیا۔ اگر آپ سے سوالات کیئے جائیں تو آپ جواب دیں گی؟ اثبات میں جواب ملا۔ چند اِدھر اُدھر کے سوالات کے بعد جب ہم ان کی روح کو رخصت کرنے والے تھے۔ تو دیکھا کہ پلانچٹ خود بخود چلنے لگی۔ دیکھا تو لکھا تھا کہ اب میری بھی ایک بات سنئے کہا گیا فرمائیے۔ کیا بات ہے؟ تو لکھا۔ پہلے (اور اسکے بعد ڈیش کھینچا) میرے بچوں کے واسطے دعا کیجئے۔ انہوں نے باپ کے ساتھ سختی کی۔ (دوسرا ڈیش کھینچا۔) میرے نام پر کچھ دیجئے۔ ثواب ہوگا۔ کہا گیا بہت بہتر۔ جواب لکھا گیا میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ اسکے بعد پوچھا گیا کہ کیا آپ جانا چاہتی ہیں۔ جواب ملا دیر تو بہت ہوگئی ہے۔ اب اگر کچھ اور پوچھنا ہو تو اجازت دیجئے۔ ممتاز محل کو رخصت کرنے کے بعد کسی دوسری نیک روح کو آنے کی زحمت دی گئی۔ اس دفعہ شہنشاہ بابر کی روح آئی۔ ملکہ ممتاز محل اور بابر کی روح۔ یہی دونوں

ایسی روحیں تھیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے اسقدر تہذیب و شائستگی سے گفتگو کی۔ جب حاضرات ارواح میں ایسی روحوں سے سابقہ پڑتا ہے تو خوشی ہوتی ہے بابر کی روح کو سلام کیا گیا۔ جواب ملا۔ آباد رہیے۔ پوچھا ہم آپ سے کچھ پوچھ سکتے ہیں۔ جواب ملا۔ جی ارشاد بیٹھنے والوں میں سے کسی نے سوال کیا۔ کہ آپ تو بادشاہ ہیں۔ اس قدر انکساری سے کیوں گفتگو کر رہے ہیں؟ جواب ملا۔ بابا، ہم تم خدا کی نظر میں سب یکساں ہیں۔ پوچھا یہ تو بتایئے کہ اس پلانچٹ پر روحیں کس طرح اور کیوں آتی ہیں؟ جواب ملا آپ مجھ سے وہ بات پوچھ رہے ہیں جس کے بتانے کی اجازت نہیں۔ جواب دینے سے قاصر ہوں۔ پھر ایک روح آئی۔ اس نے نام پوچھنے پر بتایا نور خاں، سوال کیا کہ آپ کون؟ جواب ملا۔ الہ آباد۔ آخر انہیں رخصت کر دیا۔ پھر ایک عورت کی روح آئی جس کے نام کا ایک جزو جہاں تھا۔ ان کے جوابات تھے۔ میں نور خاں کی بیٹی ہوں وہی نور خاں جنکی روح ابھی آپ کے پاس آئی تھی۔ میرے والد کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ کاروبار اچھے پیمانہ پر تھا۔ اب اولاد موجود ہے مگر حالت زوال میں ہے۔ والد کے انتقال کو آٹھ سال اور مجھے مرے ہوئے بارہ سال ہوگئے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا۔ نہ اپنا نام ظاہر کیا۔ ایک مرتبہ میرے ایک عزیز کے والد کی روح آئی۔ اور اپنا نام لکھ کر اپنے بیٹے کے لئے کہا وہ یہاں ہو تو مجھے بلا لینا مجھے ان سے کچھ کام ہے۔ ہاں یہ تجربہ اکثر ہوا ہے کہ زوال کے وقت کوئی روح نہیں آتی خوا کتنی ہی دیر پلانچٹ پر ہاتھ رکھ بیٹھے رہیے۔ یہ عزیز عموماً بارہ بجے آتے تھے اس اندیشے سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس وقت بلایا جائے؟ جواب ملا ان کے لئے (بیٹے کی طرف اشارہ ہے) جس وقت بلاؤ گے چلے آئیں گے خیر دوسرے روز بارہ بجے بیٹے کی موجودگی میں باپ کی روح کو بلایا گیا روح نے ان کو مخاطب کر کے لکھا کہ

میرے سب گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے (اس وقت اچھی طرح یاد نہیں کہ معاف کر دیئے کہا تھا یا بخش دیئے) اور فردوس میں جانے کا حکم ملا ہے۔ اب میں تم سے بھی معافی کا خواستگار ہوں۔ پھر توقف کے بعد لکھا کہ اپنی والدہ سے بھی یہی کہنا۔ اسکے بعد ایک اور روح کو بلایا گیا۔ جس کے آنے پر تختی اِدھر اُدھر دوڑتی پھرتی اور آخر میں ان کے والد کا نام لکھ کر کہا کہ ان کا تو وعدہ

تھا اس لئے آگئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی روحوں کو طلب کیا گیا۔ مثلاً شہنشاہ اکبر کی والدہ! جنہوں نے پہلے اپنا نام ہی نہیں بتایا اور لکھا کہ تم غیر ہو۔ لیکن حاضر ہوگئی ہو۔ عجیب بات کہ "حاضر" کا لفظ سب روحیں لکھتی ہیں۔ یہ کوئی نہیں لکھتا کہ آگئی یا آگیا ہوں! خیر جب بہت کہا گیا تو والدہ اکبر بادشاہ لکھا بعض باتیں اور بھی قابل ذکر ہیں۔ کہ پورا جملہ لکھنے اور پلانچٹ کو اس سے دور ہٹا کر رکھنے کے بعد اگر جملے کا کوئی لفظ نہ پڑھا جا سکا۔ یا غلط پڑھا گیا۔ تو پلانچٹ دوڑ کر وہاں جاتا اور اس لفظ کو مٹا کر صاف لفظ لکھنے کی کوشش کرتا۔ پھر بھی سمجھ میں نہ آتا تو اسکا ہم معنی کوئی اور لفظ لکھدیا جاتا بلکہ بعض اوقات مفہوم کی وضاحت کر دی جاتی۔ ہاں یہ لکھنا بھول گیا کہ ان روحوں میں جن کو نام بنام بلوایا گیا۔ صرف خواجہ حسن نظامی کے خسر جناب صادق مرحوم کی روح ایسی تھا۔ جو بہت جلد آئی بہت سہولت و آمادگی کے ساتھ ہر سوال کا جواب دیا۔ آہستگی سے سوالات کے جوابات لکھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کیا آپ جانا چاہتے ہیں۔ تو جواب دیا کہ نہیں اگر آپ کچھ اور پوچھنا چاہتے ہیں تو پوچھیے۔ اس سارے تجربے میں صرف انہی کی روح ایسی تھی۔ جس نے جانا نہ چاہا میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ واہمہ کی خلاقی تھی یا کیا تھی؟ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ اس وقت مجھے پر ایک خاص کیفیت احترام طاری ہوگئی تھی۔ ان کے آنے پر جب ان کا نام پوچھا گیا۔ تو کسی قدر حیرت ہوئی۔ جب انہوں نے اپنا نام "ستولیا۔" لکھا۔ اسوقت یہ ذہن میں بھی نہ تھا کہ ان کا یہ نام ہو سکتا ہے۔ ان سے جو سوالات کیے گئے وہ حسب ذیل ہیں۔

سوال۔ کیا آپ شہید ہیں؟

جواب۔ جی ہاں

سوال۔ آپ کو کس نے قتل کیا۔

جواب۔ یہ سوال نہ کیجیے۔

سوال۔ اچھا یہ بتایئے کہ آپ کا قاتل ہندو تھا یا مسلمان؟

جواب۔ ہندو

سوال۔ کیا آپ کو جوابی طور پر انتقاماً قتل کیا گیا؟

بہت جلدی سے جواب لکھا۔ نہیں!

یہ ہے بیان جناب رفیعی اجمیری کا! اگر یہ بیان کسی خاص نتیجے تک ہماری رہنمائی نہیں کرتا۔ میں کہیں ذکر کر چکا ہوں کہ ایک زمانے میں شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی نے بھی پلانچٹ کو اپنا تختہ مشق بنایا تھا۔ اور وہ اس آلے کے ذریعہ روحوں سے سوال جواب کیا کرتے تھے۔ انہوں نے متعدد مرتبہ یہ واقعات مجھ سے بیان کئے۔ مرزا غالب کی روح سے سوال کیا گیا۔ کہ شراب نوشی کے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے۔ مرزا صاحب نے جواب دیا کہ اہلِ ظرف کے لئے حلال اور کم ظرفوں کے لئے حرام ہے۔ خود مرزا غالب نے ایک فارسی شعر میں یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

پیانہ بر آں رند حرام است کہ غالب
در بے خودی اندازۂ گفتار نماند

اس رند پر پیانہ حرام ہے جو بے خودی میں بہکنے لگے جوش صاحب نے اور بہت سے مرنے والوں سے گفتگو کی۔ کہتے تھے کہ وہ حاضراتِ ارواح کی رُوداد ایک رجسٹر پر لکھ لیا کرتے تھے اور یہ بڑا ضخیم دفتر بن گیا تھا ایک روز راجہ صاحب محمود آباد کی نظر اس دفتر پر پڑ گئی۔ وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اب معلوم نہیں کہ وہ ارواح نامہ کہاں ہے اور کس کے پاس ہے؟

روحانی تختہ

ظفر قریشی دہلوی رقم طراز ہیں کہ

یہ کہنا کہ عالم ارواح سے ایک ایسی تمثیل (ڈرامہ) وصول ہوئی ہے جیسے ایک شخص نے اپنی موت کے بیس سال کے بعد لکھا تھا یہ نہ صرف مابہ النزاع بحث ہوگی۔ بلکہ بعض حلقوں اس بحث کو مضحکہ خیز بھی سمجھا جائے گا۔ یہ تمثیل انگریزی زبان کے مشہور ادیب و تمثیل نگار اوسکر وائیلڈ کے دماغ کی پیداوار ہے۔ جسے خود مصنف نے غیر معمولی کارنامہ قرار دیا ہے۔ لوگ اسے کسی طرح معجزہ یا کرامت نہ سمجھیں۔ البتہ یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ یہ ایک مزید ثبوت ہے اس بات کا کہ ہم

ارواح سے پیغامات اور مراسلات کا تبادلہ کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہ روحیں مرنے کے بعد نہ صرف زندہ رہتی ہیں بلکہ اپنی انفرادیت بھی قائم رکھتی ہیں۔ اوسکر وائیلڈ کے بہت سے مراسلے یا تو آزاد نگاری کے ذریعہ وصول ہوئے ہیں یا روحانی تختے Ouja Bord کے ذریعہ اوجا بورڈ بھی پلانچٹ کی طرح عمل کرتا ہے۔) اوجا بورڈ لکڑی کا ایک بورڈ ہوتا ہے۔ جسکی لمبائی ڈھائی فٹ ہوتی ہے۔ اسپر حروف تہجی لکھے ہوتے ہیں۔ اس تختے پر ایک اور چھوٹا تختہ ہوتا ہے۔ جس کی شکل دل کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس میں عموماً تین ٹانگیں اِدھر اُدھر نکلی ہوتی ہیں۔ جسکی درمیانی ٹانگ بطور اشارہ کنندہ کام کرتی ہے۔ جسوقت مطلوبہ اشخاص اس قلب چوبیں (لکڑی کے بنے ہوئے دل) پر آہستہ سے ہاتھ رکھتے ہیں۔ تو اشارہ کرنے والی نوکیلی لکڑی حرکت کرنا شروع کرتی ہے۔ اور ہر ہر مطلوبہ حرف پر ٹھہر کر ہجے کرتی جاتی ہے۔ تاکہ دوسرا آدمی اسے دیکھ کر الفاظ بناتا اور درج کرتا رہے۔ جو مراسلات خود نگاری اور روحانی تختے کے توسط سے وصول ہوئے وہ کتابی صورت میں مسٹر ڈی اور مسز اسمتھ معمولہ نے مرتب کر کے شائع کر دیے ہیں۔ اوا وسکر وائیلڈ کے روحانی مراسلات کے نام سے فروخت ہو رہے ہیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ مسٹر ڈی اور مسز اسمتھ (روحانی معمولہ) ایک حاضرات ارواح کی ایک نشست کر رہے تھے۔ اور ان کے ایک مردہ دوست کا پیغام وصول ہو رہا تھا۔ کہ یکا یک موضوع بدل گیا۔ گویا پنسل کسی دوسری طاقت نے گھسیٹ لی۔ اس دخل در معقولات پر مسز اسمتھ نے سوال کیا کہ تم کون ہو؟ اس کے جواب میں ذیل کا پیغام وصول ہوا۔ دنیا میں یہ منادی کرنے کے لئے اوسکر وائیلڈ مردہ نہیں۔ زندہ ہے۔ ذیل کا پیغام بغرض اشاعت بھیجتا ہوں۔ لوگ حسن کی دیوی کی آواز سُن سکتے ہیں جو پہاڑ پر کھڑی ہوئی آواز دے رہی ہے۔ یا اپنی نرم خرامی سے شبنم کی موتیوں کو پامال کرتی رہتی ہے۔ اس دنیا میں ارضی حسن کی یاد ایک میٹھا میٹھا درد پیدا کر دیتی ہے۔ دنیا میں کسی لالے کی سُرخی، کسی گھونگے کی مہنی کنارے اور کسی لہر کا نغمہ ایسا نہ تھا۔ جو میرے لئے کوئی پیغام حیات نہ رکھتا ہو۔ کسی راز کا انکشاف یا کسی تخیل کو مس نہ کرتا ہو۔ تو یہ لوگ جام خیال کی تلچھٹ پی کر مست اور مگن ہو گئے۔ مگر مجھے تو شراب حیات کے ارغوانی جرعوں کی ضرورت تھی (وغیرہ وغیرہ)

غرض تمام مراسلات میں اسکر وائیلڈ کا مخصوص طرز نمایاں نظر آیا ہے مگر سب سے زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ ان مراسلات کا املا بھی اوسکر وائیلڈ کے خط سے ملتا جلتا ہے۔ان مکتوبات میں اوسکر وائیلڈ کی نجی زندگی کے بہت سے ایسے واقعات کی جانب ضمناً تذکرہ آگیا ہے جن کا علم اوسکر وائیلڈ کے سوائے اور کسی کو نہ تھا۔معمولہ تو فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ تھی۔

کیا یہ مراسلات اوسکر وائیلڈ کے ہیں۔یا اسکی کوئی اور توجیہہ بھی ہو سکتی ہے۔سوال یہ ہے کہ یہ مراسلے (اور پیغام) معمولہ کے لاشعور کی تخلیق تھے جس کے متعلق ماہرین کا بیان ہے کہ "ہم جو کچھ دیکھتے سنتے یا جانتے ہیں وہ دماغ میں ایک ناقابلِ محو نقش کی صورت میں محفوظ رہتا ہے۔اور اگر حالات سازگار ہوں تو ضرورت کے وقت حافظہ کی وساطت سے (ذہن کی) سطح پر (وہ محفوظ کردہ یادداشتیں) ابھر آتی ہیں۔

مسز اسمتھ کا بیان ہے کہ ہم میں سے کسی نے کبھی۔اوسکر وائیلڈ کی تحریریں نہیں پڑھیں۔نہ ہمیں اسکی زندگی سے کوئی دلچسپی تھی۔پھر نہیں کہا جاسکتا کہ ہمارے لاشعور نے یہ مراسلات خود تحریر کرادیئے۔ہم نے کبھی اوسکر وائیلڈ کی تحریر نہیں دیکھی تو پھر نہیں سمجھ سکے۔کہ اس کے املا کی نقل کس طرح ممکن ہے؟اور اگر ہم نے (فرض کیجئے اسکی تحریر) دیکھی بھی تھی تو نقل تو ایک دو صفحوں تک نبھ سکتی ہے۔مسلسل سو صفحے ایک ہی انداز تحریر میں لکھنا کسی ماہر سے ماہر نقال کے بس کی بھی بات نہیں۔یہ مسودہ (غیر معمولی تمثیل) اسقدر طویل اور سلسلہ دار ہے۔کہ کسی ایک ہی شخص کے دماغ کی جھلک ہر جگہ نظر آتی ہے۔اس کا طرز انشا روہی ہے۔جو اوسکر وائیلڈ سے مخصوص ہے۔خود اوسکر وائیلڈ نے اپنا ایک پیغام S.P.R مجلس تحقیقات روحانی) کے نمائندے مسٹر ڈانگوال کے سامنے دیا تھا۔پیغام درج ذیل ہے۔

کیا آپ لوگوں کو میری شخصیت پر شبہ ہے؟ہاں مجھے خود بھی اکثر شبہ ہو جاتا ہے۔بلکہ میں زندگی میں بھی شبہ کرنے لگتا تھا مجھے مجلس تحقیقات روحانی سے بہت دلچسپی ہے۔وہ قابلِ تعریف کام کر رہی ہے۔کیونکہ وہ نیک نیتی سے ہر چیز کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتی ہے۔عرصہ سے میری تمنا تھی کہ زندہ لوگ کوئی ایسی سوسائٹی بنائیں جو ارواح سے سلام و پیام کا سلسلہ جاری کرے۔چنانچہ

یہ قائم ہوگئی ہے۔اس میں کوئی رکن ساٹھ برس سے کم عمر کا نہ شامل کیا جائے چنانچہ اس رعایت سے اس انجمن کا نام "عمر رسیدہ تاریک سایوں کی انجمن" رکھا جائے۔ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ اس عالم ہست کی حقیقت معلوم کریں۔اور سب سے پہلے مسٹر ڈنگوال کی ہستی کی! پھر اگر فیصلہ ہو جائے کہ وہ امر واقعہ ہیں تو ہمیں بہت شد و مد کے ساتھ مخالفت کر کے انہیں رومان ثابت کر دینا چاہیے۔

اوسکر وائیلڈ کے علاوہ اور کوئی ایسا مزاحیہ رنگ پیدا نہیں کرسکتا جب لوگ غیر معمولی تمثیل کو دیکھتے ہیں تو سوال کرتے ہیں کہ کیا اس میں بھی اوسکر وائیلڈ کی تحریر کی خصوصیات، پاکیزگی خیال، عجیب تلمیحات اور مزاح کی چاشنی موجود ہے یا نہیں، یقیناً ہے۔ماہروں نے اس تمثیل کو دیکھا ہے۔اور وہ متفق الرائے ہیں کہ ایسی تمثیلات اوسکر وائیلڈ ہی لکھ سکتا ہے۔غیر معمولی تمثیل کے لئے املا کا ثبوت بہم نہیں پہنچایا جاسکتا ہے۔کیوں کہ وہ تمام کی تمام اوجا بورڈ کے ذریعے وصول ہوتی ہے۔جس وقت اوسکر وائیلڈ سے تمثیل لکھوانے کو کہا گیا۔تو اس نے رضامندی کا اظہار کر دیا۔ البتہ یہ ضرور کہا کہ اوجا بورڈ کے ذریعے تمثیل لکھوانا مشکل ہے۔مگر وہ کوشش کریں گے۔

شروع شروع میں اوسکر وائیلڈ نے انیسویں صدی کے طرز پر عبارت لکھوانا شروع کی۔اس پر مسز اسمتھ نے اعتراض کیا۔اور کہا کہ اب یہ طرز تحریر متروک ہے اس لئے وہ اپنی اصل خوبی برقرار رکھیں۔اکثر اوقات وہ تمثیل لکھواتے لکھواتے اتنی ترش روئی اور طنزیہ عبارت لکھوانے لگتا کہ معمولہ کو غصہ آجاتا۔جب تک یہ تمثیل ختم نہ کی گئی۔اسوقت تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس تمثیل کو کس طرح ختم کیا جاسکے گا؟ اس کا مفہوم بالکل مبہم اور بیسیوں ٹکڑوں پر منقسم تھا لیکن جب مس کنس نے اسے صاف کر کے ترتیب وار ٹائپ کیا۔عنوانات قائم کئے۔املا درس کیا۔تو اس نے ایک عمدہ مسلسل تمثیل کی شکل اختیار کرلی۔غیر معمولی تمثیل میں تین ایکٹ ہیں منظر اول کا عنوان ہے۔"نگار خانہ" دوسرا ایکٹ بھی اسی نگار خانے میں اسٹیج ہوتا ہے۔اسی ایکٹ کا تیسرا منظر تھیٹر میں پیش کیا جاتا ہے، تیسرا ایکٹ دوسری دُنیا میں ہوتا ہے۔اور یہی ایکٹ ساری تمثیل کی جان اور اپنی طرز کا عجیب وغریب ایکٹ ہے۔خود اوسکر وائیلڈ اسٹیج کی تکنیک نہ سمجھا دیتا تو کوئی تھیٹر اسے پیش کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔اس ایکٹ کا عنوان ہے" سڑک ایک آرام گاہ" مصنف نے

جو ہدایات دی ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں۔ اسٹیج پر صرف اُونچے اونچے ستون نظر آئیں۔ چھت پر تماشائیوں کی نظر نہ پڑے۔ کھلی ہوا کا منظر ہو۔ ایک مصنوعی آسمان کا ٹکڑا بھی پُشت پر سے دکھایا جائے۔ اِس وجہ سے دیواریں بھی نہیں ہونا چاہئے۔ صرف لمبے لمبے ستون ہوں۔ سنہرے رنگ کی مصنوعی روشنی ڈال کر شام کا منظر ابھارا جائے۔ گویا آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ اور اسکی (سُرخی مائل) کرنیں پڑ رہی ہیں۔ اسٹیج پر کہیں کہیں نشیب و فراز ہونا ضروری ہے تا کہ سپاٹ تختے نظر نہ آئیں۔ روحیں زرد لباس میں ملبوس ہوں۔ یہ زردی شوخ نہ ہو۔ بلکہ شہد کی طرح سنہری زرد ہو۔ ان کے کپڑوں سے ورع و پاکیزگی ظاہر ہونا چاہئے۔ نیز ذکور و اناث۔ (مرد و عورت) کی بھی تمیز ہو سکے۔ ایک کونے پر تھوڑا سا سایہ ڈالا جائے مگر اسٹیج کا بقیہ حصہ روشنی سے جگمگا رہا ہو۔ ایکٹ شروع ہوتے وقت میٹھے میٹھے مگر بلند آہنگ سر نکلنے چاہیں۔ البتہ الفاظ نہ ہوں۔ صرف راگ کے سُر سنائی دیں۔ مسافر یعنی روحیں اپنی موجودہ بستی (یعنی عالم ارواح میں آنے پر) خوف زدہ ہونے کی بجائے کسی قدر متعجب نظر آئیں۔ خوف و دہشت کا منظر پیش نہ کیا جائے جس وقت پردہ اٹھے تو چند روحیں آپس میں باتیں کرتی دکھائی دیں۔ اس ایکٹ کے تمام کردار تاریک سائے ہیں۔ خود اوسکر وائیلڈ کے لہجے میں۔ "مسافر روحیں" تمثیل کا اختتام گو عام روش کے مطابق شادی اور کلیسا کی گھنٹیوں پر نہیں ہوتا۔ تاہم خاتمہ بالخیر یعنی خوشی و کامرانی پر یہ تمثیل ختم ہو جاتی ہے۔

مصنف کی طرف سے شکریہ

۳۱ جون ۱۹۲۴ء کو نصف شب کے قریب ایک نشست کے دوران مسز اسمتھ نے اوسکر وائیلڈ سے درخواست کی کہ وہ تمثیل کے بارے میں کوئی پیغام لکھوائیں۔ چنانچہ مصنف (اوسکر وائیلڈ) نے حسب ذیل پیغام لکھوایا۔ جس میں مسز اسمتھ کا شکریہ ادا کیا گیا۔ عزیز خاتون! تم کہتی ہو کہ ان لوگوں کے لئے جو میری ادبی مصروفیات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ کوئی پیغام لکھواؤں۔ مجھے مرے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔ اسوقت ہم تاریکی میں ہیں۔ تمام مجرموں میں بھوت کو سب سے بڑا مجرم مانا گیا ہے کیونکہ لوگ سب سے زیادہ شک و شبے کے ساتھ اسی کو دیکھتے ہیں۔ آپ مجھ پر اعتماد

کریں یا نہ کریں۔ شبے کی نظر سے دیکھیں یا نہ دیکھیں۔ مگر میں یہ بیان دینا چاہتا ہوں کہ میں اس دُنیا میں بھی ایسا ہی ہوں۔ ایسا ہی دماغ رکھتا ہوں۔ جیسا کہ آپ لوگوں کی دنیا میں رکھتا تھا۔ حال ہی میں آپ نے مجھ سے ایک تمثیل لکھوائی ہے۔ میں اس کا ممنون ہو کہ مجھے اس عالم میں بھی چین نہ لینے دیا۔ خیر اس قدر دانی کا شکریہ! میں خود اس تمثیل سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ میری رگِ ظرافت اب تک پھڑکتی رہتی ہے۔ جس وقت اس تمثیل کو اسٹیج پر لایا جائے گا۔ اور شب اوّل ہو گی تو میری روح اسے دیکھنے کے لئے ضرور آئے گی۔ ناظرین کو میری آمد کی خبر ہو یا نہ ہو لیکن میں ان کے درمیان ضرور موجود ہوں گا۔ جس وقت تمثیل پیش کی جا رہی ہو گی۔ تو میں لوگوں کے باہمی گفت و شنید اور نکتہ چینی ضرور سنوں۔ کیونکہ تمثیل کی شب اوّل میں نکتہ چینی کا دروازہ ہر طرف سے کھل جاتا ہے۔ چنانچہ جب میری روح کی تعریف یا نکتہ چینی کی جائے گی۔ تو مجھے مسرت ہو گی۔ میرے مخالفین کہیں گے کہ میں نے اس عالم میں آ کر اپنا ادبی مذاق بگاڑ لیا ہے۔ اسپر میرے مدّاح شد و مد سے مخالفت کریں گے۔ غرض میں دعوت دیتا ہوں۔ کہ لوگ میری تمثیل دیکھنے آئیں۔

کس قدر حیرتناک

سوال یہ ہے کہ یہ سب کیا ہے؟ کیا یہ محض ایک ڈرامہ ہے کیا یہ سب کچھ انسانی تخیل کی واہمہ طرازی ہے؟ کیا حاضراتِ ارواح کے تمام مدعیان مسلسل جھوٹ بولے چلے جا رہے ہیں کیا ہزاروں سال سے دروغ بافی کا یہ کارخانہ برابر چل رہا ہے خیر ہم تسلیم کئے لیتے ہیں آج سے ایک سو سال قبل تک روحوں کے کرشموں کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا تھا وہ صرف وہم و فریب خیال کا نتیجہ تھا۔ عہد قدیم کا انسان سائنٹفک نقطۂ نظر سے بے بہرہ تھا۔ اور وہ ہر سائے کو حقیقت اور ہر چھلاوے کو صداقت تسلیم کر لیتا تھا۔ مگر یہ تو ترقی اور حقیقت پسندی کا زمانہ ہے۔ عہد قدیم کے بہت سے اوہام باطل ہو چکے ہیں۔ کائنات کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر سو فیصد تبدیل ہو چکا ہے۔ آج ہم مادّے اور توانائی کے مظاہر کو جتنی باریک بینی کے ساتھ سمجھ چکے ہیں اور فطرت کی عظیم الشان

قوتوں کا استعمال جس یا مردی اور خود اعتمادی کے ساتھ کر رہے ہیں۔ ماضی میں اسکا خواب بھی نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ تو پھر عہد جدید میں اس قسم کے خارق العادت (سپر نارمل) مظاہر کی تحقیق کے جو سروسامان ہو رہے ہیں۔ اور ٹیلی پیتھی، مستقبل بینی اور بقائے روح کے بارے میں سائنسی آلات کی مدد سے جو ثبوت بہم پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اسکی تاویل و تعبیر کس طرح کی جائے گی۔ یہ تمام سوالات غیر معمولی طور پر اہم ہیں اور ضروری ہے کہ ہم بھی ان مسائل کا مطالعہ، اوہام و شکوک، کو برطرف رکھ کر حقیقت پسندی کے ساتھ کریں۔ مجھ سے بہت سے لوگوں نے حاضراتِ ارواح کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی خط و کتابت کی ہے۔ عبدالغفار عبدالستار (نور منزل کراچی) لکھتے ہیں کہ

نانی کی رُوح

رئیس صاحب! میری نانی ضعیفی کی عُمر میں چار سال قبل انتقال کر گئیں۔ میں انہیں بچپن سے دیکھتا آ رہا تھا۔ میری پرنانی اور نانی کے درمیان (حالانکہ وہ سگی ماں بیٹی تھیں۔) ہمیشہ لڑائی جھگڑا رہتا تھا۔ جھگڑے کی وجوہ چھوٹی موٹی گھریلو باتیں ہوا کرتی تھیں۔ میری پرنانی۔ میری نانی، بڑی خالہ، اور چھوٹے ماموں کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ انہیں بڑی خالہ بڑے ماموں سے بے حد محبت کرتی تھیں۔ ۲۲ راگست (پیر) کا ذکر ہے رات کو میری نانی، چھوٹی خالہ، بڑی خالہ، بڑی بہن، اور بڑے ماموں تیسری منزل پر واقع اپنے گھر میں سو رہے تھے۔ میرا چھوٹا ماموں اپنی بیوی اور بچی سمیت چھت پر کیبن میں سو رہا تھا۔ واضح ہو کہ یہ چھت پہلے میری پرنانی کی رہائش گاہ تھی جہاں وہ تنہا رہتی تھیں۔ اور یہاں بڑے ماموں اور چھوٹی خالہ کو وہ نہ آنے دیتی تھیں۔ خیر رات کو ان لوگوں نے کافی شروغل سُنا۔ جیسے کوئی بھاری سامان اِدھر سے اُدھر پھینک رہا ہو۔ میری نانی نے بڑے ماموں کو رات کے ڈھائی بجے کے قریب چھت پر بھیجا کہ دیکھے کیا بات ہے کیبن کے باہر جو برآمدہ ہے۔ اسپر کوئی چھت نہیں ہے ماموں جان نے اوپر جا کر دیکھا لیکن کوئی بات نظر نہ آئی۔ انہوں نے چھوٹے ماموں کو آواز دی۔ وہ جاگ رہے تھے۔ چھوٹے ماموں نے دروازہ کھولے بغیر بتایا

کہ کوئی بات نہیں۔ بلیاں لڑ رہی تھیں۔ یہ سارا شوروغل انہیں کی وجہ سے تھا چھوٹے ماموں کا بیان ہے کہ جب بڑے ماموں چلے گئے تو انہوں نے دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ دروازہ کے سامنے پرنانی مرحومہ کھڑی ہیں سفید لباس میں ملبوس! یہ دیکھ کر کہ چھوٹے ماموں کے ہوش اُڑ گئے۔ انہوں نے فوراً دروازہ بند کر لیا۔ اور تقریباً دس منٹ تک ان پر عجیب مدہوشی اور بے خودی کی کیفیت طاری رہی۔ اسی عالم بے خودی میں انہیں اپنے پیر کی زیارت ہوئی۔ پیر صاحب نے کہا گھبراؤ نہیں۔ یہ تو تمہاری پرنانی کی روح ہے۔ دس منٹ بعد جب چھوٹے ماموں نے بے خوف ہو کر دروازہ کھولا۔ تو مرحومہ بدستور موجود تھیں۔ ان کے بیان کے مطابق آدھے چہرے کے علاوہ تمام جسم کفن میں ڈھکا ہوا تھا چہرہ خطرناک نظر آتا تھا۔ کفن جگہ جگہ سے بوسیدہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے ماموں کو کوسے دیتے ہوئے کہا کہ تو نے زندگی میں کبھی میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ اور اب موت کے بعد قبر پر بھی نہیں آتا۔ (واضح رہے کہ چھوٹے ماموں کبھی نہ کبھی پرنانی کو ڈانٹ بھی دیتے تھے) اس کے بعد انہوں نے کہا کہ تم میرے کپڑے قبر پر رکھ کر کسی مستحق کو دیدینا۔ اور میری رقم میں سے تم ایک پیسہ مت لینا (واضح رہے کہ یہ اس دو (۲) ہزار روپے کی رقم کی طرف اشارہ ہے جو پرنانی مرحومہ بیسے کی اقساط کے سلسلے میں ادا کر چکی تھیں۔) اسکے بعد انہوں نے میری والدہ کو نصیحت کی کہ میٹھے چاول تقسیم کر دیں۔ اسطرح تقریباً بیس منٹ تک پرنانی مرحومہ سے میرے چھوٹے ماموں کی گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں مرحومہ نے کہا بیٹا میں نے تمہیں ڈانٹا ہے۔ آؤ تمہارے سر پر ہاتھ پھیر دوں۔ اب چھوٹے ماموں میں طاقت باقی نہ تھی۔ وہ دروازے سے باہر نہ نکلے اور چکرا کر گر پڑے۔

عبدالغفار کا یہ بیان قابل غور ہے اس واقعے کی توجیہہ کس طرح کی جائے گی۔ حاضرات ارواح کے رمزدانوں کا بیان ہے کہ بعض روحیں اپنے بھاری اور بھدّے جذبات کے سبب عالم بالا میں بلند ہونے کی صلاحیتیں ضائع کر دیتی ہیں۔ وہ زمین سے چمٹی رہتی ہیں اور طرح طرح سے اپنا مشاہدہ کراتی ہیں۔ انہیں مرنے کے بعد بھی معاملات دنیا سے اتنی ہی دلچسپی رہتی ہے۔ جتنی عالم حیات میں تھی۔ کسی کو متروکہ مال کی یاد ستاتی ہے۔ کوئی پس ماندہ اعزا کے غم میں مبتلا ہوتا

ہے۔ کسی کے لئے حرص حسد اور انتقام کے جذبات پایہ زنجیر ہو جاتے ہیں۔ عبدالغفار نے اپنی پرنانی کے سلسلے میں جو واقعات بیان کئے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ مرحومہ کے تعلقات اپنی بیٹی (عبد الغفار کی نانی) اور نواسوں کے ساتھ بہتر نہ تھے آپس میں لڑائیاں رہتی تھیں عجب نہیں کہ پرنانی کی روح پر ان تمام حوادث کا دباؤ ہو۔ اور وہ مسلسل اپنے اعزا سے مخاطب ہونے کی کوشش کرتی رہی ہوں یہ زمیں بستہ روحیں اپنے لئے بھی تباہی لاتی ہیں اور دوسرے کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

سیاہ سرنگ

محمد احمد سبزواری (۱۱۷۴۔۳ پی آئی بی کالونی کراچی ۵) اپنے ایک معلومات افزا مکتوب میں لکھتے ہیں کہ

امریکہ کے مشہور رسالے، نیوز ویک کی اشاعت ۱۲ر جولائی ۱۹۷۶ء میں آپ کے پسندیدہ موضوعات میں سے "حیات بعد الممات" کے موضوع پر ایک مضمون چھپا ہے۔ اس کا لب ولباب پیش خدمت ہے

اسپتال کے ناگہانی حوادث کے شعبے میں ایسے مشاہدے عام ہیں۔ کہ ایک مریض کو مردہ قرار دے دیا گیا اور پھر ناگہانی یا کچھ وقفے کے بعد جب وہ طبی امداد کی بدولت دوبارہ زمانہ ہوا۔ تو اس نے موت اور حیات جدید کے درمیان وقفے کی جو تفصیل بیان کی۔ وہ عجیب بھی ہے۔ اور سبق آموز بھی۔ ان مر کر جی اٹھنے والوں کے بیانات کا جز و مشترک یہ ہے کہ ہمیں ایک طویل سیاہ سرنگ سے گزرنا پڑا۔ ہم نے عجیب قسم کا شور وغل سنا اور ہم نے اپنے کو جسم سے باہر پایا۔ اور ڈاکٹروں کی ان کوششوں کو حیرت سے دیکھا جو وہ ہماری جان بچانے کے لئے کر رہے تھے۔ جو کچھ کہا گیا۔ وہ ہم نے دیکھا البتہ ہم کسی سے مخاطب نہ ہو سکتے تھے۔ مخاطب ہوتے تو کوئی متوجہ نہ ہوتا۔ صورت یہ ہوتی ہے (مر کر جی اٹھنے والوں کے بیان کے مطابق) کہ ہم اپنے عزیزوں اور دوسروں کی موجودگی کو محسوس کرتے ہیں۔ پھر بتدریج ایک مبہم نورانی ہیولے میں تبدیل ہو جاتے ہیں پھر ہمیں اپنی

پچھلی زندگی کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں اور وہ ہیں ہمیں اپنی زندگی کا محاسبہ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے (میں یہ پوری تفصیلات عامل ارواح جلد دوم میں نقل کر چکا ہوں) مردہ یا مریض اس نورانی جسم میں رہنا چاہتا ہے۔ لیکن مجبوراً اسے اپنے طبعی جسم میں ڈھکیل دیا جاتا ہے۔ اور وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ ایک عرصہ تک ان باتوں کو فریب خیال سے تعبیر کیا جاتا رہا۔ مگر اب متعدد دماغی معالجین اور ماہر نفسیات سنجیدگی سے اس معمہ کو سلجھانے کی کوشش میں مصروف ہیں ڈاکٹر ایلز بتھ کوبلراس جو امراض دماغی کے ماہر ہیں۔ مرنے والوں (اور پھر جی جانے والوں) کے سینکڑوں بیانات سن کر۔ حیات بعد الممات کی قائل ہو گئی ہیں۔ جب کہ دوسرے علمائے نفسیات کا خیال ہے کہ ڈاکٹر کوبلراس نے مریضوں (جو بظاہر مر گئے تھے) کے بیانات کو غیر معمولی اہمیت دیدی ہے۔ تاہم ان کے بیانات سے نفسیات دانوں کے دلچسپی (حیات بعد الممات کے موضوع سے) بڑھ گئی ہے کوبلراس نے مرنے والوں کا یہ احساس کہ وہ اپنے جسم سے الگ ہو گئے ہیں اس سلسلے میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ جب کہ ان کا تنفس ختم ہو گیا حرکت قلب بند ہو گئی ہے۔ دماغ کی رگ معطل ہو گئیں۔ پھر وہ ان واقعات کو جو ان کے گرد و پیش پیش آ رہے ہیں۔ اتنی صحت سے کس طرح بیان کر سکتے ہیں؟ ایک مردہ یہ کس طرح بتا سکتا ہے کہ اس درمیان میں کون لوگ اسکے کمرے میں داخل ہوئے۔ کون کون اس کے جسم پر کام کرتا رہا ان حقائق کو فریب نظر یا فریب تخیل کہہ کر نہیں ٹالا جا سکتا۔ ڈاکٹر ایلز بتھ کوبلراس کا اصرار ہے کہ اگر چہ ہر مریض کا بیان ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ تاہم چند باتیں ہر بیان میں مشترک ہوتی ہیں۔ مثلاً سکون دائمی کا احساس اپنی کلی شخصیت کا ایقان اور اپنے مرحوم اعزا و احباب کی طرف سے تہنیت و مبارکباد کا سلسلہ! اسی لئے مرنے والے ان کوششوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ جو انہیں جلانے کیلئے کی جاتی ہیں۔ ان کیلئے موت میں سکون اور امید دونوں کا احساس پایا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی دوبارہ مرنے سے خوفزدہ نظر نہیں آتا۔ ڈاکٹر کوبلر راس ہوں یا برطانیہ کے مشہور مجلس تحقیقات نفسی (S.P.R) کے اراکین! سب کے سب پچھلے ایک سو برس سے حیات بعد الممات کے مسئلے اور روحی مظاہر کی تحقیقات میں لگے ہوئے ہیں۔ یہاں دو اور دو چار کی طرح کسی بات پر اور کسی کی بات پر یقین کرنا مشکل ہے۔

ہزاروں سال سے انسانی ذہن کیا، کیوں اور کیسے میں الجھا ہوا ہے۔ اور ابھی ہزاروں سال تک یہ گتھی نہ سلجھے گی۔ میں یہ بات پہلے بھی کئی مرتبہ لکھ چکا ہوں۔ اور اب پھر اس نکتے پر زور دینا چاہتا ہوں کہ خارق العادت مظاہر (مثلاً روحوں سے مکالمہ) کے خلاف انسانی ذہن پر ایک پُرزور طبعی مزاحمت پائی جاتی ہے۔

طبعی مزاحمت

سوال یہ ہے کہ طبعی مزاحمت کیوں ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کی تمام تر زندگی کا انحصار اس کے حواس خمسہ کی کارکردگی پر ہے وہ عادی ہے کہ جب تک کسی چیز کو آنکھ نہ دیکھے کسی آواز کو کان سے نہ سنے۔ کسی شے کو نہ چکھے کسی چیز کو نہ سونگھے۔ اور کسی جسم کو نہ چھوئے وہ اس کے وجود کا اقرار نہیں کرسکتا دنیا کا تمام کاروبار اسی اصول پر چل رہا ہے۔ قابل اعتبار وہ ہے جسے آپکے حواس خمسہ اعتبار کے قابل قرار دیں۔ انسانی عقل صرف انہی نتائج کو قبول کرتی ہے (قبول کرسکتی ہے کیونکہ اسکے اپنے علم کا تقاضہ ہی یہ ہے) جو موجود اور محسوس ہو یا قوی منطقی اور ریاضیاتی دلیلوں سے جنکے وجود کا اثبات کیا جاسکے منطق اور ریاضی انسانی شعور کے اعلیٰ ترین مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں گاڑی کے پہیے اور آگ کی چقماق کی ایجاد سے لیکر خلائی سیاروں اور ایٹمی دھماکوں تک وہی اصول کارآمد ثابت ہوئے ہیں جن کی تصدیق منطق اور ریاضیات نے کردی ہے انسان کی تمام سائنسی آلاتی تکنیکی اور فنی ترقیوں کا انحصار صرف منطق صغریٰ کبریٰ اور ریاضیاتی فارمولوں کے ذریعے ہوا ہے۔ کیمسٹری کے اصول حرکت اور مادے کے قوانین۔ روشنی اور بجلی کے ضابطے یہ سب کے سب عقل اور منطق کی کارگزاری ہیں اور ہم عادی ہیں کہ ان تمام چیزوں کو قبول کرلیں جن تک عقل ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ کیونکہ دس ہزار سال کے انسانی تجربات کے بعد ہمیں ان کی عملی افادیت کا ثبوت مل گیا ہے۔ انسان جن اشیاء کا عادی ہوجاتا ہے ان کا ترک بہت مشکل سے ممکن ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری نگاہوں کے سامنے ایک انسان مرجاتا ہے۔ اور پھر اسکا جسم معدوم ہوجاتا ہے۔ جس کے معدوم ہوجانے کے بعد یہ تصور کہ وہ شخص کسی اور دنیا میں زندہ ہے۔

انسانی عادت کے خلاف ہے۔ کیونکہ ہماری عادت ہے کہ ہم کسی شے یا شخص کا تصور اسکے جسم کیساتھ کریں۔ جسم کے بغیر وجود کا یقین خلاف عادت ہوگا۔ خارق العادت مظاہر وہ ہوتے ہیں۔ جن کی ہمیں عادت نہیں ہوتی۔ مثلاً آنکھوں کے بغیر دیکھنا، کانوں کے بغیر سُننا، ناک کے بغیر سونگھنا، جسم کے بغیر چھونا، اور زبان کے بغیر چکھنا! اب سائنس دانوں کی توجہ خارق العادت اُمور کی تحقیق کی طرف مبذول ہوئی ہے اب تک حاضراتِ ارواح کے جتنے تجربے ہوئے ہیں۔ ان سے کوئی کارآمد بات معلوم نہیں ہوتی۔ اگر چہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور دُنیا کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جہاں بقائے روح کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے متعدد تجربے نہ کئے گئے ہوں۔ مگر اب تک ہمیں کسی روح نے یہ نہیں بتلایا کہ خود "روح" کی حقیقت کیا ہے؟ اس سلسلے میں (حقیقی یا نام نہاد) روحوں سے جو سوال و جواب کئے گئے۔ وہ مضحکہ خیز اور ناقابل ذکر تھے۔ اس موقع پر قرآن مجید کی وہ آیت یاد آتی ہے۔ کہ تم سے روح کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے کہدو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور یہ کہ "تمہیں روح کے بارے میں بہت کم علم دیا گیا ہے" تاہم اِن تجربات کی افادیت سے انکار ممکن نہیں کچھ اور نہیں تو کم سے کم ان تحقیقات سے نفس انسانی کے بارے میں حیرت ناک معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اور برابر اس سلسلے میں نمایاں اور اطمینان بخش پیش رفت جاری ہے۔ مختصر یہ کہ حاضراتِ ارواح کا موضوع ایک حیرت انگیز اور ڈرامائی کیفیت پیدا کرنے والا موضوع ہے۔ اور اس باب میں لوگوں کے بیانات ناقابلِ حد تک چکرا دینے والے ہیں۔ میرے پاس اس قسم کے خطوط کا (جن میں رابطہ ارواح کے کسی نہ کسی پہلو یا کرشمے سے بحث کی گئی ہو) خاصا ذخیرہ ہے اگر چہ بہت کچھ ضائع ہوچکا ہے۔ تاہم جو کچھ باقی ہے۔ وہ بھی تنوع کے اعتبار سے کچھ کم نہیں۔

گفتہ گر شد ز کم شکر کہ ناگفتہ بجاست
از دو صد گنج یکے مشت گہر باختہ ام

حاضرات ارواح کے مختلف طریقے ہیں ان میں سے بعض پر گفتگو کی جاچکی ہے۔ مثلاً پلانچٹ، آزاد نگاری اوجا بورڈ تختہ ارواح! اسکے علاوہ بھی کچھ اور طریقے ہیں۔ جن کے ذریعے نادیدہ

ہستیوں سے ربط پیدا کیا جاتا رہا ہے۔

چند عملیات

عطاء اللہ خان غلزئی رحیم یار خان سے لکھتے ہیں

اسوقت میرے پاس حاضرات ارواح کے تین یا چار عمل ہیں ایک تعویذ لکھتا ہوں۔ وہ تعویذ سات سالہ لڑکی یا لڑکے کے دائیں انگوٹھے پر لپیٹ جاتا ہے۔ انگوٹھے کے ناخن پر سیاہی مل دی جاتی ہے۔ سوکھ جانے پر سرسوں کا تیل لگا دیا جاتا ہے۔ (جس سے اس میں چمک پیدا ہو جاتی ہے) معمول انگوٹھے کو دیکھتا رہتا ہے۔ موکل حاضر ہوتا ہے۔ (یعنی معمول کا اصل سر یا ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتا ہے۔ یا اگر روحی معمول خواندہ ہے۔ تو وہ جواب (جو فرض کیا جاتا ہے کہ عالم ارواح سے مؤکل کے ذریعے موصول ہوا ہے) لکھ کر دے دیتا ہے۔ کہ واقعہ یہ ہے۔ اگر کسی کے یہاں مویشی کی چوری ہے۔ تو مال مسروقہ اور چور کے متعلق بتا دیتا ہے۔ ایک دفعہ کسی بالغ لڑکی کے تعویذ باندھا اس لڑکی سے کہا گیا کہ مؤکل سے کہو کہ فلاں بزرگ کی زیارت کرا دے۔ لڑکی (بحالت استغراق) کہتی ہے کہ وہ بزرگ میرے سامنے مع اپنے رفقاء کے موجود ہیں لڑکی کو ہدایت کی گئی کہ التماس دُعا کرو۔ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ آپ کے لئے دست بدعا ہیں۔ پھر دو اور بزرگوں کی تشریف آوری کی استدعا کی گئی۔ معمولہ نے جواب دیا کہ وہ دونوں بزرگ گھوڑوں پر سوار تشریف لا رہے ہیں۔ ان سے بھی دعا کرائی گئی اس موقع پر ایک ماہر تنویم آسانی سے کہہ دیگا کہ یہ سب فراڈ اور فریب ہے نہ کوئی روح ہے نہ روحانیت۔ لڑکی تنویمی نیند میں ہے۔ اور عامل کی ترغیب سے سارے جوابات دے رہی ہے۔ اور بس کیونکہ تنویمی عمل میں یہی ہوا کرتا ہے۔ ایک مرتبہ لڑکی نے (استغراق کی حالت میں) کہا کہ میدان کربلا میرے پیش نظر ہے۔ اور فلاں اور فلاں مناظر نگاہ سے گزر رہے ہیں۔ عطاء اللہ غلزئی نے اور چند عملیات کی ترکیب بیان کی ہے۔ جو برصغیر کے دیہات کا معمول ہیں۔ درحقیقت کسی چمکدار شے (مثلاً بلور، آئینہ، شمع، چاند، سورج) پر نظر جمانے سے آدمی پر بہت جلد تنویمی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور اس تنویمی کیفیت میں

معمول جو کچھ بیان کرتا ہے۔ وہ بذات خود طلسم ہوشربا کا ایک باب ہوتا ہے۔ امر وہے میں اختناق الرحم کی مریض عورتوں کو چراغوں کے سامنے بٹھایا جاتا تھا۔ اور میراثنیں ڈھولک بجاتیں۔ ہسٹریا کی مریضہ بہت جلد تنویمی معمولہ کی حیثیت اختیار کر لیتی اور اس علم میں ارواح (نہ جانے وہ اسکے ذہن کی اختراع ہوتی تھی۔ یا واقعی کچھ تھا) سے اس کا ربط قائم ہو جاتا۔ محمد اشفاق (مین روڈ، بکھن پورہ لاہور) میں آپ کی خدمت میں ایک اہم مراسلہ پیش کر رہا ہوں۔ امید کہ آپ اپنی قیمتی رائے سے مطلع فرمائیں گے۔ آج کل پورے پنجاب میں اس واقعے کا چرچہ ہے۔ اور نئی نئی رائے زنی ہو رہی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۸ رمارچ کو بند روڈ (دریائے راوی کے قریب) پر ایک جوان لڑکی کی لاش پائی گئی (یہ ایک کھاتے پیتے گھرانے کی تعلیم یافتہ لڑکی فرزانہ صبوحی تھی۔ جس کا ذکر تفصیل سے اخبارات میں آیا ہے) والدین نے لڑکی کی لاش کو شناخت کر لیا۔ پولیس نے والدین کے بیان کی روشنی میں فرزانہ صبوحی کے دوست جاوید بٹ کو بھی شامل تفتیش کر لیا۔ مزید انکشاف ہوئے۔ معلوم ہوا کہ فرزانہ اور جاوید کے درمیان آٹھ سالہ تعلقات تھے۔ سات مہینے پہلے فرزانہ لیاقت میڈیکل کالج حیدرآباد میں تعلیم حاصل کرنے کے بہانے گھر سے روانہ ہوئی۔ مگر درحقیقت وہ لاہور سے باہر نہ گئی اور چوری چھپے جاوید بٹ کے ساتھ رہنے لگی۔ سُننے والوں کو تعجب ہوگا کہ فرزانہ قرآن حافظہ اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھی۔ لیکن با ایں ہمہ زہد وعبادت چوری کی بھی عادی تھی۔ لطف یہ کہ راتوں میں مصروف عبادت بھی دیکھی جاتی تھی۔ دو نئے گواہوں نے بیان کیا کہ فرزانہ اور جاوید کی ملاقات وقوعے (غرقابی) سے تین روز قبل ہوئی تھی۔ پتہ چلا کہ وہ اُمید سے تھی۔ پولیس اس نتیجے پر پہنچی کہ فرزانہ نے مایوسی سے بچنے کے لئے خودکشی کر لی ہے دو ہفتے بعد جاوید بٹ نے پولیس کے سامنے اعتراف کر لیا۔ کہ اس نے فرزانہ کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا ہے۔ جاوید نے کہا کہ فرزانہ اسے شادی کے لئے تنگ کرتی تھی۔ اور چونکہ میں اس سے چھٹکارہ پانا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے یہ اقدام کیا۔ ۱۷ رمارچ کو میں اسے اسکوٹر پر بٹھا کر لے گیا۔ اور ایک (سنسان جگہ) بڑی بیدردی سے اُس کا گلا دبا دیا۔ جب فرزانہ مر رہی تھی۔ تو اسکی آنکھوں میں انتقام کے شعلے

چمک رہے تھے۔ آخر اس کا دم نکل گیا۔ اب جاوید کے بیان کا سب سے زیادہ سنسنی خیز قصہ شروع ہوتا ہے۔ جاوید نے کہا کہ میں اعتراف قتل اپنے ضمیر سے مجبور ہو کر کر رہا ہوں۔ شاید میں کبھی اس راز کا انکشاف نہ کرتا۔ مگر اب میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ ہوا یہ کہ رات کو میں اپنے کمرے میں بیٹھا فرزانہ مرحومہ کے تصور میں غرق تھا اچانک میں نے دیکھا کہ وہ مرحومہ سیاہ کپڑے پہنے کمرے میں داخل ہو رہی ہے۔ میں حیران رہ گیا۔ فرزانہ نے کہا کہ جاوید! میں ہمیشہ تمہاری ہوں۔ اور تمہاری ہی رہوں گی۔ میں جاوید! تمہارا (عالم بالا) میں انتظار کر رہی ہوں۔ یہ کہا اور نظر سے اوجھل ہو گئی۔ یہ ہے محمد اشفاق کا بیان! میں نے اس واقعہ کی بذات خود تصدیق نہیں کی۔ نہیں کہہ سکتا کہ اس واقعہ میں افسانہ کی سرحدیں کہاں ختم ہوتی ہیں۔ اور حقیقت کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ یہ واقعہ اسی طرح اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ چونکہ ہمارے یہاں اس قسم کے واقعات کی علمی تحقیق کا نہ انتظام ہے۔ نہ امکان۔ اس لئے ایسے حیرتناک واقعات پر قبل از وقت تبصرہ کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔

پوچ اور لچر کرشمے

کیا یہ بات تعجب انگیز نہیں کہ فرض کردہ روحوں سے جو کرشمے سرزد ہوتے ہیں۔ وہ حد درجہ پوچ، لچر اور لغو ہوتے ہیں۔ واقعی یہ بات تعجب انگیز ہے! ہمیں عالم ارواح کے شہریوں سے اعلیٰ کارکردگی کی اُمید تھی۔ مگر حاضرات کے تماشوں سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بجز شعبدہ بازی اور آزار رسانی کے کسی طریقہ کار اور کسی ''ہنر'' سے واقف نہیں ہوتے۔ شنکر لال اندرون سندھ سے لکھتے ہیں کہ

آج سے تقریباً چار سال پہلے۔ تلسی نامی بچہ جب اسکول سے گھر پہنچا تو ایک ٹانگ اور ایک بازو میں بے پناہ درد سے بلبلا اٹھا اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ آتے ہی بے سُدھ چارپائی پر گر پڑا۔ ڈاکٹروں کو دکھایا۔ مگر ان کی تشخیص سے تسلی نہ ہوئی۔ جب علاج معالجہ کے باوجود بچے کی حالت خراب ہونے لگی۔ تو لوگوں نے مشورہ دیا کہ کسی عامل کو دکھلایا جائے۔ جب ہم نے کسی عامل

سے رجوع کرنے کی ٹھانی۔ تو بچہ اچانک اپنے باپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ

بابا! آچر داس میرے پاس بیٹھا کہہ رہا ہے کہ اپنے باپ سے کہہ دو کہ تم نے اگر میرے معاملے میں کسی پیر فقیر کی ٹانگ آڑانے کی کوشش کی تو دردناک عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔ یہی نہیں بلکہ تمہیں دیوالہ تک کر دوں گا۔ تم لوگ صرف دیوی ماتا کی پوجا پاٹ کیا کرو۔ (واضح رہے کہ دیوی ماتا کا مندر ہمارے گھر ہی میں ہے) اب آچر داس (کوئی آوارہ روح جو بچے پر مسلط ہو گئی تھی) اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا اور گھر والوں کو بُری طرح تنگ کرنا شروع کر دیا۔ مثلاً گھر کی متعدد چیزیں گم ہونے لگیں۔ حتیٰ کہ تجوری تک میں سے نقدی، سونا اور زیورات تک گم ہونے لگے۔ مختصر یہ کہ اس خبیث نے ہمارا ناک میں دم کر دیا۔ آخر کار ہم بچے کو لے کر سکھر کے ایک درویش عبدالواحد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کچھ پوچھے بغیر تمام حالات من وعن بیان کر دیئے۔ حالات بیان کرنے کے بعد۔ درویش نے کچھ ''ورد'' شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بچے سے پوچھا کہ آچر داس کہاں ہے۔ بچے نے فوراً جواب دیا کہ دروازے کے پاس کھڑا ہے۔ پھر انہوں نے کچھ اور پڑھ کر پھونکا اور بچے سے پوچھا کہ بیٹے! اب کیا دیکھ رہے ہو؟ بچے نے کہا کہ آچر داس کو چاروں طرف سے آگ نے گھیر لیا ہے۔ اور وہ دھڑا دھڑ جل رہا ہے۔ لو وہ۔ راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ اس واقعے کے بعد سکون ہو گیا اور چھ مہینے بعد کوئی گڑبڑ نہ ہوئی۔ چھ مہینے بعد پھر آچر داس اپنی راکھ کے ڈھیر سے برآمد ہو گیا۔ یعنی ریڈیو خود بخود بجنے لگا۔ گھریلو چیزیں غائب ہو جاتیں۔ اور پھر مل جاتیں۔ طرح طرح کی شرارتیں ہوتیں۔ ایک دن لڑکے کے والد مکھی رام داس نے طیش میں آ کر آچر داس کو بے پناہ گالیاں دیں۔ اور خوب خوب مغلظات سنائیں۔ جس پر آچر داس کی طرف سے سندھی زبان کی ایک سلپ گرائی گئی۔ اس سلپ پر لکھا تھا کہ اگر میرا تعلق تمہارے خاندان سے نہ ہوتا تو میں تمہارے گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا بچے کا باپ بہت نڈر ہے۔ اس نے کہا کہ جو کچھ ہوتا ہے بھگوان کی طرف سے ہوتا ہے۔ تو خود ایک بھٹکتی ہوئی روح ہے۔ تیرے پاس یہ طاقت کہاں کہ تو ہمارا بال بیکا کر سکے۔ بچے کا باپ یہ بات کہہ ہی رہا تھا کہ آچر کی روح نے باپ کی گود سے بچے کو چھین کر پھینکنا چاہا۔ باپ کی چیخیں نکل گئیں۔ مگر خیر ہوئی اس نادیدہ

قوت نے بچے کو پھینکا نہیں خیر پھر حالات کچھ سُدھر گئے۔ آچرداس کے کردار میں بڑی تبدیلی رونما ہوگئی۔ پھر وہ ہم لوگوں کو طرح طرح کی مٹھائیاں کھلانے لگا۔ آخر کار ایک دن بچے نے باپ سے کہا کہ پتا جی! آچرداس کہہ رہا تھا کہ تم میرے دوست ہو۔ میں کبھی تمہیں تنگ نہ کروں گا۔ مگر سب لوگوں کو یہ وعدہ کرنا پڑے گا۔ کہ اب کوئی شخص مجھے گالی نہ دیگا نہ میرے معاملہ میں کسی عامل سے مدد لی جائے گی۔ میرا وعدہ ہے کہ میں تم لوگوں کو مالا مال کردوں گا۔ تم لوگ صرف دیوی ماتا کی پوجا پاٹ کیا کرو۔ چنانچہ آج کل آچرداس کی روح سے ہمارا معاہدہ طے ہوگیا ہے۔

ہمارا کنبہ دس افراد پر مشتمل ہے۔ ہر روز چار پانچ مہمان لازمی طور پر ہمارے دستر خوان پر ہوتے ہیں۔ اس طرح گندم کی ایک بوری بیس پچیس روز چل جاتی ہے۔ اس معاہدہ کے بعد جب بوری کا منہ کھولا تو حیرانی ہوئی کہ بوری خالی نہ ہوئی تھی اور مزید پندرہ بیس روز چل جائے گی۔ یہ کس قدر حیران کن بات ہے۔ ہمارے گھر میں کوئی ناخوشگوار حادثہ پیش نہیں آیا۔ البتہ پڑوس کے گھروں پر کبھی کبھی خشت باری ہوجاتی ہے۔

شنکر لال نے آچرداس کی آوارہ گرد روح کے جو کرتوت بیان کئے ہیں۔ ان سے چند چیزوں کا اندازہ ہوتا ہے یہ کہ آچرداس کی فطرت آج بھی وہی ہے۔ جو بقید حیات تھی یعنی وہی معمولی دنیاوی خواہشیں! یہ کہ وہ مرنے کے بعد زمین سے بندھا ہوا ہے اور عالم بالا میں بلند نہیں ہوسکا۔ یہ کہ وہ بعض خارق العادات قوتوں کا مالک ہے (آٹے کی بوری) یہ کہ وہ عاملوں سے خوف زدہ ہے اور ایک عامل (عبدالاحد درویش) نے اسے عمل کی طاقت سے جلا دیا تھا۔ مگر پھر وہ اپنی راکھ سے جی اُٹھا۔ یہ کہ اسکی حرکتیں اور شرارتیں تکلیف دہ ہیں۔ مثلاً چیزوں کو غائب کردینا۔ بچے کو ستانا۔ گھر والوں کو دہشت زدہ کرنا۔ یہ کہ اس وحشت و درندگی کے باوجود دوستی کا عہد کرکے اسے نبھانے کی کوشش کرتا ہے۔

آزادنگاری

ذکر کیا جاچکا ہے کہ آزادنگاری (فری رائیٹنگ) کے ذریعہ نادیدہ ہستیوں سے پیغامات حاصل

کئے جاسکتے ہیں۔ جناب عرفان صوفی (کورنگی کراچی) کی اہلیہ شمس النہار سخت حساس اور تاثیر پذیر خاتون ہیں۔ میں نے انہیں آزادنگاری کے ذریعہ روحوں سے رابطہ پیدا کرنے کی ہدایت کی تھی۔ لکھتی ہیں کہ۔

۱۶رستمبر ۱۹۷۳ء (پیر کے روز نو دس بجے رات) کو آزادنگاری کے ذریعہ حاضراتِ ارواح کا جو تجربہ ہوا۔ اسکی تفصیل حاضر ہے۔ ہاتھ بے انتہا سرد اور یخ بستہ ہونے کے بعد تیزی سے خود بخود کاغذ پر چلنے لگا۔ لیکن کوئی تحریر برآمد نہ ہوسکی۔ پھر ہاتھ میں جو انجان قوت پیدا ہوئی تھی۔ وہ تمام جسم میں سرایت کرگئی۔ داہنا ہاتھ جب شل ہوگیا تو دل اس زور سے دھڑک رہا تھا۔ کہ خدا کی پناہ! دل دھڑک کی دھمک دماغ سے جاکر ٹکراتی تھی۔ لیکن جب بے خودی طاری ہونے لگی پھر کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر سوال وجواب ہوئے۔ درج ذیل ہیں۔

بیگم عرفان:۔ آپ کیا مہرالنساء بیگم ہیں۔ آپ کاغذ پر لکھ دیجئے۔ (لکھوا دیجئے)

ج:۔ پھر لکھوں گی۔

س:۔ آپ کو کیا بے چینی ہے؟

ج:۔ تیرے باپ مجھے یاد نہیں کرتے۔ نہ قبر پر آتے ہیں)

س:۔ نہیں امی۔ ابا تو آپ کو بہت یاد کرتے ہیں اور روتے بھی ہیں۔

ج:۔ پھول تک نہیں چڑھاتے۔

س:۔ بیگم عرفان۔ میں حاضر ہو کر پھول چڑھاؤں گی۔

ج۔ ثمینہ (عرفان صوفی کی شادی شدہ لڑکی) نہیں آئی۔

بیگم عرفان۔ نہیں ابھی تک نہیں آئی۔ آپ اسکی شادی سے ناراض تو نہیں۔

ج۔ میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔

بیگم عرفان۔ امّی بے بی سلام کررہی ہے۔

ج۔ میری بچی خوش رہو۔ خوش رہو میرے بچو!۔

بیگم عرفان۔ منے کو اٹھاؤں ملنا چاہتی ہیں آپ؟

ج: نہیں رہنے دو۔ سب خوش رہو۔ جاتی ہوں، اب جانے دو۔ اب جانے دو!

۷ ستمبر ۷۴ء

عمل حاضرات شروع کیا۔ لیکن تحریر کی بجائے میری کیفیت تبدیل ہونے لگی۔ اور خود مجھ میں دودھیا روشنی کے ہالے جذب ہونے لگے اب تحریر ملاحظہ ہو۔ ہاں یہ عرض کردوں کہ میری خوش دامن؛ زوجہ سید مظفر حسین کا تعلق بھارت میں صوبہ سی پی برار سے ہے لہٰذا ان کی زبان وہیں کی ہے۔

بیگم عرفان صوفی۔ امی میری طرف سے بچوں کی طرف سے اور صوفی صاحب کی طرف سے السلام علیکم

ج۔ وعلیکم سلام۔ جیتے رہو۔ خوش رہو بچو! ارے تم لوگ میرے کو روزانہ کیوں پریشان کرتے ہو۔

بیگم عرفان۔ ہمارے استاد رئیس امروہوی صاحب کہتے ہیں کہ تمہاری والدہ کچھ بے چین ہیں۔ پوچھو بے چینی کا سبب کیا ہے؟

ج۔ ان سے کہنا کہ میں نے بے چینی کا سبب کل ہی بتادیا تھا تیرے باپ کی یاد اور سب بچوں کی یاد اور میری بچی کی یاد سے پریشان اور بے چین ہوں۔

بیگم عرفان۔ آپ ابا جان کو کوئی پیغام دینا چاہتی ہیں۔

ج: نہیں تیرا باپ آئے گا تو خود آئے گا۔ یا بھیج دینا کہ پھول چڑھاوے۔

بیگم عرفان۔ ہم آپ کی تمام باتیں ثمینہ کو بتادیں گے۔ آپ بے فکر رہیں۔

ج: (ایک دم غصے میں تھرا کر) وہ بہت سُور آدمی ہے۔ میرے سامنے نام مت لیا کرو۔ لاحول پڑھ لاحول (پھر پورا لاحول اول سے آخر تک پڑھا۔) ہم نے بھی پڑھا۔

بیگم عرفان۔ صوفی صاحب آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ سے معافی چاہتے ہیں۔ کہ انہوں نے آپ کو تکلیف دی تھی۔

ج: تیرا آدمی (شوہر) بہت ضدی ہے۔ کسی چیز پر یقین نہیں۔ اعتقاد ہی نہیں رکھتا۔ مذاق سمجھتا ہے۔ میں ناراض نہیں ہوں۔ میں نے معاف کردیا میرے خدا نے معاف کیا۔

بیگم عرفان۔ آپ کسی رشتہ دار کو کوئی پیغام دینا چاہتی ہیں۔

ج: انوار سے کہنا کہ دو کنکر عود ہی باپ کی نام پر ڈال دیا کر۔ حرامی! نہ باپ کی فاتحہ کرتا ہے۔ نہ ماں کی!

بیگم عرفان۔ آپ وہاں پر ہماری دادی، دادا، پھوپی، نانی تایا ابا۔ وغیرہ سے ملی تھیں۔

ج: ہاں تیرے دادا اور صوفی کے عزیز رشتہ دار والدہ سب بہت آگے چلے گئے ہیں۔ میں بھی اب جانے والی ہوں۔ میرے تایا وہاں بھی اسی طرح ضدی ہیں۔ (جس طرح دنیا میں تھے)

بیگم عرفان۔ آپ ثمینہ کے متعلق کچھ بتائیں کیا کروں!

ج: میں کیا کرسکتی ہوں بائی! تم اپنے استاد رئیس امروہوی سے کہنا کہ وہ اس کیلئے کچھ کریں۔

(درمیان میں اچانک میری لڑکی نائلہ نے پوچھا) ثمینہ کیلئے کیا کریں۔

ج: تو کون ہے؟

بیگم عرفان۔ یہ بے بی ہے۔

ج: اچھا بے بی ہے۔ تیرے باپ سے بولنا وہ جو کتابوں میں پڑھتا ہے۔ اس میں سے کچھ دے۔

بیگم عرفان۔ امی۔ آپ نے صوفی صاحب کو معاف کردیا ان کے لئے دعا کریں۔

ج: ہاں بیٹی معاف کردیا۔ اس سے کیسے ناراض ہوں گی وہی تو تیرا اور بچوں کا خیال کرتا ہے۔ اس نے اتنا تیرے لئے کہا۔ مگر تو نہیں مانی! اچھا (روتے ہوئے شدید کرب کے انداز میں) اور لڑکی کو جھوک (جھونک) دیا۔

بیگم عرفان۔ اچھا امی! آپ خدا کے لئے ناراض نہ ہوں انہوں نے پتہ نہیں مجھ پر کیا کردیا تھا؟

ج: وہ تو میں نے کل ہی بتادیا تھا۔ (پھر منّے کے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ تیری لڑکی بہت ضدی ہے۔ پھر حمیرا (چھوٹی لڑکی) نے سلام کیا۔

ج: تم اپنے ماں باپ کا کہنا مانا کرو۔ ان کی پریشانی کا خیال کرو جیسے ایک (لڑکی یعنی ثمینہ) برباد ہوئی۔ ویسے ہی تم کو بھی (برباد) ہونا ہے کیا؟ اچھا آج تو دوپہر میں صوفی سے کیا بول رہی تھی۔ برسی کے بارے میں (یہ خطاب بیگم عرفان سے تھا۔

بیگم عرفان۔ امی میں نے ان سے کہا تھا۔ کہ آپ کے مزار شریف پر قدم بوسی کر کے آئیں۔

ج: ہاں وہ آیا ضدی لڑکا، اس کو یقین ہی نہیں ہے۔

بیگم عرفان۔ نہیں امی اب سب مانتے ہیں۔ سب یقین کرتے ہیں۔ ہم سب یقین کرتے ہیں۔ بلکہ ہم سب مزار شریف پر آئیں گے۔ پھول چڑھاؤں گی۔ جمعہ کے دن ارادہ ہے۔ برسی میں آپ کے لئے کیا کروں؟

ج: کچھ بھی! چاہے سوکھے چاولوں پر ہی (فاتحہ) دیدو۔ اچھا اب میں جاؤں گی۔ آج رات تم سب آرام سے سونا اور رئیس صاحب سے کہنا کہ اب میرے کو نہیں بلانا۔ بچوں کے لئے پریشانی تھی۔ اب میں آرام کروں گی۔ اچھا اب جاتی ہوں۔ رئیس صاحب کو میرا اسلام کہنا اچھا اب جاتی ہوں۔ اب آپکو آج کے بعد تکلیف نہیں دینگے۔ خدا حافظ خدا حافظ! آپ نے بیگم عرفان صوفی کا بیان سن لیا۔ اب جناب عرفان صوفی کے تجربات ملاحظہ ہوں۔

مرشد اعلیٰ کا فیض

رات کے گیارہ بجے مراقبہ شروع کیا۔ درود فاتحہ کے بعد قبلہ کے توسط سے حضرت مرشد اعلیٰؒ سے توجہ کی درخواست کی مراقبہ میں دیکھا کہ روشنیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور دور سے ایک شخص ہے۔ پھر دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے۔ کوئی ساٹھ پینسٹھ سال کا ہندو برہمن یا پجاری وغیرہ! اس نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا۔ (اس کی گفتگو سنسکرت آمیز تھی) کہنے لگا کہ میں نے اپنی لڑکی پر بہت ظلم کیا۔ وہ مسلمان ہوگئی تھی۔ میں نے اسے شادی نہیں کرنے دی وہ اس غم میں گھل گھل کی مرگئی۔ بھگوان مجھے معاف کرے۔ پھر دیکھا کہ اس ہندو پجاری کے برابر ایک لڑکی قدیم لباس پہنے کھڑی ہے۔ ہندو پجاری نے لڑکی کو "کوشلیا" کہہ کر مخاطب کیا۔ اور کہا کہ کوشلیا اب تم کچھ کہو۔ اب جو میں نے اس

لڑکی کی طرف دیکھا تو از حد تعجب ہوا کہ یہ تو وہی آنکھیں اور وہی چہرہ ہے۔ جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ کوشلیا نے کہا ہم لوگ سندھ راجستھان کے رہنے والے ہیں اسوقت یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ میرا محبوب ایک مسلمان سپاہی تھا۔ مجھے تمہارے حضرت محمدؐ سے بے حد عقیدت تھی۔ میں دل سے مسلمان ہوں۔ مگر میرے باپ کو کوئی اسلامی طریقہ نہیں آتا۔ میں صرف اللہ اور محمد کرتی رہتی ہوں بس۔ مگر میری آتما بے چین ہے تم اپنے مہاتما (رئیس جی) سے کہنا کہ وہ میرے واسطے پراتھنا کریں۔ کہ میری روح کو شانتی ملے۔ بس یہی کہنا تھا۔ میں نے مراقبے کی حالت میں باپ بیٹی کے لئے درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ دونوں بے انتہا مطمئن اور خوش نظر آرہے تھے۔ جاتے جاتے کوشلیا نے آپ کو پرنام کیا۔ اور سفید کنول اور سفید گلاب کے پھول میری گود میں ڈال دیئے۔ کہ یہ پھول مہاتما رئیس جی کے چرنوں میں ہم باپ بیٹی کی طرف سے ڈال دینا۔ درود شریف سے وہ ہلکے اور دور ہوتے چلے گئے۔

یہ بیان ہے عرفان صوفی کا! جب بعض لوگوں کے خطوط میں، میں اپنا ذکر دیکھتا ہوں تو سخت حیرت بلکہ وحشت ہوتی ہے۔ نہ جانے یہ سب کیا ہے! نجانے یہ سب کیوں ہے؟ تعجب ہے کہ لوگوں کے مراقبے۔ خوابوں اور مشاہدات میں یہ ناچیز کہاں سے ٹپک پڑتا ہے۔ نفسیاتی طور پر تو اس کا ایک ہی سبب ہوسکتا ہے۔ یہ کہ نفسیاتی طور پر مریض معالج استاد شاگرد اور مرید مرشد کے درمیان ایک رشتہ خفی پیدا ہوجاتا ہے اور اسی رشتے کے سبب نفسیاتی حساس مریضوں یا مراقبہ کرنے والوں کو نگاہ باطن سے اپنے مرشد یا استاد کا ہر رنگ میں جلوہ نظر آتا ہے۔ بہرحال اس معاملہ میں میرا کوئی تعلق نہیں نہ مجھ میں یہ قوت ہے کہ دوسروں کے قلوب پر اثر انداز ہوسکوں، بہرحال یہ ایسا نفسیاتی مظہر ہے جسکی تشریح وتعبیر سے قاصر ہوں۔

ادراک ماورائے حواس

عرفان صوفی نے حاضرات ارواح کے سلسلے میں ادراک ماورائے حواس یا E.S.P پر بھی گفتگو کی ہے۔ ادراک ماورائے حواس کی تعریف یہ ہے کہ حواس خمسہ کو استعمال کئے بغیر کسی شے یا شخص یا

حقیقت کا علم وادراک حاصل کرلینا ارواح سے رابطہ کا معاملہ اسی طریقہ ادراک سے تعلق رکھتا ہے۔عرفان صوفی لکھتے ہیں (یہ ان کے احساسات ہیں) کہ

عمل حاضرات ارواح کے درمیان (ساڑھے نو بجے شب) اچانک فضا پر گہرا سکوت طاری ہوجاتا۔اور چاروں طرف خاموشی چھا جاتی ہے۔حتیٰ کہ درختوں کے پتے تک نہیں ہلتے۔تمام آوازیں معدوم ہوجاتی ہیں۔خصوصاً کتے یکا یک بھونکنا بند کردیتے ہیں۔فضا میں خنکی اور ٹھنڈک چھا جاتی ہے۔قبرستان کی نمناک مٹی سے مخصوص بو محسوس ہوتی ہے (ان کیفیتوں کو میری بیگم نے بھی محسوس کیا) تنفسِ نور کے چکروں کے بعد ہاتھ پاؤں سرد ہوجاتے ہے۔پھر جسم پر کپکپی طاری ہوتی ہے۔اور ایسا لگتا ہے کہ دودھیا رنگ کے ہالے میرے جسم میں جذب ہو رہے ہیں۔اس کے بعد غنودگی اور خود فراموشی کا دور آتا ہے۔میں نے پہلے روز عمل حاضرات اس طرح کیا کہ گول میز پر حروف ابجد (الف سے ی تک) ایک دائرے میں لگادیئے۔درمیان میں شیشے کا گلاس (الٹا کرکے) رکھا۔گلاس چند لمحے بعد خود بخود حرکت کرنے لگا۔(سہارے کے لئے میرے انگلی گلاس کی پشت پر رکھی تھی) لیکن اسکے بعد کچھ عجیب صورتحال پیش آئی۔بیگم کا بیان ہے کہ میری زبان ان کی والدہ مرحومہ کی زبان بن گئی۔(یعنی میں اس طرح گفتگو کرنے لگا۔جیسے ان کی والدہ مرحومہ بول رہی ہیں۔) دوسری بار حسب ہدایت قلم اور کاپی لے کر بیٹھا۔داہنا ہاتھ انتہائی یخ بستہ اور قطعی بے جان ہوکر اکڑ گیا تھا۔قلم خود بخود کاغذ پر تیزی سے حرکت کرنے لگا۔لیکن اسوقت میرا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔اور یہ دھڑکن اتنی تیز تھی کہ کان کے پردے پھٹے اور دماغ کے پُرزے اُڑے جا رہے تھے۔اس کے چند لمحے بعد پشت کی طرف سے دودھیا روشنی میرے دائیں ہاتھ میں جذب ہوگئی۔اور ایسا لگا کہ وہ روشنی میرے تمام جسم میں پھیل گئی ہے۔پھر مجھے کچھ خبر نہ رہی۔ارواح کے سلسلے میں میرا اندازہ یہ ہے کہ یہ غالباً مثالی جسم نہیں جو عالم مثال سے عالم اجسام میں وارد ہوجاتے ہیں۔اس جسم مثالی مزاج عام عادت کردار اور انداز گفتگو وہی ہوتا ہے۔جو (وسیط اور معمول کے ذریعہ) اسکے جسم خاکی کا ہوتا ہے۔جس طرح ہم اپنے مادی جسم میں حقیقت روح سے واقف نہیں ہوتے اس طرح جسم مثالی میں بھی روح کی حقیقت سے بے خبر رہتے ہیں

جسم مثالی میں بھی اسوقت تک شاید زمین سے وابستہ رہنا چاہتا ہے۔جب تک اسکی وہ خواہشیں پوری نہیں ہوجاتیں۔جو جسم خاکی کے وقت تھیں۔(عرفان صوفی کا بیان)

خبیث روحیں

۱۸ستمبر کا واقعہ ہے کہ دن میں تقریباً ڈیڑھ بجے میں نے بیٹھے بیٹھے نگاہیں باہر کی طرف اٹھائیں تو عجب تماشا نظر آیا۔گلاب کے پھول کی سرخی چاروں طرف پھیلنے لگی (صحن میں گلاب لگے ہوئے ہیں) اور انجام کار یہ سرخی پورے صحن اور کمرے میں پھیل گئی۔ماحول انتہائی سرخ ہوگیا ۔مجھے شدید گرمی محسوس ہوئی۔پسینے پسینے ہوگیا۔جسم کا رواں رواں کھڑا ہوگیا۔شدید حدت محسوس ہوتی پسینے پسینے ہوگیا۔گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں۔سرخی اسی طرح قائم رہی۔پھر تبدریج اس سرخی سے ایک شکل بننے لگی۔ڈراونی شکل (مہیب چہرہ) آپ کی طرف توجہ کی۔آپ نے ہمت اور حوصلے کی تلقین کی۔پھر وہ سرخی سفیدی میں تبدیل ہونے لگی۔اور وہ ڈراونی شکل ایک انتہائی خوبصورت ایرانی بلی کا روپ اختیار کرگئی۔ایک آواز آئی۔ہم سادات کے خادم ہیں۔تم سادات کے خادم ہو۔لہٰذا ہم دونوں آپس میں دوست ہیں۔پھر وہ شکل بھی معدوم ہوتی چلی گئی۔اور سفید روشنیاں پھیل گئیں۔یہ مشاہدہ بعالم مراقبہ ہوا۔کبھی کبھی کانوں میں بھنبھناہٹ سی ہونے لگتی ہے بدبو کا احساس ہوتا ہے۔بے اختیار لاحول پڑھنے کو جی چاہتا ہے ایسا لگتا ہے کہ کوئی سیاہ سایہ قریب ہے۔میں نے اس مسئلے پر خاص طور سے غور کیا تو پتہ چلا کہ سب سے بڑی بلا خود انسان ہے۔ ہماری سوچ اگر خودغرضانہ مطلب پرستانہ تخریب کارانہ اور منفی ہے تو ہم غیر شعوری طور پر اولیائے شیطان بن جاتے ہیں اور کائنات کی منفی قوتیں بدکردار انسان کو اپنا مرکز توجہ بنالیتی ہیں۔ایسے بدنیت انسان جب کہیں جاتے ہیں۔تو خباثتوں کے لشکر ان کے ساتھ چلتے ہیں۔اور پھر خیر غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ردّ بلا کا اندازہ میں نے اس طرح لگایا کہ روشن ضمیر افراد کا دل ایسے خبیث لوگوں سے مل کر قدرتی طور پر مکدر ہوجاتا ہے۔اور انسان بے اختیار تھوک دیتا ہے۔یا کبھی کبھی چھینک آجاتی ہے۔

پنجاب کے دیہات میں

بشیر ساجد (کراچی) لکھتے ہیں

پنجاب کے دیہاتوں میں اکثر ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ یعنی بعض عورتوں پر کوئی بد روح (یا جن) آجاتے ہیں۔ اور ان پر دورہ پڑ جاتا ہے۔ اس دورے کی حالت میں آسیب زدہ عوتوں سے غیر موسمی پھلوں کی فرمائش کی جاتی ہے اور وہ آناً فاناً مہیا ہو جاتے ہیں۔ دور کیوں جایئے آپ کے ٹھٹھہ میں بڑے بازار کے اگلی طرف ذرا ہٹ کر ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ وہاں ایک صاحب جن کی عمر پچاس سے اوپر ہے۔ رہتے ہیں یہیں ایک سیدھے سادھے سندھی بزرگ ہیں اور سومار جنوی "یعنی جن والے سورما کے نام سے مشہور ہیں۔ وہا دور دراز سے لوگ آتے ہیں۔ کراچی کے اعلیٰ پوزیشن رکھنے والے مردوں اور عورتوں کو میں نے وہاں دیکھا ہے۔ مسجد کے اندر بائیں طرف کی دیوار سے لگ کر سائل کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اپنا سوال زبانی کرتا ہے یا چٹ پر لکھ کر دیوار پر رکھ دیتا ہے۔ دیوار انسانی لہجہ میں جواب دے دیتی ہے وہاں کسی انسان کے چھپ کر یا شیخ سعدی کی حکایت والے مندر کے پجاری کا بت کے پیچھے بیٹھ کر جواب دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ عام لوگوں کی موجودگی میں ہوتا ہے میرے ایک دوست نے وہاں کسی قسم کے پان کا مطالبہ کیا انہیں پان مل گیا۔ اگر وہ کسی اور پھل یا پان کا مطالبہ کرتے تو شاید وہ بھی مل جاتا۔ آٹھ دس ماہ پہلے حیدر آباد یا نوابشاہ سے آپ کو کسی شخص نے لکھا۔ کہ کوئی نادیدہ ہستی انہیں روپے پیسے دیتی ہے۔ اور اس کے ساتھ اس کا مطالبہ یہ بھی ہے کہ تم فلاں شخص کو قتل کر دو۔ اس واقعے کے متعلق بھی آپ نے شک وشبہ کا اظہار کیا تھا اور غالباً یہ رائے ظاہر کی تھی کہ یہ شیزوفرینا (تقسیم شخصیت) کے مریض ہیں۔ اور خود ہی اپنے روپے نوٹ وغیرہ مختلف مقامات پر رکھ کر بھول جاتے ہیں اور خود انہیں پا لیتے ہیں اور وہی یہ ہے کہ کوئی نادیدہ ہستی ایسا کرتی ہے اس وقت مجھے بھی یہ واقعہ عجیب سا لگا تھا لیکن پچھلے ستمبر میں مجھے لاہور ضلع کے گاؤں بہروال کلاں (کراچی لاہور) ریلوے لائن کے اسٹیشن چھو کی سے سات میل دور) میں جانے کا اتفاق

ہوا۔ وہا میری چھوٹی بہن اور بھانجی رہتی ہے۔ میری بھانجی حامدہ ثروت کی عمر تقریباً ۲۳ سال ہے اور معمولی اُردو یعنی ابتدائی جماعتوں تک تعلیم پائی ہے۔ ناظرہ قرآن پڑھا ہے پندرہ سال کی عمر میں شادی ہو گئی تھی۔ شوہر زمینداری کرتے ہیں ہاں تو جب میں ان کے یہاں گیا تو پتہ چلا کہ گزشتہ کئی ماہ سے ان کے گھر میں بھی وہی سلسلہ جاری ہے۔ جو نواب شاہ یا حیدر آباد والے صاحب کو پیش آیا تھا۔ یعنی کبھی دس روپے کے نوٹ ملتے ہیں۔ کبھی سو روپے کے! میری بھانجی کے بیان کے مطابق اسکا آغاز گزشتہ مارچ اپریل میں ہوا۔ ایک رات نیند کی حالت میں یوں محسوس ہوا کہ ایک عمر رسیدہ سبز پوش بزرگ اس سے کہہ رہے تھے کہ بیٹی! مجھے سو روپے کی ضرورت ہے تم مجھے سو روپے دیدو میری بھانجی حامدہ ثروت نے معذرت کی۔ اس سے اگلے دن جب وہ اٹھی تو کانوں کی بالیاں غائب! کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ بالیاں کہاں غائب ہو گئیں۔ کون لے گیا۔ گھر میں کسی چور کے آنے اور کانوں سے بالیاں اتار کے لے جانے کا امکان نہ تھا۔ بہت پریشان ہوئی۔ مگر کچھ سراغ نہ ملا۔ پانچ سات روز کے بعد پھر وہی بزرگ خواب میں دکھائی دیئے کہہ رہے تھے کہ بیٹی! تم نے مجھے سو روپے نہ دیئے۔ لیکن میں تمہاری بالیاں واپس کرتا ہوں۔ میری بیٹی کی شادی پر روپے کی ضرورت تھی۔ اگلی صبح جب حامدہ سو کر اٹھی تو پلنگ کے قریب بالیاں پڑی ہوئی ملیں۔ اسکے بعد اس عمر رسیدہ سفید داڑھی والے بزرگ کی آمد گھر میں شروع ہو گئی۔ اور اب وہ بیداری کے عالم میں آئے کبھی سبز لباس میں ملبوس کبھی سفید لباس میں ملبوس! عام طور پر وہ جمعرات کو عصر ومغرب کے درمیان گھر میں اس پلنگ پر بیٹھ کر تلاوت یا درود وظائف کرتے ہیں۔ جہاں حامدہ سوتی ہے وہ صرف حامدہ کو نظر آتے ہیں۔ اور اسی سے بات کرتے ہیں۔ اور پلنگ پر یا ساتھ کی میز پر دس (۱۰) روپے یا سو روپے کا نوٹ چھوڑ جاتے ہیں۔ اسکی تصدیق حامدہ کے شوہر نے بھی کی۔ ہوا یوں کہ وہ کچھ زمین بیچ کر روپیہ لائے اور روپوں والا بیگ کھولا۔ تو ایک سو روپے کا نوٹ دوسرے بنڈلوں سے الگ اوپر پڑا ہوا تھا۔ وہ دیکھے بھالے بغیر حامدہ پر بگڑنے لگے کہ بیگ کیوں کھولا؟ اور اس میں سے نوٹوں کے بنڈل کیوں نکالے؟ حامدہ نے انکار کیا اور کہا اور اپنی رقم کے نوٹ گنو۔ جب گنے گئے تو نوٹ اتنے ہی تھے۔ اور سو روپے کا نوٹ فالتو تھا۔ حالانکہ حامدہ کے شوہر ارشد خود خریداروں

سے رقم گنوا کرلائے تھے۔ تب حامدہ نے سبز پوش بزرگ کا راز کھولا۔ اسی طرح ایک دن ارشد کی تسبیح اور ٹارچ حامدہ کے پلنگ پر پڑی ملی۔ حالانکہ وہ صبح کی نماز کے بعد تسبیح اور ٹارچ اپنے اٹیچی کیس میں بند کر کے رکھ دیا کرتا ہے۔ ٹارچ بدستور جل رہی تھی۔ اور اس کا پلاسٹک کا حصہ گرمی سے جل گیا تھا۔ ارشد پھر حامدہ پر بگڑا۔ حامدہ نے انکار کیا شب میں اس بزرگ نے حامدہ کو بتایا کہ وہ ٹارچ اور تسبیح میں نے بیگ میں سے نکالی تھی یا ٹارچ غلطی سے جلتی رہ گئی۔ جس سے بیگ کو نقصان پہنچا۔ تمہارے شوہر نے یہ ٹارچ بارہ روپے میں خریدی تھی میں یہ قیمت دیدوں گا۔ صبح کو حامدہ نے ارشد سے معلوم کیا تو قیمت کی تصدیق ہوگئی۔ اور بارہ روپے میز کی دراز سے مل گئے۔ حامدہ سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بیٹی! جو روپے میں تمہیں دوں مجھ سے پوچھے بغیر خرچ نہ کیا کرو۔ غرض یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس نادیدہ ہستی نے کبھی کوئی نامعقول یا ناجائز مطالبہ نہیں کیا نہ کسی کے قتل پر اکسانے کا سوال کیا۔ بشیر ساجد نے جس پُر اسرار مخلوق کی کرشمہ آفرینیوں کا ذکر کیا ہے۔ نہ جانے وہ کون بلا ہے؟ جن ہے کوئی آوارہ گرد روح ہے یا؟ (اس کا کوئی جواب میرے پاس نہیں ہے۔)

شکوک وشبہات

ایک طرف تو لوگوں کو حاضرات ارواح کے عمل سے استقدر دلچسپی ہے۔ دوسری طرف ان کے ذہن میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ خود قدرت ان خرق العادات مظاہر کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتی۔ انسان سے قدرت کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ وہ خود اپنی منطق عقل اور سائنسی استدلال کو استعمال کر کے قوائے فطرت کو تسخیر کرے۔ اور اس طرح اشرف المخلوقات کا منصب دار ہونے کا ثبوت دے۔ عالم اسباب میں اسباب مادّی و سائل کو استعمال کئے بغیر چارہ نہیں۔ انسان نے پچھلے دس ہزار سال میں جو مادی علمی اور تہذیبی ترقی کی ہے زمین پر رگڑ کھا کر چلنے والے پہیے سے لے کر خلائی راکٹ تک! وہ کرشمہ ہے اسکی منطق، ریاضیات اور سائنسی رجحان کا! یہی وجہ ہے کہ انسان سپر نارمل مظاہر کی نسبت ہمیشہ شک وشبہ میں

مبتلا رہتا ہے۔ حاضرات ارواح کا مسئلہ ہو یا کشف واشراق کا! اگرچہ یہ تمام صلاحیتیں انسان کے اندر موجود ہیں۔ مگر وہ ان کے اظہار واستعمال سے واقف نہیں اور نہ اسے واقف ہونے کی کوئی طبعی احتیاج ہی ہے۔ کیونکہ اس زمین پر اسے جو کام اور جو کارنامے انجام دینے ہیں اس کے لئے فوق الفطرت صلاحیتوں سے کام لینے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ تاہم آثار وقرائن بتلاتے ہیں کہ مابعد النفسیات کی تحقیقاتی سرگرمیوں کے نتیجے میں اگلی صدی انسان ان غیر معمولی قوتوں کے استعمال پر زیادہ قدرت حاصل کرلے گا۔ اور وہ تذبذب اور بدگمانی بہت حد تک رفع ہو جائے گی۔ جو عالم غیب کے متعلق اس صدی کے انسان کے ذہن میں موجود ہے۔

کیا واقعی؟

صادقہ بانو (فیڈرل بی ایریا کراچی) نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ کیا واقعی روحیں طلب کرنے پر آجاتی ہیں؟ لکھتی ہیں کہ میں نے انٹر (آرٹس) کا امتحان دیا ہے۔ میری عمر اٹھارہ سال ہے۔ اور میں ایک خوشحال متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ عجب الجھن میں مبتلا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا واقعی روحیں بلانے سے آجاتی ہیں۔ اور اتنی آسانی سے؟ جبکہ تجربہ ہمیں ہوا ہم چند سہیلیوں نے مل کر حاضرات ارواح کا پروگرام بنایا۔ یہ کھیل (ہم تو اسے کھیل ہی سمجھتے تھے) عام طور پر لڑکیوں میں مقبول ہے۔ پہلے ہم نے کاغذ پر ایک چارٹ بنایا۔ اس پر انگریزی اردو حروف لکھے۔ چارٹ کے درمیان میں چونی رکھی پھر تین لڑکیوں نے (ضروری نہیں کہ لڑکیاں ہی ہوں) چار آنے کے سکے پر انگشت شہادت رکھ کر چند سورتیں پڑھیں اور کہا کہ اگر ادھر سے کوئی اگر ادھر سے کوئی روح گزر رہی ہے تو اس چونی کے نیچے آجائے۔ اس جملے کو تین دفعہ دہراتے رہے۔ اگر سکہ حرکت میں آجائے تو اسکا مطلب یہ کہ روح آگئی ہے۔ پھر اس سے سوال کرتے ہیں اگر سوال کا جواب ہاں میں ہو تو سکہ ہاں (yes) کی طرف اور نہیں ہو۔ تو ناٹ (Not) کی طرف حرکت کرتا ہے اگر نام پوچھنا ہو تو سکہ حرف پر رکتا ہے اور اس طرح نام مکمل ہو جاتا ہے مثلاً اگر نام ''زید'' ہے تو سکہ پہلے ز کی طرف پھر ی کی طرف اور پھر د کی طرف جائے گا۔) اس عمل کے ذریعے ہم نے

اپنے مرحوم رشتہ داروں نیز قائداعظم اور قائدملت کی روحوں سے بات چیت کی۔ اکثر سوالات کے جوابات درست نکلے۔ مثلاً قائداعظم سے سوال کیا گیا کہ ہمارے جنگی قیدی کب واپس آئیں گے؟ تو قائداعظم نے واپسی کی تاریخ اور وقت بتایا لیکن اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ ہر سوال کا جواب صحیح ملتا ہے۔ بہت سے سولات کے جوابات غلط ملتے ہیں۔ جب سوالات ختم ہوجاتے ہیں۔ تو ہم روح سے کہتے کہ اب ''آپ یہاں سے تشریف لے جاسکتے ہیں'' اکثر یہ ہوتا ہے کہ روح مذاق کے موڈ میں ہوتی ہے۔ یعنی جانے سے انکار کردیتی ہے۔ پھر کوئی چوتھا آدمی قرآن شریف کھول کر پڑھنا شروع کردیتا ہے۔ اور سوال کیا جاتا ہے کہ آپ موجود ہیں۔ اگر سکے میں حرکت نہیں ہوتی تو سمجھا جاتا ہے کہ روح رخصت ہوگئی۔ رئیس صاحب! ہم آپ سے سچ عرض کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ (حاضرات ارواح) ہمارے لئے پریشان کن بن گیا ہے۔ ہمارے بزرگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سکہ خود حرکت نہیں کرتا۔ تم خود انگلیوں کے اشارے سے سکے کو حرکت دیتی ہو۔ حالانکہ خدا شاہد ہے کہ سکہ خود بخود حرکت کرتا ہے۔ کون حرکت دیتا ہے؟ اس کا علم نہیں۔ تعجب ہے کہ اتنی آسانی سے روحوں سے کس طرح ربطہ پیدا ہوسکتا ہے! صادقہ بانو کی حیرت بجا ہے۔ چونی میں روحوں سے ملاقات کسقدر عجیب وغریب سودا ہے۔ صادقہ بانو نے سوال کیا ہے۔ چار آنے کے سکے (چونی) کو کون حرکت دیتا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ عضلات جسم کی لاشعوری تحریک! انسانی انگلیوں سے ایک خاص قسم کی توانائی کا اخراج ہوتا ہے۔ یہی توانائی اشیاء کو حرکت میں لے آتی ہے امر واقعہ یہ ہے کہ ذہن (یا توجہ کی مرکزیت) اشیاء پر اثر انداز ہوتا ہے بعض لوگوں کی آنکھیں میں ایسی مقناطیسی توانائی ہوتی ہے جو مادی جسموں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ جو لوگ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T.) یا سیلف کلچر ٹریننگ کورس کی مشقیں کرتے ہیں۔ مثلاً التسخیر، التصویر، التجلی، عکس بینی، سایہ بینی، شمع بینی، ماہ بینی، آفتاب بینی، مراقبۂ نور، یا مشق تنفسِ نور، ان کے اندر یہ غیر معمولی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ ذہنی قوت سے جسموں اور مادی چیزوں کا حلیہ بدل دیں۔ انہیں اپنی طرف کھینچ لیں یا انہیں ہوا میں معلق کردیں۔ یہ کوئی واہمہ یا مفروضہ نہیں عام تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ میری زیر نگرانی پچھلے پندرہ سال میں ہزاروں افراد

نے S.C.T کورس کیا ہے۔ اور انہیں اس امر کا تجربہ ہوا۔ لڑکیاں اپنی انگشت شہادت کے سرے چار آنے کے سکے پر رکھتی تھیں۔ اور اپنی پوری توجہ روحوں کی طرف مبذول کردیتی تھیں۔ ذہنی قوت انگلیوں کے سرے سے بہنے لگتی تھی اور چونی حروف کی طرف سرکنے لگتی تھی۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ سوالات کے بامعنی جوابات کون دیتا تھا۔ خود لڑکیوں کا لاشعور یا کوئی آوارہ گرد روح جو ادھر سے گزرتے ہوئے اس دلچسپ کھیل میں شریک ہوجاتی تھی۔ اس سوال کا جواب کون دے سکتا ہے؟ ڈاکٹر محمد نعیم نے نصاب تعمیر تنظیم کی مشقیں کی ہیں ان کے بیانات دلچسپ بھی ہیں اور فکر خیز بھی لکھتے ہیں کہ

حاضرات وموٴکلات

حسب ارشاد حاضرات ارواح کے بارے میں اپنے تجربات لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ بہتر ہے کہ اس سے قبل مشقوں کے اثرات کی طرف بھی اشارہ کرتا چلوں۔ التسخیر (پلک جھپکائے بغیر کسی سیاہ دائرے کے نقطے کو تکتے رہنا اور ذہن کی پوری قوت کو بھی اسطرف مرکوز کردینا) کی مشق اب بآسانی ڈیڑھ گھنٹے تک کرسکتا ہوں۔ اس سے زیادہ میرے پاس وقت نہیں ورنہ اس مدت میں مزید اضافہ کرسکتا تھا۔ پہلے سیاہ نقطے میں جو شکلیں نظر آتی تھیں۔ وہ اب نظر نہیں آتیں۔ کوشش کے باوجود بھی ایسا نہیں ہوتا۔ اشکال کی بجائے اب خیالات کا دھارا بہہ چلا ہے۔ نہ معلوم کہاں کہاں کے خیالات ذہن پر یلغار کردیتے ہیں۔ پرانی یادیں اور یادداشتیں ذہن میں آتی چلی جاتی ہیں۔ ایک سلسلہ خیال ختم ہوتا ہے۔ چھوڑ دوسرا شروع ہوجاتا ہے۔ ان خیالات پر ذہن کا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ یہ آزاد اور خیرہ سر ہوتے ہیں۔ بظاہر بے خودی (سکتے کی سی کیفیت) طاری ہوتی ہے۔ نگاہ لگاتار اپنے مرکز (مشہود یعنی وہ چیز جس پر نظریں جمی ہوئیں ہیں۔) سے چپکی رہتی ہے اور سیاہ نشان چاند کی طرح چمکتا رہتا ہے۔ سیاہ نقطے کے گرد تقریباً چھ انچ تک دائرہ نور پھیلا ہوتا ہے۔ خواب بھی دکھلائی دیتے ہیں۔ مگر بے ترتیب! روشنی کا دائرہ جو ہر وقت نظر کے سامنے رہتا ہے اب بہت وسیع ہوگیا ہے۔ ہجوم نور کے سبب سونے میں بھی دقت ہوتی ہے۔ آنکھیں بند کرنے پر بھی تیز

روشنی نظر آتی رہتی ہے۔اس وجہ سے نیند نہیں آتی۔بقول جگر مراد آبادی

ہجوم تجلی سے معمور ہو کر
نظر رہ گئی شعلۂ طور ہو کر

حاضرات ارواح اور موکلات کے سلسلے میں اپنے تجربات کہاں تک لکھوں۔ہاں بے شک۔ بہت سے ناقابل یقین تجربات سے دوچار ہوا۔چند تجربات حاضر ہیں۔پانچ ماہ قبل سوئی ناردرن گیس کے الیکٹریشن (بجلی کے کاریگر) اسٹور کیپر اللہ داد خان میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میرا بچہ امداد اللہ عمر ۲۰ سال مرض الموت میں مبتلا ہے اور مریض کو چکوال اور لائل پور کے بڑے بڑے ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا ہے۔مریض چکوال میں ہے۔اسکے بچنے کی کوئی امید نہیں آپ عملِ حاضرات کے ذریعہ بتلائیں کہ اس وقت بچے کا حال کیا ہے جیتا ہے کہ مرگیا؟ میں نے اللہ داد خان کے کہنے سے حاضرات کا عمل کیا۔سوال کرنے پر جواب ملا کہ مریض اپنا سر دیوار سے مار رہا ہے۔اور رو رہا ہے یہ بھی بتایا گیا کہ اس بچے پر سحر کیا گیا ہے۔میں نے اس بچے کو بھی نہ دیکھا تھا۔اور نہ وہ مجھ سے واقف تھا۔میں نے اسی وقت حاضرات موکلات (جنات) کو حکم دیا کہ جاؤ اور جادو کا توڑ کر دو۔چوکی (حاضرات کا ایک جن) گیا اور اس نے ایک قبرستان سے دو تعویذ نکال کر جلا دیئے اس طرح مکمل طور پر سحر کے اثرات ختم ہوگئے۔اگلے دن میں نے لڑکے کو خط لکھا کہ تم اپنے ہاتھ سے خط لکھو۔اب کیسی طبیعت ہے۔اور تم کیا محسوس کرتے ہو؟ لڑکے نے فوراً جواب دیا۔لکھا تھا کہ فلاں روز فلاں وقت میں انتہائی بے چین تھا۔سر دُھن رہا تھا۔کہ یکا یک میرا درد ختم ہوگیا۔اب بالکل ٹھیک ہوں۔البتہ کمزوری باقی ہے۔وہ بھی انشاء اللہ رفع ہو جائیں گی۔چند روز کے بعد وہ لڑکا ٹھیک ٹھاک لائل پور آگیا۔اور اب یہیں ہے۔ہر اتوار کو مجھ سے ملنے آتا ہے۔دوسرا واقعہ عرض ہے۔میری چھوٹی بہن آئی ہوئی تھی۔اس نے شام کے وقت حاضرات کا مذاق اڑایا۔کچھ دیر بعد اس نے کریم کی شیشی نکال کر میز پر رکھدی۔رات کو اس نے شیشی بہت تلاش کی۔نہیں ملی۔میں سمجھ گیا کہ مسئلہ کیا ہے چنانچہ میں نے بچے سے حاضرات کرائی تو دیکھا کہ ہماری چوکی کی ایک محترمہ (جن موکلا) کسی جنگل میں بیٹھی کریم لگا رہی ہیں۔میں نے اسے حکم

دیا کہ کریم کی شیشی واپس کر جاؤ تو اس نے کہا کہ آنکھیں بند کروں۔ہم سب نے آنکھیں بند کرلیں آنکھیں کھول کر دیکھا کہ کریم کی شیشی سنگھار میز پر دھری ہے۔شیشی پر انگلیوں کے تمام نشانات واضح تھے۔میں نے وہ شیشی اٹھا کر اٹیچی میں رکھ لی۔کہ دیکھوں اب کیسے لے جاتی ہے۔ اگلے دن جب دیکھا تو شیشی موجود تھی کہ کریم غائب تھی! ایک بار بیگم نے روٹی پکا کر رکھی تھوڑی دیر کے بعد دیکھا تو روٹی غائب تھی۔عمل حاضرات سے پتہ چلا کہ چوکی کے ایک موکل (محمد علی نام) نے یہ شرارت کی تھی۔میں نے ایک بار کہہ دیا تھا۔کہ بچوں کو کھلونے ملنے چاہئیں۔اس روز سے بچوں کو روزانہ کھلونے ملنے لگے۔پھر جب میں نے منع کیا تو کھلونے حاصل ہونے بند ہوگئے۔
ایک بار بچہ بازار میں چلا جا رہا تھا کہ اس کے کان میں چوکی کے ایک موکل! ''انار سنگھ'' نے کہا کہ سڑک پر جو چمکدار بٹن پڑا ہے اسے اٹھالو بچے نے بٹن اٹھالیا۔بچے کے ہاتھ میں آتے ہی وہ بٹن کار بن گیا ایک بچہ وہیں قریب کھڑا ہوا تھا۔اس نے کہا کہ یہ میری کار ہے بچے نے وہ کار اسے دیدی۔اسکے ہاتھ میں پہنچ کر وہ کار، سانپ بن گئی۔بچے نے چیخ مار کر وہ سانپ پھینک دیا۔ندیم میرے بچے نے وہ سانپ اٹھالیا۔سانپ پھر کار بن گیا۔غرض اس طرح کے بہت سے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔میرے پاس اس قسم کی سترہ چوکیاں ہیں سولہ کے موکل جنات ہیں اور ایک چوکی کا تعلق انسانی ارواح سے ہے اس سلسلے میں ایک واقعہ ذکر قابل ہے! میں ایک مریض کو دیکھنے گیا شبہ ہوا کے اس پر سحر ہے۔حاضرات کی تو پتہ چلا کہ اس لڑکے پر کوئی روح مسلط ہے۔حاضرات میں اس روح کو بلایا گیا۔تو اس نے بچے سے ہم کلام ہو کر بتایا کہ میں ۱۹۴۷ میں قتل عام میں شہید ہوا تھا۔میں اور میرے بھائی اس جگہ سکھوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے تھے۔ہم اسی مکان کے نیچے دفن ہیں۔میں اپنے زمانے میں عامل بھی تھا۔میں نے اس سے درخواست کی کہ آپ میرے ہمراہ چلے چلیں وہ میرے ہمراہ آگئے۔اور کلینک کے عقبی کمرے میں رہنے لگے۔ان سے حاضرات کے عمل میں بطور موکل کا کام لینا شروع کردیا۔رفتہ رفتہ اس کمرے میں سات آٹھ روحیں جمع ہوگئیں۔اب وہ لوگ (روحیں) حاضرات اور آسیب اتارنے کے سلسلے میں بڑا کام دیتے ہیں۔ہر وقت میرے مکان کے آس پاس منڈلاتے رہتے ہیں۔جب

آواز دیتا ہوں۔ آجاتے ہیں اس اسی سلسلے کی ایک اور داستان سن لیجئے۔ مجھے آپ کی کتاب حاضرات ارواح (جلد اول) پڑھ کر عمل حاضرات ارواح کا شوق ہوا۔ خیال آیا کہ اس عمل کو مریضوں پر آزمانا چاہئے۔ میرے پاس پلانچٹ یا میز وغیرہ کوئی چیز نہ تھی۔ لہٰذا میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اسوقت میرے پاس کچھ مریض وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت تھا۔ میں نے ایک بچے کو بلا کر اپنے پاس بٹھالیا۔ اور اس سے کہا تم کہو کہ اگر ادھر سے کوئی روح گزر رہی ہو تو ہمارے پاس حاضری دے۔ چند لمحے بعد میری میز کے سامنے ایک روح کھڑی تھی۔ اس نے اپنا نام محمد عاقل بتایا۔ روح کو بچہ دیکھ رہا تھا۔ نہ کسی قسم کی خوشبو نہ بدبو۔ نہ ہمیں کسی طرح سے اسکی آمد کا احساس ہوا صرف یہ احساس ہوا کہ ہوا میں ہلکا پن پیدا ہوگیا ہے۔ ممکن ہے یہ بھی فریق حواس ہو! روح سے اس کا نام پتہ اور نیک و بد معلوم کرنے کے بعد کہ ہمارے بھائی حکیم محمد خلیل شاہ کی روح سے پاس جا کر کہو کہ آپ کا چھوٹا بھائی آپ کو یاد کر رہا ہے۔ ملنا چاہتا ہے چند منٹ کے بعد بھائی صاحب مرحوم کی روح آگئی۔ اور میز کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ وہ سفید کفن پہنے ہوئے تھے۔ اور چہرہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے گزارش کی کہ وہ دنیاوی لباس میں آئیں چنانچہ اسی وقت ان کا لباس تبدیل ہوگیا اور زندگی میں جو حلیہ تھا۔ وہی نظر آنے لگا۔ پھر ان سے (بچے کے ذریعے جو اس وقت معمول بن گیا تھا۔) سلسلۂ کلام شروع ہوا۔ پہلے نام اور ولدیت کی تصدیق کی گئی اسکے بعد سوال کیا گیا کہ آپ کی بیگم مستقل بیماری رہتی ہیں انہیں کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا آپ اپنی زندگی میں کون کون سی دوائیں استعمال کراتے تھے۔ اور اب ان کا علاج کسطرح کیا جائے۔ (بھائی صاحب حکیم تھے۔ اور ان کا انتقال ۲۹ مئی ۲۷ء کو ہوا تھا۔ انہوں نے فوراً بچے کے ذریعہ جواب دیا کہ یہ ساری عمر اسی طرح رہیں گی۔ ٹھیک نہ ہوں گی۔ تم جو دوا مناسب سمجھو کھلاؤ۔ مستقل علاج کوئی نہیں میں نے سوال کیا کہ آپ اپنے گھر کب گئے تھے۔ تو فرمانے لگے۔ بہت عرصہ ہوگیا۔ جب دنیا چھوڑ دی تو یہاں کی چیزوں سے بھی پیار نہیں رہا۔ اس لئے گھر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ پھر کچھ اور باتیں ہوئیں۔ آخر میں نے انہیں رخصت کر دیا وضاحت کے لئے عرض کردوں۔ کہ روح صرف بچے کو نظر آتی تھی۔ اور سوال جواب کا ذریعہ بھی

وہی تھا۔ ہم سوال کرتے تھے۔ بچہ روح کی طرف سے جواب دیتا تھا۔ اس ضمن میں ایک اور واقعہ بھی گوش گزار کردوں۔ ایک لڑکی گھر سے ناراض ہو کر لاہور کے دارالامان میں چلی گئی وہ بہت سے لوگوں کے پاس عمل حاضرات کیلئے گئے۔ پیسہ بھی خرچ کیا۔ آخر بہت دھکے کھا کر میرے پاس آئے۔ میں انہیں اپنے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ وہاں کچھ لوگ اور بھی موجود تھے۔ دن کے دس بجے کا وقت تھا۔ میں نے اُسی بچے (وہی معمول) کو اپنے قریب بٹھالیا سب لوگوں نے ایک ایک پاک روح کو دیکھا۔

لوگوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور اسکا ثواب پاک روحوں کو بخشا پھر قریب سے گزرنے والی روح کو بلایا گیا۔ فوراً بچے نے ایک پاک روح کو دیکھا۔ جس نے اپنا نام بلقیس بتایا۔ اس بی بی کا انتقال ۱۹۶۵ء میں ہوا تھا۔ بلقیس سے (بچے کی معرفت) کہا گیا کہ (فرار ہونے والی) لڑکی کی دادی کو بلا لے۔ دس منٹ بعد بچے نے کہا کہ ایک ضعیف عورت میرے قریب صوفے پر بیٹھی ہے ضعیفہ عورت سے پوچھا گیا کہ تم ان لوگوں کو جو یہاں موجود ہیں جانتی ہو۔ ضعیفہ کی روح نے کہا ہاں! جانتی ہوں! یہ بیچ میں میرا لڑکا بیٹھا ہے۔ داہنی طرف اس کا سالہ ہے۔ اور بائیں طرف اس کا دوست ہے۔ (ہمیں ان تفصیلات کا علم نہ تھا) ہم نے بڑھیا سے مزید سوال کیا۔ کہ تمہارے بیٹے پر کیا بیت رہی ہے تم اس سے واقف ہو۔ روح نے کہا کہ ہاں بخوبی معلوم ہے۔ جمعہ کے روز فلاں وقت اسکی لڑکی گھر سے چلی گئی۔ اس نے اور اسکی دوسری بیوی نے بچی کو بہت مارا تھا۔ پھر یہ دونوں میاں بیوی کسی شادی میں چلے گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں پڑوسی کی ایک عورت آئی اور اس نے لڑکی کو مشورہ دیا کہ بہتری اسی میں ہے کہ تم اس گھر سے چلی جاؤ۔ لڑکی نے بات مان لی۔ وہ عورت اس لڑکی کو اپنے گھر لے گئی۔ پھر اسے ایک اور عورت کے ساتھ لاہور بھیج دیا۔ سمن آباد کے نزدیک ایک مکان ہے اب وہ لڑکی اس مکان میں ہے۔ (دارالامان کی طرف اشارہ ہے) اسکے بعد دادی کی روح نے دارالامان کا پورا حدود اربع بتایا اور یہ بھی کہا کہ صدر دروازے کے سامنے ایک پیڑ کھڑا ہے اسوقت ہم یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ دارالامان کا ذکر کر رہی ہیں۔ کیونکہ میں نے اس وقت تک دارالامان کو نہ دیکھا تھا۔ خیر میں نے بھاگی ہوئی لڑکی کی واپسی کے لئے تالے

(قفل) پر پڑھ کر کچھ دیدیا۔اور بڑی بی کی روح سے کہا کہ اب آپ اپنی پوتی کے پاس چلی جائیں اور اسکی حفاظت کریں۔

اگلے دن پھر ان مرحومہ کی روح کو طلب کیا گیا۔اور معلوم کیا کہ بچی کا کیا حال ہے انہوں نے کہا کہ بچی پر تالے (قفل) کے عمل کا اثر ہورہا ہے۔وہ برابر ماں باپ کو یاد کرتی اور دیوار سے سر ٹکراتی ہے۔خیر ہم نے انہیں رخصت کردیا۔اور بالسٹوری شاہ کی روح کو طلب کیا۔(ان کا مزار جھنگ بازار فیصل آباد میں ہے تو وہ تشریف لے آئے۔ان سے درخواست کی۔دارالامان کی لڑکی کے بارے میں کچھ بتائیں۔انہوں نے اسکی دادی کی باتوں کی تصدیق کی اور یہ بھی کہا کہ وہ کل تک آجائے گی۔ایسا ہی ہوا۔اگلے دن لاہور سے ایک عورت آئی۔اور اس نے کہا کہ میرے پیر کی وفات کے بعد میرے ایک پیر بھائی نے اپنی خلافت کا اعلان کردیا اور سب پیر بھائیوں کو مجبور کیا کہ مجھے ان کا خلیفہ تسلیم کرلیا جائے۔سب نے تسلیم کرلیا۔میں نے انکار کردیا۔کیونکہ میں بخوبی جانتی تھی کہ وہ شخص ہرگز میرے پیر صاحب کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔اسی دن سے پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوں۔وہ نقلی پیر مرگیا اور میرے لئے نحوستیں چھوڑ گیا۔میں نے کسی روح کو بلوایا۔فوراً کراچی کے ایک نیک مرد محمد عاقت کی روح حاضر ہوگئی۔ان کے ذریعہ اس نقلی پیر نے کہا کہ یہ میری مرید ہے۔میں نے کہا کہ یہ تم کو پیر تسلیم نہیں کرتی۔اس پر روح نے برہم ہوکر کہا کہ جبھی تو پریشان ہے۔اور اس انکار کے سبب برابر پریشان رہے گی۔اس جواب پر میں نے اسے غیرت دلائی۔پیر کی روح بگڑ گئی کہنے لگے کہ جانتا ہوں تم طاقت ور انسان ہو۔لیکن تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔یاد رکھو کہ جب تک یہ مجھے پیر نہیں مانے گی یوں ہی مضطرب رہے گی۔اتنے میں ایک اور بزرگ کی روح آگئی۔ بچے کے الفاظ جو معمول کے فرائض انجام دے رہا تھا) اور میرے قریب کھڑی ہوگئی۔ بچے سے کہا۔اپنے باپ سے کہو کہ مجھ سے ہاتھ ملائیں۔میں نے تعمیل ارشاد میں ہاتھ آگے کردیا۔ہاتھ پر خفیف سے ٹھنڈک محسوس ہوئی میں نے کہا کہ تشریف رکھیں۔وہ اس پیر کے قریب بیٹھ گئے۔میں نے تعارف کے لئے درخواست کی تو کہا کہ میاں! اپنے پیر کو بھی نہیں پہچانتے میں نے بچے سے ان کا حلیہ دریافت کیا تو اس نے کہا کہ وہ بالکل نحیف اور کمزور آدمی

ہیں۔میں نے عرض کی کہ حضرت! میرے مرشد تو مولانا یوسف تھے۔جوانی کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔ان کا حلیہ تو آپ کے حلیے سے نہیں ملتا۔فرمانے لگے کہ جس وقت تم نے بیعت کی تھی۔اس وقت کیا الفاظ ادا کئے تھے۔مجھے فوراً وہ الفاظ یاد آگئے "بیعت کی میں نے مولانا الیاس کے ہاتھ پر مولانا یوسف کے واسطہ سے" میں نے کہا تو کیا آپ مولانا الیاس ہیں اس پر ہنسنے لگے کہا کہ خیال آیا۔پھر خود ہی فرمایا کہ شروع میں تمہارے پاس جو روح آئی تھی۔وہ محمد عاقل کی تھی۔وہ بھی میرا مرید تھا۔اس نے یہاں سے واپسی پر مجھ سے ملاقات کی۔اور بتایا کہ تمہارے ساتھ یہ معاملہ درپیش ہے۔اس لئے میں تمہارے پاس چلا آیا۔یہ شخص (پیر کی طرف اشارہ) بہت نالائق شخص ہے اس سے نہ الجھو، میں نے نقلی پیر کو یہاں سے بھگادیا ہے۔تم میری طرف سے اس عورت کو قل ہو اللہ بخش دو۔یہ عورت اس کا ورد کیا کرے۔ٹھیک ہوجائے گی۔میں حضرت کے حکم کی تعمیل میں نے اس عورت کو قل ہو اللہ کا وظیفہ بخش دیا۔وہ عورت مطمئن ہوگئی۔اس نے وظیفہ شروع کردیا۔اور اب الحمد للہ بالکل صحتمند ہے۔میری دادی کی موت کے سلسلے میں کچھ شکوک و شبہات تھے۔میں نے (اس بچے کی معرفت) دادی کی روح سے رابطہ پیدا کیا۔تو انہوں نے فرمایا کہ دنیاوی زندگی کی باتیں دنیا ہی میں رہ جاتی ہیں۔لیکن تم معلوم کرنا چاہتے ہو تو سن لو۔کہ میری موت زہر خوردنی سے واقع ہوئی تھی۔دودھ میں زہر آلود مادہ ملادیا گیا تھا۔ایک مکان کے اندر دفینے کا شک تھا۔میں نے ایک جگہ نشان بنادیا کہ دفینہ کہاں ہے۔لیکن ایک روز دادا جان مرحوم (حکیم عبدالرزاق شاہ) کی روح آئی کہ تم جو چیز فلاں مکان میں تلاش کررہے ہو۔وہ اس جگہ سے تھوڑے فاصلے پر ہے اپنا حصہ طے کرلینا۔ورنہ یہ لوگ خیانت کریں گے۔دوسرے عمل کے ذریعہ اس بات کی تصدیق ہوگئی۔لیکن وہ لوگ گھبراگئے۔اس لئے معاملہ طے نہ ہوسکا۔اسکے علاوہ خاندان کے تمام افراد کی ارواح سے وقتاً فوقتاً ملاقات ہوچکی ہے۔اکثر روحیں گول مول جواب دیتی ہیں۔جن سے اطمینان نہیں ہوتا۔البتہ بعض اوقات کھل کر جواب دیتی ہیں۔اور کبھی کبھی بالکل بے تکی اڑادیتی ہیں۔جہاں تک حاضرات ارواح کے سلسلے میں میری کوشش کا تعلق ہے وہ برابر جاری ہیں میں نے اپنے بیٹے محمد ندیم کے علاوہ ایک اور بچی کو بھی حاضرات کی ٹریننگ

دینا شروع کر دی ہے۔ اسکو بھی اب کچھ نظر آنے لگا ہے! ایکدن میں نے ندیم سلمہ سے تحریر کا تجربہ بھی کرایا۔ بچے کے سامنے کاغذ رکھ دیا۔ اور ہاتھ میں پینسل دیدی۔ اور کمرے میں اندھیرا کر دیا بچے سے میں نے ایک سوال کیا۔ روح نے بچے سے اس کا جواب لکھوا دیا جو درست نکلا۔ میں حاضرات کے عمل کے سلسلے میں، پاکی، خوشبو، جگہ کی پابندی اور صفائی کا کوئی اہتمام نہیں کرتا جس وقت جی چاہتا ہے۔ بلا لیتا ہوں۔ روح آجاتی ہے۔ میرے کلینک کے پیچھے ایک مختصر سا کمرہ ہے جو گودام کا بھی کام دیتا ہے۔ اور نشست گاہ کا بھی، کبھی مریض اس میں آرام بھی کر لیتے ہیں۔ البتہ یہ تجربہ ہوا ہے کہ لوگوں کے ہجوم میں طالب کردہ روح سوال کا جواب دینے سے کتراتی ہے ایک دن کوئی صاحب تشریف لائے۔ کہنے لگے کہ میں فلاں فلاں لڑکی سے آٹھ سال سے محبت کرتا ہوں۔ آج تک ہم کلامی کا موقع نصیب نہ ہو سکا۔ صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ لڑکی بھی مجھ سے محبت کرتی ہے یا نہیں! میں نے حاضرات کا عمل کیا۔ فوراً ایک روح آئی مگر وہ شریر تھی اس سے کہا کہ فلاں لڑکی کے ہمزاد کو پکڑ لاؤ روح کہنے لگی کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ مردوں کی روح تو آسکتی ہے۔ آپ زندہ کی روح کو بلا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ چونکہ تم نجس ہو۔ اس لئے یہ کام تمہارے سپرد کیا ہے۔ اس نے کہا کہ خیر میں کوشش کرتا ہوں۔ لیکن ایک شرط ہے اور وہ شرط پوری کرنے کا وعدہ کرو تو پھر میں کوشش کروں! کیا شرط ہے؟ روح نے کہ کہ میں ڈاکو تھا اور میں نے دنیا میں ہر گناہ کیا ہے اس سبب سے سخت تکلیف میں مبتلا رہتا ہوں۔ آپ میرے لئے دعائے مغفرت کریں۔ میں نے وعدہ کر لیا اس پر وہ چلا گیا۔ کافی دیر کے بعد آیا تو اسکے ساتھ ایک نوجوان خوبصورت لڑکی تھی۔ لڑکی سے پوچھا گیا۔ تو اس نے کہا۔ ہاں خوب جانتی پہچانتی ہوں سوال کیا کہ تم اس شخص سے دلچسپی رکھتی ہو؟ کہنے لگے۔ بالکل نہیں یہ خود ہی دیوانے بنے پھرتے ہیں اس جواب پر وہ حضرات چراغ پا ہو گئے۔ کہنے لگے کہ یہ تو میری محبوبہ نہیں یہ تو اسکی چھوٹی بہن کا ہمزاد ہے وہ تو مجھ سے بہت محبت کرتی ہے اور اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھا۔ اس کام میں دھوکے بھی بہت ہیں۔ بلاتے ہیں کسی اور روح کو۔ آجاتی ہے کوئی اور روح! اور پھر بار بار تنگ کرتی ہے۔ آخر حاضرات کے عمل کو ختم کر دینا پڑا۔

بنگالی موہنی

یہ کسی بنگالی موہنی کی روح ہے۔ جس کو لوگ کالے عمل کی مدد سے تابع کر لیتے ہیں وہ اس شخص کے سامنے آ کر بیٹھ جاتا ہے بلکہ اس پر وارد (غالب) بھی ہو جاتی ہے۔ میں نے ایک بار اسے اپنی چوکی کے موکلات کے ذریعہ بلوا بھیجا۔ اس نے کہا کہ میں فلاں عامل کے زیر فرمان ہوں۔ اسکے حکم کے بغیر نہیں آسکتی۔ اگلے دن وہ عامل صاحب بذات خود تشریف لائے۔ اور کہنے لگے کہ تم نے موہنی کو بلوایا ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں تو فرمانے لگے۔ کہ اب میرے پاس بلواؤ۔ میں نے بچے کو اشارہ کر دیا۔ اس نے توجہ کی بچے کا پورا جسم اکڑ گیا۔ لکڑی کی طرح اور پورا بدن سیاہ پڑ گیا۔ بچے نے (اس عالم میں) دیکھا کہ موہنی ایک خوبصورت عورت کے روپ میں اسکے برابر بیٹھی ہے۔ کچھ دیر بعد موہنی چلی گئی اور بچہ اصل حالت میں آ گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد بچے نے اقرار کیا کہ ہاں اپنی موہنی کو دیکھ لیا۔ اس پر عامل کو بہت حیرت ہوئی۔ کہنے لگا کہ تم پہلے آدمی ہو۔ جس نے موہنی کو دیکھا ہے ورنہ عامل کے علاوہ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ پھر موہنی نے اپنے عامل کو مجبور کیا۔ مجھے اجازت دو۔ میں ڈاکٹر صاحب کی حاضرات میں جایا کروں گی۔ مجبور ہو کر عامل صاحب نے اجازت دیدی۔ اب وہ اکثر اپنی مرضی سے میرے یہاں حاضرات میں آتی ہے۔ بچے سے گفتگو کرتی ہے اور کئی کام کر چکی ہے۔

شام کور

یہ ایک سو سالہ عیاش لڑکی کی روح ہے۔ چاند کی طرح منور۔ نہایت نازک اندام اور غیر معمولی حسین و جمیل! ایک دن گھر میں سب لوگ بیٹھے تھے۔ میں لیٹا ہوا تھا۔ بنگالی موہنی کے ذریعہ شام کنور کو بلوایا گیا۔ وہ آئی اور اس نے آتے ہی میرے لبوں کو بوسہ دیا۔ اور پھر میرے سینے سے چمٹ کر لیٹ گئی۔ مجھے تھوڑی کے قریب ہونٹوں پر نرم خنکی کا احساس ہوا۔ (یہ اسکے بوسے کا اثر تھا) جب میں نے بچے کو شرماتے دیکھا تو اس سے پوچھا۔ کیا بات ہے؟) اس نے شرماتے شرماتے سارا واقعہ بیان کیا۔ یہ سن کر بیگم صاحبہ برہم ہو گئیں۔ میں نے شام کنور کو بھگا دیا۔ ایک روز کمرے میں تنہا لیٹا ہوا تھا۔ بچہ کمرے میں داخل ہوا اور اس نے گھبرا کر منہ پھیر لیا۔ پوچھا! بیٹا کیا بات ہے؟ تو اس نے بتایا کہ شام کنور آپ کے سینے پر لیٹی ہوئی ہے۔ میں اس وقت کسی قدر غنودگی کے عالم میں تھا۔ میں نے دوسرے وقت شام کو ڈانٹا پھر نہیں آئی۔ یہ بھی صرف کالے علم کے لئے قابو میں آسکتی ہے اور کالا علم میں کر نہیں سکتا۔ دونوں موہنیاں مجھ سے کئی بار کہہ چکی ہیں۔ کہ آپ ہمارے

لئے عمل تسخیر کرلیں۔ تا کہ ہم آپکو درشن دے سکیں۔ یہ بھی عرض کردوں۔ کہ شام کنور اپنے عامل کے ساتھ جسمانی روپ میں بیوی کی حیثیت سے رہتی ہے۔ اقرار کرتا ہوں کہ میں نے اب تک کوئی روح نہیں دیکھی نہ کسی کی آواز سنی یا خوشبو سونگھی ہے اس لئے بعض اوقات شکوک پیدا ہوجاتے ہیں اور کسی کے سامنے حاضرات کا دعویٰ بھی نہیں کرسکتا۔

یہ بیان ہے لاہور لائل پور والے ڈاکٹر نعیم کا وہ اپنے بچے ندیم کے ذریعہ حاضرات کا عمل کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میرے قبضے میں سترہ چوکیاں ہیں سولہ چوکیوں کا تعلق جنات سے ہے۔ اور سترہویں چوکی انسان ارواح سے تعلق رکھتی ہے۔ نہ میں نے پوچھا نہ انہوں نے وضاحت کی کہ چوکی سے ان کی کیا مراد ہے۔ اتنے بڑے بڑے معاملات ایک بچے کی معرفت طے پاتے ہیں وہ بچہ طلب کردہ روح کو دیکھتا ہے وہی اسکے جوابات سن کر حاضرین کو بتاتا ہے۔ وہی مردوں کا حلیہ بیان کرتا ہے اس سوچئے کہ معاملے میں کتنے شبہات پیدا ہوئے؟ مجھے اور آپکو نہیں خود مہتمم حاضرات ڈاکٹر نعیم کو! وہ خود اقراری ہیں کہ بعض اوقات شکوک پیدا ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ میں نے نہ کبھی روح کو دیکھا نہ اسکی آواز سنی نہ اسکی خوشبو محسوس کی، جب خود ڈاکٹر نعیم کا عالم تذبذب یہ ہے۔ تو میں اور آپ کیا فیصلہ کرسکتے ہیں!

ناقابل فراموش تجربہ

بقول خود اسیر جسم! احمد غزالی ایڈووکیٹ (دارالعرفان بھاولپور) لکھتے ہیں کہ

اپنے مشاہدات و تاثرات اور تجربات کو بہت حد تک محفوظ کرچکا ہوں۔ جن کیفیات کا مزہ اٹھایا ہے ان کی تفصیل کس طرح بیان کروں سوچتا ہوں کس تجربے کا پیرایہ اظہار کروں۔ بہرحال اپنی کتاب کا پہلا ورق من وعن نقل کرکے بھیج رہا ہوں۔ وہ جاڑوں کی سرد رات تھی۔ پچھلی رات اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ تو میں نے اپنے بستر کی داہنی طرف ایک سایہ کھڑا پایا۔ وہ باریک نورانی تاروں سے بنا اور بُنا ہوا تھا۔ میں ٹھٹھک کر رہ گیا۔ مانوس انسانی خدوخال کو اپنے سامنے دیکھ کر! میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کچھ عرصہ پہلے اس ہستی کو سپرد خاک کیا گیا تھا۔ وہ سایہ

ضرور تھا مگر اس میں کوئی ان دیکھی ان جانی زندگی کارفرما تھی۔ پھر دفعتاً میری ساری قوتیں جواب دینے لگیں۔ شاید میری کمزور روح اس عجیب وغریب مشاہدہ کی تاب نہ لاسکی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر آنکھیں ڈھانپ لیں۔ لیکن سایہ میرے ذہن پر نقش ہوچکا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں بند آنکھوں سے اس سائے کو تک رہا ہوں۔ وقت گزر گیا لیکن آج بھی تصور کررہا ہوں۔ تو ذہن میں وہی احساسات شدیدہ تازہ ہوجاتے ہیں۔ شاید موت کی آخری ہچکی تک میں اس روحانی تجربے کو فراموش نہ کرسکوں!

انجمن معرفت الروح

مجلہ وحید کا شمار ایران کے درجہ اوّل کے ادبی وعلمی جرائد میں ہوتا ہے۔ یہ رسالہ تہران (خیابان شاہ کوئے جم) سے شائع ہوتا ہے اسکے سرورق پر درج ہے "نشریہ دانش پژوہان" "یعنی ایرانی دانشوروں کا ترجمان" مجلہ وحید کا شمارہ ۲۱۰ میں سرلشکر محمد مظہری نے انجمن معرفت الروح کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے۔ یہ انجمن انگلستان کی مشہور وممتاز مجلس تحقیقات نفسیہ یا S.P.R (سائیکالوجی فار سائیکیکل ریسرچ) کے طرز پر قائم کی گئی ہے۔ اور اسکا مقصد یہ ہے کہ حاضرات ارواح کے بارے میں علمی اور سائنسی تحقیقات کی جائے۔ سرلشکر مظہری کو مضمون کا آغاز ان جملوں سے ہوتا ہے کہ کیا روحوں سے انسان کا رابطہ ممکن ہے؟ یہ مسئلہ ابھی تک طے نہیں ہوا اور علمی نقطۂ نظر سے ارتباط ارواح کا قطعی ثبوت پیش کرنا قبل از وقت ہے۔ تاہم چونکہ ہر شخص کو حیات بعد الممات کے مسئلہ سے دلچسپی ہے۔ بنابریں ہم اس موضوع سے قطع نظر نہیں کرسکتے۔ مضمون نگار نے بجا طور پر لکھا ہے کہ پراسرار علوم (حاضرات ارواح) وغیرہ کا مطالعہ عام لوگوں کے لئے پریشانی اور پس ماندگی کا سبب بن سکتا ہے۔ اور نام نہاد روحانیت کے پردے میں لوگ جن گیر (عامل جنات) فال گیر، کیمیا گر، رمال، ساحر، دست شناس اور غیب دان بن کر عوام کو خوب احمق بناسکتے ہیں۔ میں نے خارق العادات (پراسرار علوم) کی تحقیقات میں کافی وقت صرف کیا۔ لیکن ۱۳۲۴ء شمسی میں یہ تجربات موقوف کردیئے۔ کیونکہ روحانی تجربات کیلئے جس

روحانی استعداد اور طہارت نفس کی ضرورت تھی۔ میں اس سے محروم تھا۔ بہر حال ان تجربات سے مجھے جو دولت نصیب ہوئی ہے۔ وہ ذات پاک احدیت پر یقین کامل! خدمت خلق کا جذبہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی آرزو اور تقاضا ہے۔ ۱۳۲۱ء شمسی میں قیام تہران کے دوران میرا تعارف دوست محمد میزری سے ہوا۔ اور انہیں کی معرفت انجمن معرفت ارواح سے شناسائی ہوئی۔ اس انجمن کے جلسے ہفتے میں دو بار منزل وحید الدولہ۔ سعد میں منعقد ہوتے تھے۔ وحید الدولہ سعد کے صاحبزادے آقائے حسن سعد دونوں نے اس سلسلہ میں کافی پیش رفت وترقی کی تھی اور وہی ان جلسوں کے مدیر اور مہتمم بھی تھے۔ ایک نوجوان دوشیزہ میڈیم یا "وسیط" کے فرائض انجام دیتی تھی۔ ان مجالس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ شرکاء مجلس کو ہم مذاق، ہم فکر، اور ہم خیال ہونا چاہئے۔ یہ مجالس خاموشی و پرسکون جگہ برپا کی جاتی ہیں۔ بہتر ہے کہ کمرۂ حاضرات میں خوشبوئیں اور بخورات (لوبان۔ عود۔ وغیرہ) جلائے جائیں تاکہ کمرہ مہک اٹھے محمد مظہری، رقمطراز ہیں کہ حاضرات کی مجلس کا آغاز حمد و دعا سے ہوتا ہے۔ آغاز ہوتے ہی کمرے میں سکوت چھا جاتا ہے۔ پسر آقائے وحید الدولہ پوری یکسوئی سے وظیفہ مناجات یا دعا پڑھتے۔ یکایک کسی ادارے کے بغیر میڈم (کہ اک نوجوان لڑکی تھی۔) کا داہنا ہاتھ حرکت میں آجاتا۔ میڈیم کے سامنے سادہ کاغذ رکھے ہوتے۔ اور وہ بے اختیار کاغذ پر لکھنا شروع کر دیتی۔ اس لڑکی کے بارے میں (جو وسیط معمول یا میڈیم کے فرائض انجام دیتی تھی) یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس کی تعلیم بہت معمولی ہے محمد مظہری کے الفاظ میں "خانم مدیوم کے تحصیلات شاں کی بالاتر از دورہ ابتدائی بود، باایں ہمہ وہ ایسے علمی نکتے اور فلسفیانہ صداقتیں تحریر کرتی کہ عقل حیران رہ جاتی۔ میں نے چند سال تک مجالس حاضرات ارواح میں شرکت کی اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میڈیم معمول سے جو سوالات کئے جاتے تھے۔ ان کا جواب کوئی اعلیٰ تر ذہن یا ترقی یافتہ روح ہی دے سکتی تھی۔۔ ان مجالس میں مرحوم وحید الدولہ کی دختر (جو امام زادہ عبداللہ کی درگاہ کے اندر اپنے قبرستان میں دفن ہیں۔ اور جن کی وفات زہر خوردنی سے ہوئی تھی) کی روح میڈیم کے ذریعہ حاضرین کے سوالوں کے جواب لکھواتی تھی۔ اس طریقہ کو تحریر خودکار یا آٹومیٹک رائیٹنگ کہتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ روحانی معمول (میڈیم) اپنی

پوری توجہ کسی ایک نقطہ یا مرکز پر مرکوز کر دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ اپنا داہنا ہاتھ سرد اور بے جان ہونے لگتا ہے۔ جیسے اس میں کوئی نادیدہ قوت سرایت کر گئی ہے۔ معمول کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے اور قلم خود بخود کاغذ پر چلنے لگتا ہے تصور کیا جاتا ہے کہ معمول کے ہاتھ عالم ارواح کی کوئی اعلیٰ مخلوق حسب مطلب و مراد استعمال کر رہی ہے۔ اور جو کچھ لکھا جا رہا ہے اسکا سرچشمہ معمول کا ذہن نہیں۔ وہ روحانی ذہن ہے۔ جو معمول ہاتھ یا اعصاب پر مسلط ہو گیا ہے۔ از خود نویسی (آٹومیٹک رائٹنگ) کے عالم میں معمول پر بے خودی سی طاری ہو جاتی ہے۔ کہ سعدی، حافظ، اور خیام۔ کی ارواح مبارکہ سے رابطہ پیدا کرایا جائے۔ حاضرات ارواح کی مجالس میں کبھی کبھی ان بزرگوں کی ارواح مقدس جلوہ فرماتی ہیں شیخ بزرگ سعدیؒ کی روح پاک سے جب بھی سوال کیا جاتا ہے وہ اہل مجلس کو نصیحت کرتی۔ کہ کمزوروں کی مدد اور عاجزوں پر رحم کریں۔ اور دوسروں کے حقوق کا پاس لحاظ رکھیں۔ کبھی کبھی سعدیؒ بذلہ سنج کی روح لطیفے بھی سنتی ہے۔ جن لوگوں کو حاضرات ارواح کی مجالس میں شرکت کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ہم واقعی شیخ بزرگ سعدی ہی کی روح سے مخاطب ہیں۔ بخوبی جانتے ہیں کہ اکثر شریر روحیں ان مجالس میں مداخلت کرتی ہیں۔ اور اپنے غلط سلط نام بتا دیتی ہیں۔ چنانچہ یہ جاننے کے لئے کہ شیخ بزرگ سعدیؒ ہی کی روح سے مخاطب ہیں۔ یہ کہا جاتا کہ کلیات سعدی کی کسی ایک غزل کا مصرع پڑھا جاتا اور التجا کی جاتی کہ اس کا دوسرا مصرع لکھوا دیا جائے۔ اس طرح بار بار روح کا امتحان لیا جاتا۔ آخر کار شرکاء مجلس اس نتیجہ پر پہنچے کہ واقعی میڈیم کے ذریعہ سوال و جواب کرنے والی روح شیخ بزرگ سعدیؒ ہی کی ہے۔ کوئی آوارہ گرد روح نہیں جو دڑانہ کمرۂ حاضرات میں گھس آئی ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ سعدی کی کلیات اور کلام اس وسیط کی ذہنی سطح سے کہیں بلند ہے محمد مظہری نے اپنا بیان ان الفاظ پر ختم کیا ہے کہ۔ بہر حال انچہ مسلم است، تکرار ایں قبیل امتحانات درعرض چہار سال کوچک ترین تردے برائے صحت امکان ارتباط با ارواح برائے ما باقی نگہداشت است، یعنی یہ طے ہے کہ چار سال کی مدت میں ان امتحانات کی تکرار کے بعد ہمیں ذرا بھی شبہ باقی نہیں رہا کہ روحوں سے رابطہ ممکن ہے۔ حاضرات ارواح کی مجالس میں خود کار تحریر کے ذریعہ حیات بعد الممات کے بارے میں جو

معلومات حاصل ہوئی ہیں سرلشکر محمد مظہری بازنشستہ (ریٹائرڈ) نے ان کا خلاصہ اسطرح کیا ہے کہ:

مسلسل ترقی پذیر

روح جسم خاکی سے جدا ہو جانے کے بعد مسلسل ترقی پذیر رہتی ہے۔ البتہ اس عالم کی مفصل کیفیات کا اندازہ ممکن نہیں۔ ارواح کے درمیان صرف قوت ارادہ کا فرق ہے اولعزم اور قوی ارادہ رکھنے والی روحیں درجۂ اعلیٰ پر فائز ہوتی ہیں۔ اور کمزور ارادہ رکھنے والی روحیں زمین سے بندھ کر رہ جاتی ہیں۔ انہیں آوارہ گرد ارواح کہا جاتا ہے یہی وہ روحیں ہیں جب انسانوں بلکہ حیوانوں تک کے لئے باعثِ آزار بنتی ہیں۔ آسیب زدگی کے اکثر واقعات انہی بدنصیب روحوں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ سرلشکر محمد مظہری (ریٹائرڈ) لکھتے ہیں کہ ۳۰ تاریخ مہر ماہ ۱۳۴۲ء شمسی کو حکیم عمر خیام کی روح سے حسب ذیل سوالات و جوابات ہوئے۔ انہوں نے خود کار تحریر کے ذریعہ لکھوایا کہ جمادات (سنگ وخشت) میں روح کا وجود ثابت نہیں۔ نباتات (سبزہ و درخت) میں اجتماعی روح (گروپ سول) پائی جاتی ہے البتہ حیوانات کے ہر گروہ کی روح (گروہی روح) مستقل ہوتی ہے۔ اصل الفاظ مصنف کے یہ ہیں کہ وہ لے انواع مختلف حیوان دارائے ہر یک دستہ جمعی مستند۔ رفتہ رفتہ حیوانوں کی یہ گروہی روح ترقی کرتی اور انفرادیت حاصل کر لیتی ہے۔ اس مضمون کو واضح اور روشن الفاظ میں یوں سمجھیں کہ نباتات کی تمام اقسام (سبزیاں، جھاڑیاں، گھاس، کانٹے درخت) کی روح ایک ہے۔ یعنی اجتماعی! یعنی نباتات سب ایک ہی روح عظیم کا مظہر کامل ہیں۔ جسے ہم روح نباتی کہہ سکتے ہیں۔ حیوانات کے ہر گروہ مثلاً مکھیوں کے چھتے۔ سانپوں کے گروہ۔ مچھلیوں کے دستے۔ بھیڑوں کے ریوڑ۔ غرض جانداروں کی تمام قسمیں خواہ وہ رینگنے والے ہوں۔ اڑنے والے ہوں۔ پانی میں تیرنے والے ہوں۔ کی ایک مستقل روح ہوتی ہے۔ جسے گروہی روح کہا جاتا ہے۔ یعنی ہر گروہ (قسم، وضع، شکل وصورت اور جنس) کے حیوانوں کے جسموں میں ایک روح ہوتی ہے۔ البتہ ہر حیوان کی جبلت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اس گروہی روح کو انفرادی روح کے درجے تک پہنچا دے۔ چنانچہ روح حیوانی ترقی کرتے

کرتے رفتہ رفتہ انفرادی روحوں کا درجۂ تکمیل تک پہنچ جاتی ہے۔ عہد قدیم کے انسانوں میں اب تک گروہی روح کے آثار پائے جاتے ہیں۔ لیکن ترقی یافتہ انسان کے جسم میں اسکی انفرادی، شخصی اور ذاتی روح ہوتی ہے۔ البتہ بعض موقع پر ترقی یافتہ انسانی جماعتیں بھی گروہی روح کے زیرِ اثر کام کرنے لگتی ہیں۔ حیک عمر خیام رحمتہ اللہ علیہ نے روح نباتی۔ روح حیوانی اور انسانی روح کے بارے میں جو انکشافات کئے ہیں۔ اس سے اجتماعی لاشعور کے مسئلے کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ کارل ینگ (مشہور نفسیات داں) کا بیان ہے۔ کہ انسان کے ذاتی لاشعور کا سرچشمہ اجتماعی لاشعور ہے۔ اور قوموں کا اجتماعی لاشعور ان اوہام، جذبات، تاثرات، اور تصورات سے مرکب ہے۔ جو انہیں لاکھوں سال کے تجربات زندگی کے نتیجہ میں حاصل ہوئے ہیں۔ عمر خیام کی ان وضاحتوں کو سمجھنے کیلئے ۱۳۴۴ شمسی کو پھر ان کی روح مقدس و مبارک سے سوال کیے گئے۔ حکیم عمر خیام نے اس مجلس میں بتایا کہ قدرت کا منصوبہ تخلیق وارتقا بے حد وسیع اور پیچیدہ ہے۔ مثلاً نوع انسانی نے بدویت (جنگلی زندگی) سے ابتداء کی۔ اور وہ آہستہ آہستہ حیوانات سے انسانیت کی طرف سفر کر رہا ہے۔ یعنی وحشت سے شہریت۔ انحطاط سے ارتقاء اور زوال سے کمال کی سمت میں! لیکن ترقی کا یہ منصوبہ کرۂ ارض تک محدود نہیں۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ زمین پر حیات کثیف شکل میں پائی جاتی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ حیات لطیف سے لطیف تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس عالم سنگ وخشت کے علاوہ اور بہت سی دنیائیں ہیں۔ (برزخ کے سات طبقے مشہور ہیں) انسانی روح اس جسم خاکی کی پوشاک اتار کر جسم نورانی کا لباس اوڑھ لیتی ہے روح سواری (مرکب) سے لطیف تر اور قوی تر ہوتی ہے۔ ہمارا یہ ظاہری جسم یہی خاک میں مل جائے گا دوسرے عالم میں روح کو لطیف تر جسم حاصل ہوگا۔ اسی طرح روح کی ترقی کے ساتھ جسم کی نوعیت یعنی اسکی لطافت میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ تا اینکہ انچہ اندر وہم نایدآں شوم!

سیاروں کی مخلوق

اس سوال کا کہ کیا مختلف دنیاؤں اور سیاروں میں زندگی کا وجود پایا جاتا ہے۔ عمر خیام نے

اثبات میں جواب دیا۔ اور یہاں تک کہا کہ خود سورج تک میں لطیف نورانی مخلوق آباد ہے۔ اور وہ پورے نظام شمسی کو چلاتی ہے۔ ۲۰ اردی بہشت ۱۳۴۴ شمسی کو پھر حاظرات ارواح کی مجلس منعقد ہوئی۔ اس مجلس میں عمر خیام سے سوال کیا گیا۔ کہ ازراہ کرم یہ بتایئے کہ زمین پر زندگی بسر کرتے ہوئے آپ کے انداز فکر میں کیا کیا تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں۔ اس سوال کے جواب میں اس حکیم فرزانہ نے میڈیم کے ذریعہ لکھوایا کہ میری طرف جتنی رباعیاں منسوب کی جاتی ہیں۔ وہ سب کی سب میری نہیں ہیں البتہ جو رعیاں میری ہیں ان سے میرے بدلتے ہوئے اندازِ فکر کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ شروع شروع میں اس عہد کے مزاج اور مذاق کے مطابق متشدد مذہبی تھا۔ اور ان تمام اوہام پر عقیدہ رکھتا تھا۔ جو عوام الناس نے تراش رکھے ہیں۔ لیکن جب میں نے ریاضیات اور نجوم کا مطالعہ اور مختلف مذاہب اور عقائد کا باہمی مقابلہ کیا تو مذہب سے جی بیزار ہوگیا۔ اس زمانے کی مختلف رباعیوں میں لامذہبی کے خیالات کی فراوانی ہے اور حشر ونشر کا مذاق اڑایا گیا اس زمانہ میں میرا عقیدہ یہ تھا کہ انسان مرہی جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ میرا لہجہ تلخ ہوگیا تھا۔ لیکن جوں جوں عالم فطرت کے متعلق میرے مطالعہ میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ ایک عظیم وعجیب نظام ہے۔ جو انتہائی باقاعدہ اور باترتیب ہے۔ بے قاعدگی اور نکھراؤ صرف انسانی معاشر میں پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد میں نے فلسفے حکمت اور الہیات کا مطالعہ شروع کیا تو اس نتیجہ تک پہنچا کہ جام قالب ہے اور روح شراب!

انسان چو صراحی بود و روح چو مے — قالب چو نے بود صدائے در نے

دانی چہ بود؟ آدم خاکی خیام — فانوس خیالی و چراغ درو ے

امیج آف دی ورلڈ

میرے مرحوم چچا جان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ بہت متقی پرہیز گار اور عابد و زاہد بزرگ تھے۔ وہ چورہ شریف ضلع کیمبل پور میں دفن ہیں۔ میرے بھائی م۔ الف وہی لکچرار ہیں۔ ایک دفعہ شام کو مسجد میں گئے تو وہ سنسان پڑی تھی۔ اندر جا کر دیکھا تو دم بخود رہ گئے۔ دیکھا کہ چچا جان مرحوم مسجد

میں بیٹھے قرآن پڑھ رہے تھے۔ انہیں خیال آیا کہ یہ تو فوت ہو چکے ہیں یہ کون قرآن پڑھ رہا ہے انہوں نے بھاگنا چاہا مگر ٹانگوں میں سکت نہ تھی۔ شل کھڑے تھے۔ اتنے میں چچا جان مرحوم انہیں اشارے سے پاس بلوایا۔ جب وہ قریب گئے تو ان کے سر پر دست شفقت پھیرا۔ مسکرائے اور نظر سے اوجھل ہوگئے۔ یہ س ع غ کے ایک خط (مورخہ ۲۱ اکتوبر ۸۷ء) کا اقتباس ہے۔ مکتوب نگار کا تعلق ایک مشہور خانوادہ تصوف و روحانیت سے ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ (جن کے نام نام سے نیوٹاؤن کو منسوب کر کے بنوری ٹاؤن کا خطاب دیا گیا ہے) آپ کے قریب ترین عزیز تھے۔

اب س ع غ کے اس بیان کے روشنی میں مشہور عالم خبر رساں ایجنسی رائٹر کی نشر کردہ رپورٹ پڑھئے۔ یہ رپورٹ اس کانفرنس کے متعلق ہے۔ جو آسٹریا کے مشہور شہر Innsberuck میں منعقد ہوئی تھی۔ یہ شہر برف پر پھسلنے کے مقابلوں کے لئے عالمی شہرت رکھتا ہے۔ انسبرک میں دنیا بھر کے ایک ہزار چوٹی کے سائنسداں، علماء نفسیات، ڈاکٹر اور دینی رہنما، حیات بعد الممات کے مسئلے پر غور و بحث کرے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ ایک ہفتے تک یہ مباحثہ جاری رہا۔ بحث کا خصوصی موضوع تھا کہ نزع کے عالم میں انسانی ذہن جن مناظر سے یکا یک دوچار ہوتا ہے۔ ان کی اصلیت درحقیت کیا ہے ظاہری موت کے بعد جن لوگوں کو طبی امداد سے زندہ کرلیا گیا تھا ڈاکٹروں نے ان کے بیانات کو تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔ ان سب کے بیانات میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے۔ ان سب کو مرنے کے بعد (حالانکہ موت کا وقفہ بہت قلیل ہے۔) یکساں تجربات سے گزرنا پڑا۔ انسبرک کی ہفت روزہ کانفرنس کے بعد اس کے ترجمان نے اعلان کیا کہ ان تحقیقات کے نتیجہ میں بہت سے سائنسدانوں اور علماء نفسات کو یقین ہوگیا ہے کہ زندگی کا خاتمہ قبر پر نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کے بعد بھی حیات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

موت اک زندگی کا وقفہ ہے۔
یعنی آگے چلیں گے دم لیکر

ممتاز عالم نفسیات اینڈ ریز رنج نے اعتراف کیا ہے کہ کانفرنس کے بعض شرکاء ان تحقیقات سے مطمئن نہیں۔ انہیں اب تک موت کے بعد زندگی کا تصور ڈھکوسلا نظر آتا ہے۔ البتہ سائنسدانوں کی

اکثریت زندگی بعد از مرگ کے امکان کو تسلیم کرنے لگی ہے۔ ڈاکٹر کارلس ارسز نے اس قسم کے ایک ہزار معاملات کی چھان بین میں کہا سلامتی ہو تم پر! ہم تمہیں لینے آئے ہیں بعض عیسائیوں نے بیان کیا کہ انہوں نے اس عالم میں خود حضرت عیسیٰ کی زیارت کی۔ ڈاکٹر اورسز۔ امریکن سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ کے سربراہ ہیں۔ ان تمام تحقیقات کی نگرانی کے فرائض انہوں نے انجام دیئے ہیں۔ اس کانفرنس کے ایک مندوب۔ جان کووچ نے بتایا کہ مجھے یاد ہے کہ میں اپنے جسم سے باہر نکل گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر میری جان بچانے یعنی دوبارہ زندہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ جب مجھے اندازہ ہوا میں جسمانی طور پر مردہ مگر حقیقتاً زندہ ہوں۔ تو مجھ پر وجد اور لافانی مسرت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ لیکن جونہی ڈاکٹروں کی کوشش سے مجھے اپنے جسم خاکی میں واپس آنا پڑا۔ تو بے حد تکلیف اور درد محسوس ہوا۔ ڈاکٹر رنج کا بیان ہے۔ کہ انسبرک کے اس اجتماع میں ایک ہزار اہل علم اور طب و نفسیات کے محقق جمع ہوئے تھے۔ اکثریت کو اس تحقیقاتی مہم کے نتائج سے اتفاق تھا۔ البتہ بعض نے مر کے جی اٹھنے والوں کے بیانات کو مسترد کر دیا اور مطالبہ کیا کہ حیات بعد الممات کے ثبوت کے لئے زیادہ مستحکم ٹھوس اور ناقابل تردید شہادتیں پیش کی جاتیں۔ مگر یہ ممکن نہیں ڈاکٹر رنج کہتے ہیں کہ روحانیات تو روحانیات ہمیں طبیعات میں بھی ان چیزوں پر یقین کرنا پڑتا ہے۔ جو آنکھ یا آلات سے نظر نہیں آتیں۔ (مثلاً الیکٹرون یا برق پارے) البتہ مجموعی اور مربوط شہادتوں سے ہمیں ان کے وجود کی تصدیق کرنا پڑتی ہے۔ چند سائنسدانوں نے ان واقعات کی توجیہہ اس طرح کی ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں۔ جن پر موت کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ اور ڈاکٹروں نے ان کی طبی موت کی تصدیق کر دی تھی۔ مگر بعد کو ان کے تن مردہ میں جان پڑ گئی۔ سوال یہ کیا گیا ہے کہ موت کی حالت طاری ہونے کے بعد انہوں نے کیا دیکھا؟ اور کیا محسوس کیا؟ سب کا بیان یہ تھا۔ کہ موت کے بعد انہوں نے نجات مطلق کی دلنواز اور فرحت انگیز کیفیت محسوس کی۔ اس عالم میں اپنے مرحوم عزیزوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے لئے سعادتوں کے مژدے اور بشارتوں کے وعدے لائے ہیں۔ اس اجتماع میں سوئٹزرلینڈ کے ایک ماہر تعمیرات نے اپنے تجربات بیان کئے۔ یہ صاحب سڑک کے

ایک حادثے کا شکار ہو گئے تھے۔ اور ان کی موت کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ زندگی باقی تھی بچ گئے۔ ان صاحب نے اعتراف کیا کہ قید جسم سے آزاد ہو جانے کے بعد۔ انہوں نے عجب روحانی بشاشت محسوس کی۔ بعض نفسیات دانوں کا بیان ہے۔ کہ نزع میں مختلف افراد کو جو مناظر نظر آتے ہیں۔ وہ درحقیقت ان کے مذہبی عقائد اور سماجی روایات کا عکس ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہندوستان اور امریکہ کے ان افراد سے انٹرویو لئے گئے۔ جو مر کر جی اٹھے تھے یہ لوگ مختلف العقائد اور معاشرے سے تعلق رکھتے تھے۔ تاہم حیرت یہ ہے کہ سب نے (ظاہری موت کے بعد) ایک تیز چمکدار روشنی دیکھی اور پھر اپنے کو مسرت جاودانی کے سمندر میں غرق پایا۔ بہت سے مرنے والوں نے اپنے مرحوم رشتہ داروں سے ملاقات کی۔ ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ نزع میں بیمار کو جو نشہ آور دوائیں دی جاتی ہیں مثلاً مارفین! ان کے سبب یہ صورتحال پیش آتی ہے۔ کچھ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ جانکنی کے مرحلے میں دماغ آکسیجن سے خالی ہو جاتا ہے اور یہ بات عجائبات نظر آتے ہیں۔ انسبرک یہ کانفرنس "امیج آف دی ورلڈ آرگنائزیشن" کے تحت منعقد ہوئی تھی۔

کانفرنس کے مباحث کا نچوڑ یہ ہے کہ زندگی بعد از موت کا موضوع مزید تحقیق کا مستحق اور محتاج ہے۔ اور اب صرف اتنی بات رہ گئی ہے کہ اس غیر معمول نفسیاتی مظہر (حیات بعد الممات) کی سائنسی تصدیق کے وسائل فراہم کئے جائیں۔ یہ ہے یورپ اور امریکہ کے جدید سائنسدانوں اور علمائے نفسیات کی تحقیقات اور نظریات کا خلاصہ!

مس شہلا سبزواری ایم۔ ایس۔ سی (ناظم آباد کے کسی کالج سے) لکھتی ہیں کہ

انسبرک کانفرنس کے بارے میں جو کچھ چھپ رہا ہے (اس سلسلے میں نیوز ویک اور ٹائم نے بہت کچھ لکھا ہے۔) ہمیں اس تجزیہ نفسیات کی روشنی میں کرنا چاہئے۔ نفسیات کی ایک طالبہ حیثیت سے میرا خیال یہ ہے کہ۔ نزع کے عالم میں جن مشاہدات اور مظاہروں سے سابقہ پڑتا ہے۔ یعنی نام نہاد موت کی بیہوشی میں جو کچھ دیکھا اور سنا جاتا ہے۔ وہ سب کے سب ہمارے لاشعور کی صدائے بازگشت ہوتی ہے۔ اور کچھ نہیں! موت کا لفظ سنتے ہی دل و دماغ میں ہل چل سی مچ جاتی ہے اور وہ تمام کہانیاں یاد آجاتی ہیں۔ جو ہم نے گہوارۂ طفلی میں نانیوں اور دادیوں سے سنی

تھیں۔ ملک الموت کا نمودار ہونا بچھڑے ہوئے عزیزوں کا نظارہ جنت کی بشارت۔ جن بزرگوں سے ہماری مذہبی عقیدتیں وابستہ ہیں۔ ان کا مردے کی تسکین کے لئے تشریف لانا وغیرہ وغیرہ جو لوگ موت کے پنجے میں گرفتار ہونے کے بعد مصنوعی تنفس (آکسیجن) سینے پر مالش یا دوسرے میڈیکل ذرائع سے بچالئے گئے۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا یا سنا وہ سب ان کے لاشعور کا ڈرامہ تھا اور بس۔

جناب ارشاد الرحمٰن (اسکوٹرانٹرنیشنل A-B / 149 علامہ اقبال روڈ پی سی ایچ ایس) لکھتے ہیں کہ جو لوگ موت کے منہ سے نکل کر آئے ہیں ان کے تجربات بہت زیادہ پیچیدہ اور قابل غور ہیں۔ درحقیقت نزع کی حالت میں دماغ کے اندر کاربن ڈائی آکسائیڈ (آکسیجن کی کمی کے سبب) اسقدر جمع ہو جاتی ہے۔ کہ آدمی کی عقل سلیم مفلوج اور شعور معطل ہو جاتا ہے اور اس کا مل غنودگی میں اسے جو کچھ نظر آتا ہے۔ وہ سب کچھ اس کے اندر کے تصورات، تاثرات، تصورات اور تجربات کی شکل میں (بصورت خام مواد موجود ہوتا ہے) ذاتی طور پر میرا خیال ہے۔ کہ عالم احتضار (جب دم نکل رہا ہو) میں نظر آنے والی چیزیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں سوائے فنا پذیر انسانی واہموں کے! آپ کا مضمون پڑھ کر مجھے خیال آیا کہ کمپیوٹر اور انسانی دماغ میں کس قدر مطابقت اور مشابہت پائی جاتی ہے کمپیوٹر اور انسانی دماغ میں کس قدر مطابقت اور مشابہت پائی جاتی ہے کمپیوٹر کو ایک برقی اور تحریک دیتی ہے اور دماغ کو انسانی توانائی یا روح (ورح کو اعصابی توانائی سمجھ لیں) میرے پاس ایک چھوٹا سا Electro- Nic Calculator ہے۔ ایک دن میں نے اپنے استعمال کے نے کیلکولیٹر نکالا تو معلوم ہوا کہ اسکی بیٹری ڈاؤن ہے اور اس کے روشن ہندسے بہت مدہم چمک رہے ہیں۔ بہر حال میں نے اس کو دیکھا ضرب و تقسیم کے لئے استعمال کیا، جوابات درست آئے۔ پھر کلیکولیٹر بالکل بجھ گیا۔ یکایک پھر کیلکولیٹر میں چمک پیدا ہوئی۔ اور مثلاً ۳۵۱۲۹۰۴۲ کی بجائے ••••••••• صفر ظاہر ہوئے اور اس کے بعد کیلکولیٹر بالکل بجھ گیا۔ خیال رہے کہ یہ جو آخری ہندسہ نظر آئے تھے ان کی کوئی Key نہیں دبائی گئی تھی۔ بلکہ یہ ہندسہ خود بخود ابھر آئے تھے۔ گویا کہ برقی محاسب Calculator طبعی موت سے دوچار ہو گیا

تھا۔ (برقی رو منقطع ہو چکی تھی۔) تاہم کمپیوٹر کی موت کے بعد یہ کرشمہ نظر آیا! اسے کیا کہیں گے؟ یقیناً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب برقی محاسب کی جسمانی موت واقع ہو چکی تھی۔ یعنی برقی رسید رسانی (سپلائی) رُک چکی تھی۔ تو جاتے جاتے اچانک یہ ایک دفعہ روشن ہو کر بغیر کسی سبب کے ایسی اوٹ پٹانگ عددی عبارت کیوں ابھری؟ جبکہ کوئی Key وغیرہ نہ دبائی گئی تھی۔ پھر اسکے سائنسی توجیہہ کیا ہوگی۔ آپ غور تو کریں۔ کہ اس واقعے سے کس قدر مطابقت ہے۔ نزع میں انسان تجربات و مشاہدات کو؟ پتہ یہ چلا کہ نزع میں انسانی جو کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔ وہ غیر حقیقی ہوتا ہے۔ یہ سب کیا ہے گزرے ہوئے تجربات کی پرچھائیاں۔ یا انسانی تخیل کی ایک بے معنی پرواز۔ یا بجھے ہوئے انسانی دماغ کی عارضی جھلک۔ یہ ہے رئیس صاحب اس بارے میں میرا خیال!

..........☆☆☆..........

ختم شد

Hazraat-e-Arwah



Written by :
Rais Amrohvi

مصنف کی دیگر کتابیں

1 - جنسیات	7 - جنات
2 - عجائب نفس	8 - ہپناٹزم
3 - مظاہر نفس	9 - عالم برزخ
4 - لے سانس بھی آہستہ	10 - نفسیات و مابعد النفسیات
5 - توجہات	11 - عالم ارواح
6 - مراقبہ	12 - قطعات



WELCOME BOOK PORT
Main Urdu Bazaar, Karachi Pakistan
Tel: (92-21) [illegible], 32639581 Fax (92-21) 32638086
Email: wlbooks@hotmail.com
[illegible] www.wlbooks.com

[illegible]8-996-500-058-9